انٹرنیشنل ایڈیشن

معارفِ رضا

مجلّہ سنہ ۱۴۱۲/۱۹۹۱

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، پاکستان

انٹرنیشنل ایڈیشن

معارفِ رضا

شمارہ یازدہم ۱۹۹۱ء / ۱۴۱۲ھ

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ)

۴/۲۳۴ تیسری منزل نشیمن بلڈنگ، اسٹریچن روڈ، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

رسالہ ——— معارف رضا (انٹرنیشنل ایڈیشن)

شمارہ ——— یازدہم ۱۹۹۱ء/۱۴۱۲ھ

اشاعت اوّل ——— ایک ہزار

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

ناشر ——— ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا

کتابت ——— عبدالغفور سلیمانی

تصحیح ——— پروفیسر حافظ عبدالباری صدیقی

ملنے کا پتہ

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، رجسٹرڈ کراچی

۲۳۴/۷ نشیمن بلڈنگ اسٹریچن روڈ، کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

مشمولات

حمد باری تعالیٰ جلّ جلالہ

از: مفتی حامد رضا خان قادری بریلوی

کون میں کون ہے تُو ہی تو۔ تو ہی تو ہے یا مَنْ ھُو
تو ہی تو ہے تو ہر سُو یا مَنْ لَیْسَ اِلاَّ ھُو
لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو، لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو، لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو، یا من لیس اِلاَّ ھُو

ذرے میں نور ہے گل میں بو، کوئل کو کے کو کو کو
پی کہاں پپیا کہے ہر سو، اللہ اللہ اللہ
لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو ۔ ۔ ۔ ۔ یا مَنْ لَیْسَ اِلاَّ ھُو

کثرت میں ہے کیسی وحدت، وحدت میں پھر کیسی کثرت
چشم مست میں تیری رنگت پھولوں میں تیری خوشبو
لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو ۔ ۔ ۔ ۔ یا مَنْ لَیْسَ اِلاَّ ھُو

طور بنا ہے ذرّہ ذرہ، نور بنا ہے قطرہ قطرہ
تیرا شناگر ثبت کا بندہ، سجدہ بتوں کا تیری سُو
لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

رُوح میں تو ہے دل میں تو، میری آب و گل میں تو
اَصل میں تو ہے ظِل میں تو، حق حق حق ھو ھو ھو
لَا اِلٰہ اِلاَّ ھُو ۔ ۔ ۔ ۔ یا مَنْ لَیْسَ اِلاَّ ھُو

لامعبود الّا ہٗ ، لا مسعود الّا ہٗ .....
لاموجود الّا ہٗ ، لا مقصود الّا ہٗ
لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ..... یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُو

رُوح ودل سرا ور خفی ، اخفیٰ میں بھی ہے تو ہی ،
قلب صنوبر نیل و پری ، جاری ساری سب میں تو
لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ... یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُو

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللہ ، مَافِیْ قَلْبِیْ غَیرُ اللہ
نور محمد صلی اللہ ، اللہ اللہ اللہ
لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ... یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُو

اوّل تو ہے آخر تو . باطن تو ہے ظاہر تو ،
قادر قادر قادر تو ، اللہ اللہ اللہ ،
تو میرا آقا میں تیرا بندہ ، بندہ بھی کیسا گھنونا گندہ
لوث معاصی سے آگندہ ، کر اپنے کرم سے عفو ، عفو
لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ... یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُو
تحریر ہے آبِ زر سے ورق ، بے دل میں لکھا حامد کے سبق
انتَ الھادی انتَ الحق ، لَیْسَ الْھَادِی اِلَّا ھُو
لَا اِلٰـہَ اِلَّا ھُو ... یَامَنْ لَیْسَ اِلَّا ھُو

نعت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

از: ــــــ امام احمد رضا خان قادری محدّث بریلوی

کیا ٹھیک ہو رُخِ نبوی پر مثالِ گُل
پامالِ جلوۂ کفِ پا ہے جمالِ گل

جنّت ہے ان کے جلوہ سے جویائے رنگ و بو
اے گل ہمارے گل سے ہے گل کو سوالِ گل

اُن کے قدم سے سلعۂ غالی ہو جناں
واللہ میرے گل سے ہے جاہ و جلالِ گل

سنتا ہوں عشق شاہ میں دل ہوگا خوں فشاں
یارب یہ مُژدہ سچ ہو، مبارک ہو فالِ گل

بلبل حرم کو چل غمِ فانی سے فائدہ
کب تک کہے گی ہائے وہ غنج و دلالِ گُل

غمگیں ہے شوقِ غازۂ خاکِ مدینہ میں
شبنم سے دُھل سکے گی نہ گرد ملالِ گل

بلبل یہ کیا کہا میں کہاں فصلِ گُل کہاں
اُمید رکھ کہ عام ہے جود و نوالِ گُل

بلبل گھرا ہے ابر، دِلا مژدہ ہو کہ اب
گرتی ہے آشیانے پہ برقِ جمالِ گل

یارب ہرا بھرا رہے داغِ جگر کا باغ،
ہر مہ مہِ بہار ہو، ہر سال سال گل

رنگِ مژہ سے کرکے خجل یادِ شاہ میں
کھینچا ہے ہم نے کانٹوں پہ عطرِ جمالِ گل

مَیں یادِ شہ میں روؤں، عنادل کریں ہجوم
ہر اشک لالہ فام پہ ہو احتمالِ گل

ہیں عکسِ چہرہ سے لبِ گلگوں میں سرخیاں
ڈوبا ہے بدرِ گل سے شفق میں ہلالِ گل

نعتِ حضور میں مترنم ہے عندلیب
شاخوں کے جھومنے سے عیاں وجد و حالِ گل

بلبل گلِ مدینہ ہمیشہ بہار ہے
دو دن کی ہے بہار، فنا ہے مآلِ گل

شیخین اُدھر نثار غنی و علی اِدھر
غنچہ ہے بلبلوں کا یمین و شمالِ گل

چاہے خدا تو پائیں گے عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں خلد
نکلی ہے نامۂ دلِ پرخوں میں فالِ گل

کر اس کی یاد جس سے ملے چین عندلیب
دیکھا نہیں کہ خارِ الم ہے خیالِ گل

دیکھا تھا خواب خارِ حرم عندلیب نے
کھٹکا کیا ہے آنکھ میں شب بھر خیالِ گل

اُن دو کا صدقہ جن کو کہا میرے پھول ہیں
کیجے رضاؔ کو حشر میں خنداں مثالِ گل

در مدح اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز

از ——— پروفیسر ڈاکٹر قریشی احمد حسین احمد قادری

زبانم را اگر صد بار شویم ‏ تا مدحِ خواجۂ احرار گویم

جنابِ صاحبِ حکمت صفا کام ‏ چوں نامِ خود عیاں احمد رضا نام

مجدد فی سبیل اللہ نامی ‏ زہے سرچشمۂ فیضِ گرامی

بریلی مسکنش بودے بعالم ‏ بریلی مسلکش بس شد معظم

امامِ عارفاں میرِ شریعت ‏ امیرِ سالکاں پیرِ طریقت

سرِ پیرآرائے ملکِ کارسازی ‏ قتیلِ وشیوۂ طرزِ حجازی

بصد حُسنِ عمل از جانفشانی ‏ بسر کردہ بہارِ زندگانی

بذوق و شوقِ ملت با بدامے ‏ بعلم و فضلِ خود عالی مقامے

فقیہہِ بے بدل فیض انتسابے ‏ گرامی فاضلِ گردوں جنابے

بسر شُد عمرِ او در درس و تدریس ‏ شُدہ از علم و عمل اظہارِ تقدیس

بزورِ علم از تالیف و تصنیف ‏ بجان و رُوح دادہ لُطفِ تالیف

امیرِ کشور و مُلکِ سیاست ‏ پناہ گاہ بہرِ اسلامی ریاست

فدائے ملّتِ بیضا زجاں بُود ‏ فدا کاریش بہرش درمیاں بُود

نشانِ طرّہ است عشقِ رسول است ‏ اداہائش بدرگاہش قبول است

دلم را شوقِ او تاثیر دادہ ‏ بجانم شوقِ مدحش شد زیادہ

من آں سرشار از حُسنِ حمیّت
بگفتم مدحِ اُو بہرِ عقیدت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط
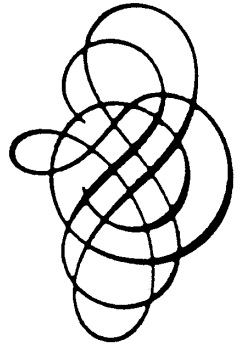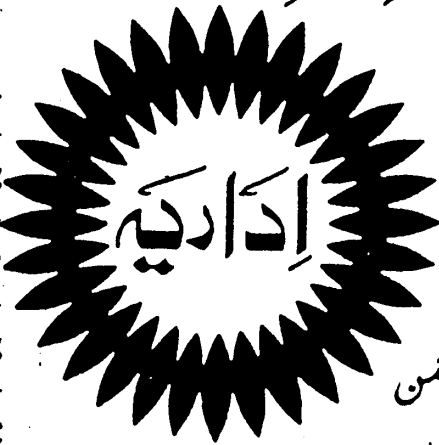
گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

بحمداللہ معارف رضا کی اشاعت کا یہ گیارہواں سال ہے۔ اس دوران معارف رضا کے مقالات کو جو حسنِ قبول عطا ہوا وہ مرتب کے لیے سرمایۂ افتخار ہے، نہ صرف برصغیر پاک و ہند بلکہ مشرق وسطیٰ یورپ اور بین الاقوامی سطح پر بھی اہلِ علم حضرات نے معارف رضا کے مقالات کو سراہا بلکہ ان کے تحقیقی معیار پر گہری مسرت کا اظہار کیا۔ اور امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور افکار کو ایک نئے زاویے سے اور ایک وسیع پس منظر میں دیکھنے کی کوشش شروع ہو گئی۔

فاضل بریلوی پاک و ہند کے ایک جلیل القدر عالم اور عبقری شخصیّت کے مالک تھے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے سلسلے میں ایک حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ ہر عظیم شخصیت کی فکر کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک حالاتِ گرد و پیش کا ردعمل، جو معاصرین سے اس کا رشتہ قائم کرتا ہے۔ دوسرا اس کی فکر کا وہ آفاقی اور بنیادی پہلو جہاں وہ "حال" سے گذر کر "مستقبل" سے اپنا تعلق تلاش کرتا ہے اور آنے والی نسلوں سے خطاب کرتا ہے۔ بعض اوقات فکر کہ یہ دو پہلو متضاد سمتوں میں رواں دواں نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں

ایسا نہیں ہوتا ــــ چودھویں صدی ہجری (انیسویں ــــ بیسویں صدی عیسوی) کا کوئی کیسا ہی "وسیع النظر" مفکر ہو، جب حالات کے گرد و پیش پر نظر ڈالے گا تو وہی بات کہے گا۔ جو فاضل بریلوی نے کہی ہے، فرق یہ ہے کہ محدود صلاحیتوں اور زاویہ ہائے نظر کے لوگ انہیں روز و شب میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور ان کی نگاہیں غبار آلود مطلع کے پیچھے کچھ نہیں دیکھ پاتیں لیکن جس شخص میں قلب و نظر کی توانائی ہوتی ہے وہ اپنی دنیا کو اس طرح اپنے ماحول سے محدود نہیں ہونے دیتا۔ انہوں نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کو انسانیت کے وسیع پس منظر میں دیکھا اور سمجھا تھا۔ فاضل بریلوی نے مسلمانانِ عالم کی تمدنی اور روحانی ترقی کی جو منزلیں متعین کی تھیں اور ارتفاقات معاشیہ اور ارتفاقات الٰہیہ کا جس طرح تجزیہ کیا تھا۔ اس سے ان کی فکر کی بلندیوں کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن ان تمام عبقری خصوصیات کے باوجود فاضل بریلوی کی شخصیت کا امتیازی نشان "عشقِ رسول" کا وہ مرکزی نکتہ ہے، جس کے محور کے گرد ان کی حیات و فکر کے دائرے گھومتے ہیں، انہوں نے ساری زندگی وجہ تخلیق کائنات، نور کے اسی مرکزی نکتے سے کسبِ نور کیا اور اپنے ارد گرد کے تمام اکناف و اطراف کو اس کی اجلی شعاعوں کے انعکاس سے اس طرح منوّر کیا کہ ان کی شخصیت "عشقِ رسول" کا نشان بن گئی ــــ اپنے ہوں یا غیر سب نے ان کو "عاشقِ مصطفےٰ" کے لقب سے پکارا، لیکن خود ان کی غیرتِ عشق نے "عبد المصطفےٰ" کہلوانا پسند کیا، دنیائے اسلام کے اس عبقری مرد مومن کی حیات و فکر، علم و یقین اور عشق و آگہی کے معتبر واقعات سے جدید دنیا خصوصًا اہلِ دانش و بینش کو روشناس کرانے کے لیے ادارہ ہر سال اس مجدّدِ عصر کے یوم وصال کے موقع پر ایک سالنامہ مجلّہ معنون بہ "معارف رضا" پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

الحمد للہ اسی جذبۂ صادق کے تحت مجلّہ "معارف رضا"، ۱۹۹۱ء

اصحاب علم و دانش کے مطالعہ کے لیے حاضر ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

لیکن اس بار ہمارا شمارہ انٹرنیشنل امام احمد رضا کانفرنس کی مناسبت سے معارف رضا ۱۹۹۱ء (انٹرنیشنل ایڈیشن) کے نام سے اشاعت پذیر ہو رہا ہے

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس مرتبہ اردو اور انگریزی زبان کے علاوہ پہلی بار عربی کے مقالات بھی معارف رضا کے صفحات کی زینت بن رہے ہیں۔ ★ جس سے "معارف رضا" کے بین الاقوامی معیار اور اعتبار میں اضافہ ہوا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ اس میں تینوں زبانوں کے مستند اہلِ علم حضرات کے رشحات قلم کے شاہکار کا ایسا گلدستہ قارئین کرام کو پیش کیا جائے کہ جو ان کے ذوقِ سلیم کے لیے سامان فرحت زا ہو۔

زیرِ نظر شمارہ میں برصغیر پاک و ہند کے علاوہ انگلستان، ہالینڈ اور مشرقِ وسطیٰ کے معتبر، معروف اور محقق قلمکار حضرات کے مقالات سے مزّین ہے۔ امید ہے امام احمد رضا پر تحقیق و تدقیق کا کام کرنے والوں کے لیے یہ شمارہ ایک نیا اضافہ ثابت ہوگا۔ اور فاضل بریلوی کی شخصیت اور ان کی فکر کے نئے زاویے سامنے آئیں گے جو مستقبل کے ریسرچ اسکالرز کے لیے یقیناً دلچسپی اور توجہ کا باعث بنیں گے۔

ہم ان تمام فاضل مقالہ نگار حضرات کا تہ دل سے شکر گزار ہیں جنہوں نے ہماری دعوت پر لبیک کہا اور اپنی بے شمار تدریسی، تحقیقی، تصنیفی اور "غم روزگار" کی مصروفیات سے وقت نکال کر فاضل بریلوی کی فکر و نظر کے حوالے سے اپنی رشحات قلم کے شہ پاروں سے ہمیں نوازا۔ اور اس عظیم ورثۂ علمی اور صالح مشن کی ترویج و اشاعت میں ہمارے ممد و معاون ہوئے جس سے آج

اکنافِ عالم میں علم و صداقت کی روشنی پھیل رہی ہے۔

ادارہ اپنے ان دو عظیم سرپرستوں اور محسنوں یعنی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم عالیہ اور ادیب شہیر علامہ شمس الحسن شمس بریلوی صاحب مدظلہ العالی کا بھی بے حد ممنون ہے جن کی سرپرستی اور رہنمائی کے بغیر "معارف رضا" اور دیگر کتب کا اجراء روز اوّل سے ادارے کے لیے ممکن نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ (آمین)

ادارہ ان تمام حضرات کا جنہوں نے اخلاص فی اللہ کے تحت ہمارے ساتھ مالی تعاون فرماکر "معارف رضا" اور دیگر کتب کی نشر و اشاعت کو ممکن بنایا، بے حد شکر گذار ہے۔ ادارہ اپنے تمام کارکنوں، خصوصاً آفس سکریٹری جناب امتیاز فاروق صاحب، نائب سکریٹری جناب اقبال احمد قادری اختری صاحب، اور جناب خالد علوی صاحب کا بھی شکر گذار ہے کہ جن کے تعاون اور شب و روز کی محنت سے شمارہ کی کتابت اور طباعت کا کٹھن مرحلہ نہایت ریکارڈ وقت میں بحسن و خوبی طے پاسکا۔ ادارہ ان تمام محبین اور مخلصین کا بھی ممنون ہے جنہوں نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ہماری کوتاہیوں کی نشاندہی کرکے اس کے تدارک کی تدبیریں بھی بتائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب احباب محبت و مروت کو دنیا و آخرت میں جزائے جزیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین وبارک وسلم۔

نوٹ:۔ عربی مضامین کی ضخامت کے پیش نظر ادارہ ان کو علیحدہ کتابی صورت میں شائع کرے گا۔ (ادارہ)

حقوق الولد و حقوق العباد
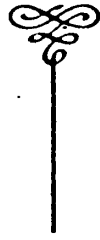
از: امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی قدس سرہٗ

امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدّث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان جہاں وقت کے بہت بڑے مفسر، محدث، مفتی، شاعر، ادیب، اور سائنسدان تھے وہیں انسانی حقوق کے بڑے علمبردار بھی تھے آپ نے زندگی میں ہر کسی کے حقوق کو نہ صرف احسن طریقے سے ادا کیا بلکہ آپ نے عامۃ المسلمین کے لیے تمام حقوق کو آسان پیرائے میں قلم بند بھی کیا اس سلسلے میں آپ نے کئی استفتاء میں مختلف حقوق کو تفصیل سے بیان کیا ہے جو مسلمانوں کیلئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں یہاں صرف دو حقوق کا ذکر کیا جا رہا ہے جو آپ نے فتاویٰ رضویہ کی دسویں جلد میں دو مختلف استفتاء کے جواب میں تحریر فرمائے ہیں، ایک کا تعلق حقوق الولد سے ہے۔ یعنی باپ پر بیٹے یا اولاد کے کیا حقوق ہیں۔ دوسرا حقوق العباد سے متعلق ہے جس میں آپ نے قرآن و حدیث کے حوالے سے حقوق العباد کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے کاش ہم ان دونوں حقوق کو پورا کر سکیں کیونکہ معاشرہ کو صحیح سمت میں لانے کیلئے ان دونوں حقوق کی ادائیگی ایک بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور آج کی اہم ترین ضرورت بھی۔

ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مسئلہ ۱ از سورون ضلع ریٹہ محلہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب، جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ باپ پر بیٹے کا کس قدر حق ہے اگر ہے اور وہ ادا نہ کرے تو اس کے واسطے حکم شرعی کیا ہے، مفصل طور پر ارقام فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اللہ عزوجل نے اگرچہ والد کا حق ولد پر نہایت اعظم بتایا یہاں تک کہ اپنے حق کے برابر اس کا ذکر فرمایا کہ اَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا مگر ولد کا حق بھی والد پر عظیم رکھا ہے۔ کہ ولد مطلق اسلام پھر خصوصِ جوار پھر خصوصِ قرابت، پھر خصوصِ عیال اُن سب حقوق کا جامع ہو کر سب سے زیادہ خصوصیت خاصہ رکھتا ہے اور جس قدر خصوص بڑھتا جاتا ہے حق اشد وآکد ہوتا جاتا ہے علمائے کرام نے اپنی کتب جلیلہ مثل احیاء العلوم وعین العلوم و مدخل وکیمیائے سعادت و ذخیرۃ الملوک وغیرہا میں حقوق ولد سے نہایت مختصر طور پر کچھ تعرض فرمایا۔ مگر میں صرف احادیث مرفوعہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرتا ہوں، فضل الٰہی جل وعلا سے امید کہ فقیر کی یہ چند حرفی تحریر ایسی نافع وجامع واقع ہو کہ اس کی نظیر کتب مطولہ میں نہ ملے، اس بارے میں جس قدر حدیثیں بحمد اللہ تعالیٰ اس وقت میرے حافظہ و نظر میں ہیں انہیں بالتفصیل مع تخریجات لکھے تو ایک رسالہ ہوتا ہے اور غرض صرف افادۂ احکام، لہٰذا سردست فقط وہ حقوق کہ یہ حدیثیں ارشاد فرما رہی ہیں کمال تلخیص واختصار کے ساتھ شمار کر دوں وباللہ التوفیق۔

شادی سے قبل حق اولاد

سب سے پہلا حق وجود اولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بُری رگ ضرور رنگ لاتی ہے۔ ۲ دیندار لوگوں میں شادی کرے کہ بچہ پر نانا و ماموں کی عادات وافعال کا بھی اثر پڑتا ہے۔ ۳ زنگیوں حبشیوں میں قرابت نہ کرے کہ ماں کا سیاہ رنگ بچہ کو بدنما نہ کر دے ۴ جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ ۵ اس وقت شرمگاہ زن پر نظر نہ کرے کہ بچہ کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔ ۶ زیادہ باتیں نہ کرے کہ گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے مرد و زن کپڑا اوڑھ لیں جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیا ہونے کا خدشہ ہے

پیدائش کے وقت حق اولاد

جب پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان وام الصبیان سے بچے،

ـــــ چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے کہ حلاوت اخلاق کی فال حسن ہے
ـــــ ساتویں اور نہ ہو سکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے دختر کے لیے ایک،
پسر کے لیے دو کہ اس میں بچہ کا گویا رہن سے چھڑانا ہے ـــــ ایک ران دائی کو دے
کہ بچہ کی طرف سے شکرانہ ہے ـــــ سر کے بال اتروائے، بالوں کے برابر چاندی تول
کر خیرات کرے، ـــــ سر پہ زعفران لگائے ـــــ نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے
کا بھی جو کم دنوں کا گر جائے ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہو گا ـــــ برا نام نہ
رکھے کہ بدفال بد ہے. عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد، حامد وغیرہا عبادت وحمد کے نام
یا انبیاء اولیاء یا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہوں، ان کے نام پر نام رکھے
کہ موجب برکت ہے خصوصاً نام پاک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں
برکت بچہ کے دنیا و آخرت میں کام آتی ہے ـــــ جب محمد نام رکھے تو اس کی تعظیم
و تکریم کرے ـــــ مجلس میں اس کے لیے جگہ چھوڑ دے ـــــ

چھٹپن میں حق اولاد

مارنے برا کہنے میں احتیاط رکھے، جو مانگے بر وجہ
مناسب دے، پیار میں چھوٹے لقب، بیقدر نام نہ رکھے کہ
پڑا ہوا نام مشکل سے چھوٹتا ہے، ماں خواہ نیک دایہ نمازی صالحہ شریف القوم سے دو سال
تک دودھ پلوائے، رذیل یا بدافعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو
بدل دیتا ہے، بچہ کا نفقہ اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں
حفاظت بھی داخل ہے، اپنے حوائج و ادائے واجبات شریعت سے جو کچھ بچے اس میں
عزیزوں، قریبوں، محتاجوں، غریبوں سب سے پہلے حق عیال و اطفال کا ہے جو ان
سے بچے وہ اوروں کو پہنچے، بچہ کو پاک کمائی سے پاک روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک
ہی عادتیں لاتا ہے، اولاد کے ساتھ تنہا خوری نہ برتے بلکہ اپنی خواہش کو ان کی خواہش
کا تابع رکھے جس اچھی چیز کو ان کا جی چاہے انہیں دے کہ ان کے طفیل میں آپ بھی کھائے
زیادہ نہ ہو تو انہیں کو کھلائے، خدا کی ان امانتوں کے ساتھ مہر و لطف کا برتاؤ رکھے،
انہیں پیار کرے بدن سے لپٹائے، کندھے پر چڑھائے ان کے ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے، ان
کی دلجوئی دلداری رعایت و محافظت ہر وقت حتیٰ کہ نماز و خطبہ میں بھی ملحوظ رکھے، نیا میوہ، نیا پھل
پہلے انہیں کو دے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں نئے کو نیا مناسب ہے کبھی کبھی حسب مقدور انہیں

شیرینی وغیرہ کھانے، پہننے کھیلنے کی اچھی چیز کہ شرعاً جائز ہے دیتا رہے بہلانے کے لیے جھوٹا وعدہ نہ کرے بلکہ بچہ سے بھی وعدہ وہی جائز ہے جس کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔ اپنے چند بچے ہوں تو جو چیز دے سب کو برابر و یکساں دے ایک کو دوسرے پر بے فضیلت دینی ترجیح نہ دے، سفر سے آئے تو ان کے لیے کچھ تحفہ ضرور لائے، بیمار ہوں تو علاج کرے حتی الامکان سخت و موذی علاج سے بچائے۔

بچپن میں حق اولاد

زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ لا الٰہ الا اللہ پھر پورا کلمہ طیبہ سکھائے، جب تمیز آئے ادب سکھائے، کھانے پینے ہنسنے بولنے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے حیا لحاظ بزرگوں کی تعلیم، ماں باپ استاذ اور دختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے، قرآن مجید پڑھائے، استاذ نیک صالح متقی صحیح العقیدہ سن رسیدہ کے سپرد کرے اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائد اسلام و سنت سکھائے کہ لوح سادہ فطرت اسلامی و قبول حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا، حضور اقدس رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان و عین ایمان ہے۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آل و اصحاب و اولیاء و علماء کی محبت و عظمت تعلیم کرے کہ اصل سنت و زیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے۔

سات برس کی عمر سے حق اولاد

سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے، علم دین خصوصاً وضو غسل نماز و روزہ کے مسائل، توکل قناعت، زہد اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامتِ صدر ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل، حرص و طمع، حبِ دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے، پڑھانے سکھانے میں رفق و نرمی ملحوظ رکھے، موقع پر چشم نمائی تنبیہہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لیے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ مارے تو منہ پر نہ مارے، اکثر اوقات تہدید و تخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے، زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے مگر زنہار زنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد مار بد سے بدتر ہے نہ ہرگز ہرگز

بہار دانش مینابازار مثنوی غنیمت وغیرہ کتب عشقیہ وغزلیات فسقیہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائیے جھک جاتی ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکیوں کو سورۂ یوسف شریف کا ترجمہ نہ پڑھایا جائے کہ اس میں مکر زناں کا ذکر فرمایا ہے پھر بچوں کو خرافات شاعرانہ میں ڈالنا کب بجا ہو سکتا ہے۔

بلوغت کے بعد حق اولاد

جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے، اس عمر سے اپنے خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جدا بچھونے جدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے، جب جوان ہو شادی کر دے، شادی میں وہی رعایت قوم و دین و سیرت و صورت ملحوظ رکھے، اب جو ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا احتمال ہو اسے امر و حکم کے صیغہ سے نہ کہے بلکہ برفق و نرمی بطور مشورہ کہے کہ وہ بلائے عقوق میں نہ پڑے، اسے میراث سے محروم نہ کرے جیسے بعض لوگ اپنے کسی وارث کو نہ پہنچنے کی غرض سے کل جائداد دوسرے وارث یا کسی غیر کے نام لکھ دیتے ہیں اپنے بعد مرگ بھی ان کی فکر رکھے یعنی کم سے کم دو تہائی ترکہ چھوڑ جائے ثلث سے زیادہ خیرات نہ کرے۔ یہ ساٹھ حق تو پسر و دختر سب کے ہیں بلکہ دو حق اخیر میں سب وارث شریک ہیں۔

خاص پسر کے حقوق

خاص پسر کے حقوق سے ہے کہ اسے لکھنا پیرنا سپہگری سکھائے، سورۂ مائدہ کی تعلیم دے اعلان کے ساتھ اس کا ختنہ کرے۔

خاص دختر کے حقوق

خاص دختر کے حقوق سے ہے کہ اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمت الٰہیہ جانے اسے سینا پرونا کاتنا کھانا پکانا سکھائے، سورۂ نور کی تعلیم دے لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمالِ فتنہ ہے۔ بیٹوں سے زیادہ دلجوئی و خاطرداری رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے، دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے۔ جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے، نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے ساتھ سونے دے اس عمر سے خاص نگاہداشت شروع کرے، شادی برات میں جہاں گانا ناچ ہو ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے بلکہ ہنگاموں میں جانے کی مطلق بندش کرے گھر کو ان پر

زنداں کر دے، بالاخانوں پر نہ رہنے دے، گھر میں لباس و زیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں، جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے، حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے، زنہار زنہار کسی فاسق فاجر خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے یہ اسّی حق ہیں کہ اس وقت کی نظر میں احادیث مرفوعہ سے خیال میں آئے ان میں اکثر تو مستحبات ہیں جن کے ترک پر اصلاً مواخذہ نہیں اور بعض پر آخرت میں مطالبہ ہے۔

چند حقوق جن پر اولاد کو چارہ جوئی کا حق حاصل ہے

دنیا میں بیٹے کے لیے باپ پر گرفت وجبر نہیں نہ بیٹے کو جائز کہ باپ سے جدال ونزاع کرے سوائے چند حقوق کے کہ ان میں جبر حاکم وچارہ جوئی واعتراض کو دخل ہے۔

اوّل نفقہ کہ باپ پر واجب ہو۔ اور وہ نہ دے تو حاکم جبراً مقرر کرے گا نہ مانے تو قید کیا جائے گا۔ حالانکہ فروع کے اور کسی دین میں اصول محبوس نہیں ہوتے، — فی ردالمحتار عن الذخیرۃ لا یحبس والدوان علا فی دین ولدہ وان سفل الا فی النفقہ لان فیہ اتلاف الصغیر۔

دوم رضاعت کہ ماں کے دودھ نہ ہو تو دائی رکھنا بے تنخواہ نہ ملے تو تنخواہ دینا واجب، نہ دے تو جبراً لی جائے گی جبکہ بچہ کا اپنا مال نہ ہو یونہیں ماں بعد طلاق ومرور عدت بے تنخواہ دودھ نہ پلائے تو اسے بھی تنخواہ دی جائے گی۔ کما فی الفتح وردالمحتار وغیرھا۔

سوم حضانت کہ لڑکا سات برس لڑکی نو برس کی عمر تک جن عورتوں مثلاً ماں، نانی دادی ہیں، خالہ پھپی کے پاس رکھے جائیں گے اگر ان میں کوئی بے تنخواہ نہ مانے اور بچہ فقیر اور باپ غنی ہے تو جبراً تنخواہ دلائی جائے گی۔ کما اوضحہ فی ردالمحتار۔

چہارم بعد انتہائے حضانت بچہ کو اپنی حفظ وصیانت میں لینا باپ پر واجب ہے۔ اگر نہ لے گا حاکم جبر کرے گا۔ —— کما فی ردالمحتار عن شرح المجمع۔

پنجم اُن کے لیے ترکہ باقی رکھنا کہ بعد تعلق حق ورثہ یعنی بحالت مرض الموت مورث اس پر مجبور ہوتا ہے یہاں تک کہ ثلث سے زائد میں اس کی وصیت بے اجازت ورثہ نافذ نہیں۔

ششم اپنے بالغ بچے پسر خواہ دختر کو غیر کفو سے بیاہ دینا یا مہر مثل میں غبن فاحش

کے ساتھ مثلاً دختر کا مہر مثل ہزار ہے پانچ سو پر نکاح کر دیا یا بہو کا مہر مثل پانچ سو ہے ہزار باندھ لینا یا پسر کا نکاح کسی باندی سے یا دختر کا کسی ایسے شخص سے جو مذہب یا نسب یا پیشہ یا افعال یا مال میں وہ نقص رکھتا ہو جس کے باعث اس سے نکاح موجب عار ہو، ایک بار تو ایسا نکاح باپ کا کیا ہوا نافذ ہوتا ہے۔ جبکہ نشہ میں نہ ہو مگر دوبارہ اپنے کسی نابالغ بچے کا ایسا نکاح کرے گا تو اصلاً صحیح نہ ہوگا۔ کما قدمنا فی النکاح۔

ہفتم ختنہ میں بھی ایک صورت جبر کی ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگ چھوڑ دیں سلطان اسلام انہیں مجبور کرے گا نہ مانیں گے تو ان پر جہاد فرمائے گا۔ کما فی الدر المختار واللہ تعالیٰ اعلم۔

استفتاء

حق العباد بھی کسی طرح معاف ہو سکتا ہے بغیر اس کے معاف کے جس کا حق ہے صاف ارقام فرمایئے اور حق العباد کس قدر ہیں۔ بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حق العباد

الجواب:۔ حق العبد ہر وہ مطالبہ مالی ہے کہ شرعاً اس کے ذمہ کسی کے لیے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان و آزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول، فعل، ترک سے کسی کے دین، آبرو، جان، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے۔

حق العبد کی قسمیں یہ دو قسمیں ہوئیں اول کو دیون، ثانی کو مظالم اور دونوں کو تبعات اور کبھی دیون بھی کہتے ہیں ان دونوں قسم میں نسبت عموم خصوص من وجہ ہے یعنی کہیں تو دین پایا جاتا ہے، مظلمہ نہیں جیسے خریدی چیز کی قیمت مزدور کی اجرت عورت کا مہر وغیرہا دیون کہ عقود جائزہ شرعیہ سے اس کے ذمہ لازم ہوئے اور اس نے ان کی ادا میں کمی و تاخیر ناروا نہ برتی یہ حق العبد تو اس کی گردن پر ہے مگر کوئی ظلم نہیں اور کہیں مظلمہ پایا جاتا ہے دین نہیں جیسے کسی کو مارا گالی دی برا کہا غیبت کی کہ اس کی خبر اسے پہنچی یہ سب حقوق العبد و ظلم ہیں مگر کوئی دین واجب الادا نہیں اور کہیں دین و مظلمہ دونوں

ہوتے ہیں جیسے کسی کا مال چرایا، چھینا، لوٹا رشوت سود جوئے میں لیا یہ سب دیون بھی ہیں۔ اور ظلم بھی قسم اول میں تمام صورِ عقود و مطالبۂ مالیہ داخل دوسری میں قول و فعل و ترک کو دین آبرو جان جسم مال تحلب میں ضرب دینے سے اٹھارہ انواع حاصل ہر نوع صدہا صورتوں کو شامل تو کیونکر گنا سکتے ہیں کہ حقوق العباد کس قدر ہیں ہاں ان کا ضابطۂ کلیہ بتادیا گیا ہے کہ ان دو قسموں سے جو امر جہاں پایا جائے اسے حق العبد جانئے پھر حق کسی قسم کا ہو۔ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معاف نہیں ہوتا حقوق اللہ میں تو ظاہر کہ اس کے سوا دوسرا معاف کرنے والا کون وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ۔ کون گناہ بخشے اللہ کے سوا، الحمد للہ کہ معافی کریم غنی قدیر رؤف رحیم کے ہاتھ ہے۔ والکریم لا یأتی منہ الا الکرم۔

حقوق العباد کی معافی

حقوق العباد میں ملک دیان عزّ جلالہ نے اپنے دار العدل کا یہی ضابطہ رکھا ہے کہ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے معاف نہ ہوگا۔ اگرچہ مولیٰ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے جان و مال و حقوق سب کا مالک ہے اگر وہ بے ہماری مرضی کے ہمارے حقوق جسے چاہے معاف فرمادے تو بھی عین حق و عدل ہے کہ ہم بھی اسی کے اور ہمارے حق بھی اسی کے مقرر فرمائے ہوئے اگر وہ ہمارے خون و مال و عزت وغیرہا کو معصوم و محترم نہ کرتا تو ہمیں کوئی کیسا ہی آزار پہنچاتا نام کو بھی ہمارے حق میں گرفتار نہ ہوتا یونہیں اب اس حرمت و عصمت کے بعد بھی جسے چاہے ہمارے حقوق چھوڑ دے ہمیں کیا مجال عذر ہے مگر اس کریم رحیم جل وعلا کی رحمت کہ ہمارے حقوق کا اختیار ہمارے ہاتھ رکھا ہے بے ہمارے بخشے معاف ہو جانے کی شکل نہ رکھی کہ کوئی ستم رسیدہ یہ نہ کہے کہ اے مالک میرے میں اپنی داد کو نہ پہنچا حدیث شریف میں ہے حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

(الدواوین ثلثۃ فدیوان لا یغفر اللہ منہ شیئاً و دیوان لا یعبؤ اللہ بہ شیئا و دیوان لا یترك اللہ منہ شیئاً، فاما الدیوان الذی لا یغفر اللہ منہ شیئا، فالاشراك باللہ واما الدیوان الذی لا یعبؤ اللہ بہ شیئا فظلم العبد لنفسہ فیما بلینہ وبین ربہ من صوم یوم ترکہ او صلاۃ ترکہا فان اللہ تعالیٰ یغفر ذلك

ان شاء ویتجاوز واما الدیوان الذی لایترک اللہ منہ شیئا فمظالم العباد بلینھم القصاص لا محالۃ)

یعنی دفتر تین ہیں ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں کہ کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف کردے اور درگزر فرمائے اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا۔ وہ بندوں کا آپس میں ایکدوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے۔ (رواہ الامام احمد فی المسند والحاکم فی المستدرک عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔)

قیامت کے دن حقوق العباد کی ادائیگی

حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ لتؤدن الحقوق الی اھلھا یوم القیمۃ حتی یقاد للشاۃ الجلحاء من الشاۃ القرناء تنطحھا۔ بیشک روز قیامت تمہیں اہل حقوق کو ان کے حق ادا کرنے ہوں گے یہاں تک کہ مُنڈی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے (رواہ الامام احمد فی المسند ومسلم فی صحیحہ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی فی الجامع عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) ایک روایت میں فرمایا حتی للذرۃ من الذرۃ یہاں تک کہ چیونٹی کا عوض لیا جائے گا۔ رواہ الامام احمد بسند صحیح پھر وہاں روپے اشرفیاں تو ہیں نہیں کہ معاوضہ حق میں دی جائیں طریقہ ادا یہ ہوگا کہ اس کی نیکیاں صاحب حق کو دی جائیں گی اگر ادا ہوگیا غنیمت ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے یہاں تک کہ ترازوئے عدل میں وزن پورا ہو احادیث کثیرہ اس مضمون میں وارد، ازاں جملہ حدیث صحیح مسلم وغیرہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے (ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تدرون من المفلس قالوا المفلس فینا من لا درھم لہ ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یأتی یوم القیمہ بصلاۃ وصیام وزکاۃ ویاتی قد شتم ھذا وقد قذف ھذا واکل مال ھذا وسفک دم ھذا او ضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فان فنیت

حسناتہ قبل ان یقضی ما علیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار) یعنی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہ نے عرض کی ہمارے یہاں تو مفلس وہ ہے جس کے پاس زر و مال نہ ہو فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزے زکاۃ لے کر آئے اور یوں آئے کہ اسے گالی دی، اسے زنا کی تہمت لگائی، اس کا مال کھایا۔ اس کا خون گرایا اسے مارا تو اس کی نیکیاں اسے دی گئیں پھر اگر نیکیاں ہو چکیں اور حق باقی رہیں تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈالے گئے پھر جہنم میں پھینک دیا گیا، والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالیٰ۔ غرض حقوق العباد بے ان کی معافی کے معاف نہ ہوں گے۔ و لہٰذا مروی ہوا کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الغیبۃ اشد من الزنا غیبت زنا سے سخت تر ہے کسی نے عرض کی یہ کیونکر فرمایا الرجل یزنی ثم یتوب فیتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبۃ لا یغفر لہ حتیٰ یغفر لہ صاحبہ زانی توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمالے اور غیبت والے کی مغفرت نہ ہوگی۔ جب تک وہ نہ بخشے جس کی غیبت کی ہے (رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والطبرانی فی الاوسط عن جابر بن عبد اللہ و ابی سعید الخدری والبیہقی عنھما وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم) پھر یہاں معاف کرا لینا سہل ہے قیامت کے دن اس کی امید مشکل کہ وہاں ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار نیکیوں کا طلبگار، برائیوں سے بیزار ہوگا پرائی نیکیاں اپنے ہاتھ آتے اپنی برائیاں اس کے سر جاتے کسے بری معلوم ہوتی ہیں یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ ماں باپ کا بیٹے پر کچھ دین آتا ہوگا اسے روز قیامت پٹیں گے کہ ہمارا دین دے وہ کہے گا میں تمہارا بچہ ہوں یعنی شاید رحم کریں وہ تمنا کریں گے کاش اور زیادہ ہوتا۔ الطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول انہ یکون للوالدین علی ولدھما دین فاذا کان یوم القیمہ یتعلقان بہ فیقول انا ولدکما فیودان او یتمنیان لو کان اکثر من ذلک۔ جب ماں باپ کا یہ حال تو اوروں سے امید خام خیال۔

حقوق العباد اور اللہ تعالیٰ کی کرشمہ سازی

ہاں کریم و رحیم مالک و مولیٰ جل جلالہ وتبارک وتعالیٰ جس پر رحم فرمانا چاہے گا۔

تو یوں کریگا کہ حق والے کو بے بہا قصور جنت معاوضہ میں عطا فرما کر عفو حق پر راضی کر دیگا یا یک ایک کرشمۂ کرم میں دونوں کا بھلا ہوگا۔ نہ اسکی حسنات اسے دی گئیں نہ اسکی سیئات اسکے سر رکھی گئیں، نہ اس کا حق ضائع ہونے پایا بلکہ حق سے ہزاروں درجے بہتر افضل پایا رحمتِ حق کی بندہ نوازی ظالم ناجی، مظلوم راضی فللہ الحمد حمداً کثیراً مبارکاً فیہ کما یحب ربنا ویرضی حدیث میں ہے بینا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جالس اذ رأیناہ ضحک حتی بدت ثنایاہ فقال لہ عمر ما اضحکک یا رسول اللہ بابی انت وامی۔ یعنی ایک دن حضور پُر نور سید العلمین صلی اللہ تعالے علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ناگاہ خندہ فرمایا کہ اگلے دندان مبارک ظاہر ہوئے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان کس بات پر حضور کو ہنسی آئی ارشاد فرمایا۔ (رجلان من امتی جثیا بین یدی رب العزت فقال احدھما یا رب خذ لی مظلمتی من اخی فقال الیہ کیف تصنع باخیک ولم یبق من حسناتہ شیئ قال یا رب فیحمل من اوزاری وفاضت عینا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالبکاء ثم قال ان ذلک لیوم عظیم یحتاج الناس ان یحمل عنھم من اوزارھم فقال اللہ للطالب ارفع بصرک فانظر فرفع فقال یارب اری مدائن من ذھب وقصوراً من ذھب مکللۃ باللؤلؤ لای نبی ھٰذا اولای صدیق ھٰذا او لای شھید ھٰذا قال لمن اعطی الثمن قال یا رب ومن یملک ذلک قال انت تملکہ قال بماذا قال بعفوک عن اخیک قال یارب فانی قد عفوت عنہ قال اللہ تعالیٰ فخذ بید اخیک وادخلہ الجنۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالے علیہ وسلم عند ذلک اتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم فان اللہ یصلح بین المسلمین یوم القیمۃ) دو مرد میری امت سے رب العزت جل جلالہ کے حضور زانوؤں پر کھڑے ہوئے ایک نے عرض کی اے رب میرے میرے اس بھائی نے جو ظلم مجھ پر کیا ہے اس کا عوض میرے لیے لے، رب تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اپنے بھائی کے ساتھ کیا کرے گا، اس کی نیکیاں تو سب ہو چکیں مدعی نے عرض کی اے رب میرے تو میرے گناہ وہ اٹھالے یہ فرما کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں گریہ سے بہہ نکلیں، پھر فرمایا بیشک وہ دن بڑا سخت ہے لوگ اس کے محتاج ہوں

گے ان کے گناہوں کا کچھ بوجھ اور لوگ اُٹھائیں، مولیٰ عزّوجل نے مدعی سے فرمایا نظر اٹھا کر دیکھ اس نے نگاہ اٹھائی کہا اے رب میرے میں کچھ شہر دیکھتا ہوں سونے کے اور محل کے محل سونے کے سراپا موتیوں سے جڑے ہوئے، یہ کس نبی کے ہیں یا کس صدیق یا کس شہید کے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا اس کے ہیں جو قیمت دے، کہا اے رب میرے بھلا ان کی قیمت کون دے سکتا ہے فرمایا تو۔ عرض کی کیونکر فرمایا یوں کر اپنے بھائی کو معاف کر دے کہا اے رب میرے یہ بات ہے تو میں نے معاف کیا مولیٰ جل مجدہ نے فرمایا اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بیان کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے آپس میں صلح کرو کہ مولیٰ عزّوجل قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک والبیہقی فی کتاب البعث والنشور وابو یعلیٰ فی مسندہ وسعید ابن منصور۔۔۔ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حقوق العباد کی معافی

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ (اذا التقی الخلائق یوم القیمۃ نادی منادٍ یا اھل الجمع تداركوا المظالم بینکم و ثوابکم علیّ) جب مخلوق روز قیامت بہم ہوگی ایک منادی رب العزت جل وعلا کی طرف سے ندا کرے گا اے مجمع والو! آپس کے مظلموں کا تدارک کر لو اور تمہارا ثواب میرے ذمہ ہے۔ (رواہ الطبرانی عن انس ایضاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن) اور ایک حدیث میں ہے حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا (ان اللہ یجمع الاولین والاٰخرین یوم القیمۃ فی صعید واحد ثم ینادی منادٍ من تحت العرش یا اھل التوحید ان اللہ عزّوجل قد عفا عنکم فیقوم الناس فیتعلق بعضھم ببعض فی ظلامات فینادی منادٍ یا اھل التوحید لیعف بعضکم عن بعض وعلی الثواب) یعنی بے شک اللہ عزّوجل روز قیامت سب اگلوں اور پچھلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو مولیٰ تعالیٰ نے تمہیں اپنے حقوق معاف فرمائے، لوگ کھڑے ہو کر آپس کے مظلموں میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے منادی پکارے گا اے توحید والو ایکدوسرے کو معاف کر دو

اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے (رواہ ایضاً عن ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یہ دولت کبریٰ ونعمت عظمیٰ کہ اکرم الاکرمین جلت عظمتہ اپنے محض کرم وفضل سے اس ذلیل روسیاہ سراپا گناہ کو بھی عطا فرمائے۔ ع کہ مستحق کرامت گناہگار انند۔

پانچ گروہ کے حقوق العباد کا ضامن قیامت میں خود اللہ تعالیٰ ہوگا

اس وقت کی نظر میں اس کا جلیل وعدہ جمیل مژدہ صاف صریح بالتصریح یا کالتصریح تصریح پانچ فرقوں کے لیے وارد ہوا۔

اوّل حاجی کہ پاک مال پاک کمائی پاک نیت سے حج کرے اور اس میں لڑائی جھگڑے اور عورتوں کے سامنے تذکرہ جماع اور ہر قسم کے گناہ و نافرمانی سے بچے اس وقت تک جتنے گناہ کیے تھے بشرط قبول سب معاف ہو جاتے ہیں پھر اگر حج کے بعد فوراً مر گیا اتنی مہلت نہ ملی کہ جو حقوق اللہ عزوجل یا بندوں کے اس کے ذمہ تھے انہیں ادا کی فکر کرتا تو امید واثق ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے تمام حقوق سے مطلقاً درگذر فرمائے یعنی نماز روزہ، زکوٰۃ وغیرہا فرائض کو بجا نہ لایا تھا ان کے مطالبہ پر بھی قلم عفو الٰہی پھر جائے اور حقوق العباد و دیون ومظالم مثلاً کسی کا قرض آتا ہو مال چھینا ہو برا کہا ہو ان سب کو مولیٰ تعالیٰ اپنے ذمہ کرم پر لے لے، اصحاب حقوق کو روز قیامت راضی فرما کر مطالبہ وخصومت سے نجات بخشے یونہی اگر بعد کو زندہ رہا اور بقدر قدرت تدارک حقوق ادا کر لیا یعنی زکوٰۃ دے دی، نماز روزہ کی قضا ادا کی جس کا جو مطالبہ آتا تھا دے دیا، جسے آزار پہنچایا تھا معاف کرا لیا جس مطالبہ کا لینے والا نہ رہا یا معلوم نہیں اس کی طرف سے تصدق کر دیا بوجہ قلت مہلت جو حق اللہ عزوجل یا بندہ کا ادا کرتے کرتے رہ گیا اس کی نسبت اپنے مال میں وصیت کر دی غرض جہاں تک طرق برأت پر قدرت ملی تقصیر نہ کی تو اس کے لیے امید اور زیادہ قوی کہ اصل حقوق کی یہ تدبیر ہو گئی اور اثم مخالفت حج سے دھل چکا تھا ہاں اگر بعد حج باوصف قدرت ان امور میں قاصر رہا تو یہ سب گناہ از سر نو اس کے سر ہوں گے کہ حقوق تو خود باقی ہی تھے ان کی ادا میں پھر تاخیر وتقصیر گناہ تازہ ہوئے اور وہ حج ان کے ازالہ کو کافی نہ ہوگا کہ حج گزرے گناہوں کو دھوتا ہے آئندہ کے لیے پروانہ بے قیدی نہیں ہوتا بلکہ حج مبرور کی نشانی ہی یہ ہے کہ پہلے سے

اچھا ہو کر پلٹے فانا للہ و انا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، مسئلہ حج میں بحمد اللہ تعالیٰ یہ وہ قول فیصل ہے جسے فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے بعد تنقیح دلائل و مذاہب و احاطۂ اطراف و جوانب اختیار کیا جس سے اقوال ائمہ کرام میں توفیق اور دلائل حدیث وکلام میں تطبیق ہوتی ہے اس معرکۃ الآرا مبحث کی نفیس تحقیق بعونہ تعالیٰ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے بعد ورود اس سوال کے ایک تحریر جداگانہ میں لکھے یہاں اس قدر کافی ہے و باللہ التوفیق، **احادیث** ابن ماجہ اپنی سنن میں کاملا اور ابوداؤد مختصراً اور امام عبد اللہ ابن امام احمد زوائد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ابویعلیٰ مسند اور ابن حبان ضعفا اور ابن عدی کامل اور بیہقی سنن کبریٰ و شعب الایمان وکتاب البعث والنشور اور ضیاء مقدسی بافادۂ صحیح مختارہ میں حضرت عباس بن مرداس اور امام عبد اللہ بن مبارک بسند صحیح اور ابویعلیٰ و ابن منیع بوجہ آخر حضرت انس بن مالک اور ابونعیم حلیۃ الاولیاء اور امام ابن جریر طبری تفسیر اور حسن بن سفیان مسند اور ابن حبان ضعفا میں، حضرت عبد اللہ بن عمر فاروق اعظم اور عبدالرزاق مصنف اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبادہ بن صامت اور دارقطنی و ابن حبان حضرت ابوہریرۃ اور ابن مندہ کتاب الصحابہ اور خطیب تلخیص المتشابہ میں حضرت زید جد عبدالرحمن بن عبد اللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بطرق عدیدہ والفاظ کثیرہ و معانی متقاربہ راوی (وھذا حدیث الامام عبد اللہ بن المبارک عن سفیان الثوری عن الزبیر بن عدی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال وقف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعرفات وقد کادت الشمس ان تغرب فقال یا بلال انصت لی الناس فقام بلال فقال انصتوا لرسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فانصت الناس فقال یا معاشر الناس اتانی جبریل انفا فاقرانی من ربی السلام وقال ان اللہ عزوجل غفر لاھل عرفات واھل المشعر وضمن عنھم التبعات فقام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال یا رسول اللہ ھذا لنا خاصۃ قال ھذا لکم ولمن اتی من بعدکم الی یوم القیمۃ فقال عمر بن الخطاب کثر خیر اللہ وطاب.) یعنی حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نے عرفات میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب ڈوبنے پر آیا، اس وقت ارشاد ہوا اے بلال لوگوں کو میرے لیے خاموش کر بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر پکار کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے خاموش ہو، لوگ ساکت ہوئے حضور پر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا اے لوگو! ابھی جبریل میرے حاضر ہو کر مجھے میرے رب کا سلام و پیام پہنچایا کہ اللہ عزوجل نے عرفات و مشعر الحرام والوں کی مغفرت فرمائی اور ان کے باہمی حقوق کا خود ضامن ہو گیا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی یا رسول اللہ کیا یہ دولت خاص ہمارے لیے ہے فرمایا تمہارے لیے اور جو تمہارے بعد قیامت تک آئیں سب کے لیے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اللہ عزوجل کی خیر کثیر و پاکیزہ ہے انتہی، والحمد للہ رب العلمین۔

دوم شہید بحر کہ خاص اللہ عزوجل کی رضا چاہنے اور اس کا بول بالا ہونے کیلئے سمندر میں جہاد کرے اور وہاں ڈوب کر شہید ہو، حدیثوں میں آیا کہ مولیٰ عزوجل خود اپنے دست قدرت سے اس کی روح قبض کرتا اور اپنے تمام حقوق اس کے معاف فرماتا اور بندوں کے سب مطالبے جو اس پر تھے اپنے ذمہ کرم پر لیتا ہے۔ **احادیث** ابن ماجہ سنن اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو امامہ اور ابونعیم حلیہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب اور شیرازی کتاب الالقاب میں حضرت عبد اللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے راوی واللفظ لابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یغفر لشہید البر الذنوب کلہا الا الدین ویغفر لشہید البحر الذنوب کلہا والدین۔ یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو خشکی میں شہید ہو اس کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں۔ مگر حقوق العباد اور جو دریا میں شہادت پائے اس کے تمام گناہ و حقوق العباد سب معاف ہو جاتے ہیں۔ اللّٰھم ارزقنا بجاھہ عندک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بارک امین۔

سوم شہید صبر یعنی وہ مسلمان سنی المذہب صحیح العقیدہ جسے ظالم نے گرفتار کر کے بحالت بیکسی و مجبوری قتل کیا سولی دی پھانسی دی کہ یہ بوجہ اسیری قتال و مدافعت پر قادر نہ تھا بخلاف شہید جہاد کہ مارتا مرتا ہے اس کی بیکسی و بیدست پائی زیادہ باعث رحمت

الٰہی ہوتی ہے کہ حق اللہ وحق العبد کچھ نہیں رہتا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ احادیث بزارام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بسند صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قتل الصبر لا یمر بذنب الا محاہ قتل صبر کسی گناہ پر نہیں گزرتا مگر یہ کہ اسے مٹا دیتا ہے۔ نیز بزار ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ قتل الرجل صبرا کفارۃ لما قبلہ من الذنوب آدمی کا بروجہ صبر مارا جانا تمام گذشتہ گناہوں کا کفارہ ہے قال المناوی فی التیسیر ظاہرہ وان کان المقتول عاصیا و مات بلا توبۃ ففیہ رد علی الخوارج والمعتزلۃ اھ ورایتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ اقول بل لا محمل لہ سواہ فانہ ان لم یکن عاصیا لم یمہ القتل بذنب وان کان تاب فکذالک فان التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ، احادیث مطلق ہیں اور مخصص مفقود وحدث عن البحر ولا حرج۔

سنی المذہب کی تعریف

ہم نے سُنّی المذہب کی تخصیص اس لیے کی کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لو ان صاحب بدعۃ مکذبا بالقدر قتل مظلوما صابرا محتسبا بین الرکن والمقام لم ینظر اللہ فی شیئ من امرہ حتی یدخلہ جھنم اگر کوئی بدمذہب تقدیر بہر خیر و شر کا منکر خاص حجر اسود و مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان محض مظلوم و صابر مارا جائے اور وہ اپنے اس قتل میں ثواب الٰہی ملنے کی نیت بھی رکھے تاہم اللہ عزوجل اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے یہاں تک کہ اُسے جہنم میں داخل کرے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ رواہ ابو الفرج فی العلل من طریق کثیر بن سلیم تا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکرہ۔

چہارم مدیون جس نے بحاجت شرعیہ کسی نیک جائز کام کے لیے دین لیا اور اپنی چلتی ادا میں کمی نہ کی نہ کبھی تاخیر ناروا روا رکھی بلکہ ہمیشہ سچے دل سے ادا پر آمادہ اور تا حد قدرت اس کی فکر کرتا رہا پھر بمجبوری ادا نہ ہو سکا اور موت آگئی تو مولیٰ عزوجل اس کے لیے اس

دین سے درگزر فرمائے گا اور روز قیامت اپنے خزانۂ قدرت سے ادا فرما کر دائن کو راضی کر دے گا اس کے لیے یہ وعدہ خاص اسی دین کے واسطے ہے نہ تمام حقوق العباد کے لیے احادیث احمد و بخاری و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور طبرانی معجم کبیر میں بسند صحیح حضرت میمون کردی اور حاکم مستدرک اور طبرانی کبیر میں حضرت ابو امامہ باہلی اور احمد و بزار و طبرانی و ابونعیم بسند حسن حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق اور ابن ماجہ و بزار حضرت عبداللہ بن عمرو اور بیہقی مرسلاً قاسم مولائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے راوی واللفظ لمیمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللہ عنہ یوم القیٰمۃ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی دین کا معاملہ کرے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو، اللہ عزوجل اس کی طرف سے روز قیامت ادا فرما دے گا، حدیث ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لفظ مستدرک میں یہ ہیں حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں (من تداین بدین و فی نفسہ وفاءہ ثم مات تجاوز اللہ عنہ وارضی غریمہ بماشاء) جس نے کوئی معاملہ دین کیا اور دل میں ادا کی نیت رکھتا تھا پھر موت آگئی اللہ عزوجل اس سے درگزر فرمائے گا اور دائن کو جس طرح چاہے راضی کر دے گا نیک و جائز کام کی قید حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ظاہر کہ اس میں ضرورت جہاد و ضرورت تجہیز و تکفین مسلمان و ضرورت نکاح کو ذکر فرمایا بلکہ بخاری تاریخ اور ابن ماجہ سنن اور حاکم مستدرک میں راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ (ان اللہ تعالیٰ مع الدائن حتیٰ یقضی دینہ مالم یکن دینہ فیما یکرہ اللہ) بیشک اللہ تعالیٰ قرضدار کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اپنا قرض ادا کرے جب تک کہ اس کا دین اللہ تعالیٰ کے ناپسند کام میں نہ ہو۔ مجبوری رہ جانے کی قید حدیث ابن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ثابت کہ رب العزت جل وعلا روز قیامت مدیون سے پوچھے گا تونے کاہے میں یہ دین لیا اور لوگوں کا حق ضائع کیا، عرض کریگا اے رب میرے تو جانتا ہے کہ میرے اپنے کھانے پینے پہننے ضائع کر دینے کے سبب وہ دین نہ رہ گیا بلکہ اتی علی اما حرق واما سرق واما وضیعۃ آگ لگ گئی یا چوری ہو گئی یا تجارت میں نقصان پڑا یوں رہ گیا مولیٰ عزوجل فرمائے گا صدق عبدی فانا احق من قضی عنک

میرا بندہ سچ کہتا ہے سب سے زیادہ میں مستحق ہوں کہ تیری طرف سے ادا فرمادوں پھر مولیٰ عزوجل کوئی چیز منگا کر اس کے پلہ میزان میں رکھ دے گا کہ نیکیاں برائیوں پر غالب آجائیں گی اور وہ بندہ رحمت الٰہی کے فضل سے داخل جنّت ہوگا۔

پنجم اولیائے کرام صوفیۂ صدق ارباب معرفت قدست اسرارہم ونفعنا اللہ ببرکاتہم فی الدنیا والآخرۃ کہ بنص قطعی قرآن روز قیامت ہر خوف وغم سے محفوظ وسلامت ہیں قال تعالیٰ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ہ تو ان میں بعض سے اگر براہ تقاضائے بشریت بعض حقوق الٰہیہ میں اپنے منصب ومقام کے لحاظ سے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کوئی تقصیر واقع ہو تو مولیٰ عزوجل اسے وقوع سے پہلے معاف فرماچکا کہ قد اعطیتکم من قبل ان تسألونی و قد اجبتکم من قبل ان تدعونی و قد غفرت لکم من قبل ان تعصونی۔ یونہیں اگر باہم کسی طرح کی شکر رنجی یا کسی بندہ کے حق میں کچھ کمی ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مشاجرات کہ ستکون لاصحابی زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم معی تو مولیٰ تعالیٰ وہ حقوق اپنے ذمہ کرم پر لے کر ارباب حقوق کو حکم تجاوز فرمائے گا اور باہم صفائی کرا کر آمنے سامنے جنت کے عالیشان تختوں پر بٹھائے گا کہ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِھِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ہ اسی مبارک قوم کے سرور وسردار حضرات اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جنہیں ارشاد ہوتا ہے اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ۔ جو چاہو کرو کہ میں تمہیں بخش چکا انہیں کے اکابر سادات سے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کے لیے بارہا فرمایا گیا ما علی عثمان ما فعل بعد ھذہ ما علی عثمان ما فعل بعد ھٰذہٖ آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں، فقیر غفر اللہ تعالیٰ کہتا ہے حدیث اذا احب اللہ عبدًا لم یضرہ ذنب رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس والامام القشیری فی رسالتہ وابن النجار فی تاریخہ عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمدہ محمل یہی ہے کہ محبوبان خدا اول تو گناہ کرتے ہی نہیں ع ان المحب لمن یحب مطیع

وھٰذا ما اختارہ سیّدنا الوالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور احیاناً کوئی تقصیر واقع ہو تو واعظ و زجر الٰہی انہیں متنبہ کرتا اور توفیق انابت دیتا ہے پھر التائب من الذنب کمن لاذنب لہ اس حدیث کا ٹکڑا ہے۔ وھٰذا ما مشی علیہ المناوی فی التیسیر اور بالغرض ارادۂ الٰہیہ دوسرے طور پر تجلی شان عفو و مغفرت و اظہار مکان قبول و محبوبیت پر نافذ ہوا تو عفو مطلق و ارضائے اہل حق سامنے موجود ضرر ذنب بحمد اللہ تعالیٰ ہر طرح مفقود والحمد للہ الکریم الودود وہذا ما ذدتہ بفضل المحمود، فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ کے گمان میں حدیث مذکور ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا ینادی منادٍ من تحت العرش یا اھل التوحید الحدیث میں اہل توحید سے یہی محبوبان خدا مراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل ہر گونہ شرک خفی و اخفی سے پاک و منزہ انہیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنہیں عبد الدینار عبد الدرہم عبد طمع عبد ہویٰ، عبد رغب فرمایا گیا۔ وقال اللہ تعالیٰ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ اور بیشک بے حصول معرفت الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب و ارادت بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہٗ کی توحید کرتے ہیں۔

کلمہ طیبہ کا مختلف طبقات میں مفہوم

لا الٰہ الا اللہ کے معنی عوام کے نزدیک لا معبود الا اللہ خواص کے نزدیک لا مقصود الا اللہ، اہل ہدایت کے نزدیک لا مشہود الا اللہ ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک لا موجود الا اللہ تو اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا و لہٰذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔ جعلنا اللہ تعالیٰ من خدامھم وتراب اقدامھم فی الدنیا والاٰخرۃ وغفرلنا بجاھھم عندہ انہ اھل التقویٰ واھل المغفرۃ اٰمین۔ امید کرتا ہوں کہ اس حدیث کی یہ تاویل تاویل امام غزالی قدس سرہ العالی سے احسن و اجود ہو — وباللہ التوفیق۔ پھر ان سب صورتوں میں بھی جبکہ طرز یہی برتی گئی کہ صاحب حق کو راضی فرمائیں اور معاوضہ دے کر اس سے بخشوائیں تو وہ کلیہ ہر طرح صادق رہا کہ حق العبد بے معافی عبد معاف نہیں ہوتا۔ غرض معاملہ نازک ہے اور راہ شدید اور عمل تباہ اور امل بعید

اور کرم عمیم اور رحم عظیم اور ایمان خوف و رجا کے درمیان و حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علی شفیع المذنبین نجاۃ الھالکین مرتجی الیائسین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہٗ اتم واحکم۔ ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ۔

پیر پیراں میر میراں پادشہِ جیلاں توئی
انسِ جاں قدسیاں وغوث انس جاں توئی

دین بابائے خودت را از سر نو زندہ کن
سید آخر نہ عمر سید الادیان توئی

کافراں توہین اسلام آشکارا می کنند
آہ! اے عز مسلماناں کجا پنہا توئی

کشتی ملت بموجے کالجبال افتادہ است
من سرت گردم بیا چوں نوح ایں طوفاں توئی

آہ آہ! از ضعف اسلام آہ آہ
آہ آہ از نفس خود کام آہ آہ

مرد ماں شہوت را دیں ساختند
صد ہزاراں رخنہا انداختند

امام احمد رضا بریلوی

امام احمد رضا محدث بریلوی کی رجال حدیث اور اصول پر نظر

از: مولانا آل مصطفیٰ مصباحی مبارکپور (انڈیا)

●

یہ حقیقت ہے کہ تفسیر قرآن، عقائد اسلام اور شرع کے احکام یہ سب آقائے دو جہاں حضور اقدس سید عالم محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور بیان پر موقوف ہیں احادیث رسول ہی قرآنی نصوص کی تفسیر و تصریح، احکام شرع کے دلائل و براہین اور عقائد اسلام کے ماخذ ہیں، منبع رشد و ہدایت، سرچشمۂ علم و عمل رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی جب تک صحابہ کرام کے درمیان موجود رہی اس وقت تک صحابہ کو واقعات و حوادث اور نو پیدا مسائل میں اجتہاد کی ضرورت نہ تھی، کوئی بھی مشکل سے مشکل ترین مسئلہ درپیش ہوتا فوراً بارگاہ رسالت میں پہنچ کر اس کا حل تلاش کر لیتے، زمانۂ رسالت اور عہد خلافت میں اسباب تدوین کی قلت نیز قرآن کریم کو ساتھ اختلاط کے خوف نے تدوین احادیث سے انہیں باز رکھا، زمانہ رسالت کے بعد بھی تعلیم احادیث کا سلسلہ سینہ بہ سینہ جاری رہا لیکن وہ نفوس قدسیہ جنہوں نے چشم سر سے معلم کائنات علیہ التحیۃ والثناء کا دیدار کیا تھا، برکات رسالت اور نبوی تعلیم و تربیت کے سبب کل کے کل عادل و ثقہ تھے، پھر اس عہد زریں کے اختتام کے بعد امارت و سیادت کے فتنوں اور ذاتی و نسلی عصبیت و انانیت کا رواج ہوا جس کے سبب اس عہد مبارک جیسا مذہبی جوش و جذبہ اور دینی خلوص باقی نہ رہا، آئے

دن نت نئے اقوام و مذاہب کے جنم لینے اور اصول عقائد و فروع مسائل میں باہمی نزاع کے سبب سابقین اوّلین جیسا روایت میں اہتمام بھی مفقود ہوگیا، مفسدین و وضّاعین حدیث عالم وجود میں آنے لگے، اس لیے موضوع و غیر موضوع، صحیح و سقیم کے مابین امتیاز کے لیے دو باتوں کا التزام ناگزیر ہوا،

(۱) راویوں کے حالات کا علم۔ (۲) روایت حدیث میں اصول و ضوابط کی پابندی، چنانچہ کبار تابعین میں امام شعبی، سعید ابن مسیّب، محمد ابن سیرین، پھر تبع تابعین میں امام مالک، عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید قطان امام احمد بن حنبل اور ان کے تلامذہ نے احادیث میں چھان بین شروع کی اور کھرے کھوٹے میں خط امتیاز کھینچا جس سے ”اسماء الرجال“ جیسا عظیم و جلیل فن عمل میں آیا اور محدثین کے احوال و کوائف آئینہ کی طرح مصفّی مجلّی ہوگئے“، پھر اس کی برکتوں سے ایک غیر معمولی فن ”اصول حدیث“ وضع کیا گیا۔ ادھر پھر دوسری صدی ہجری میں فقہاء محدثین اس فن کی تدوین کی طرف متوجہ ہوئے یہاں تک کہ آخیر زمانہ روایت تیسری صدی ہجری تک یہ فن مدوّن و مرتب ہوگیا، حسب ضرورت محدثین و فقہاء اس کا استعمال کرتے رہے اور بعد میں آنے والے ماہرین علم حدیث، اصول حدیث میں وسعت پیدا کرنے لگے جس سے اس کا میدان وسیع سے وسیع ہوگیا اس فن کی کتابوں پر کچھ شرح و حواشی لکھے گئے بعض کتابیں شرح و بسط کے ساتھ تو تصنیف کی گئیں، تا آنکہ ابو عمر و ابن صلاح پھر علامہ ابن حجر وغیرہ محدثین و محققین کا دور آیا جس میں اس فن کا دائرہ وسیع ہو کر ہزاروں صفحات پر نقش ہوگیا، جو تقریب، تہذیب تذہیب اور مقدمہ ابن صلاح وغیرہ کتب ”اسماء الرجال“ و کتب ”اصول حدیث“ کی شکل میں عیاں ہوا۔ دور ما بعد کے جملہ علماء حدیث انہیں کتابوں کے خرمن علم و فن سے خوشہ چینی کرتے ہوئے دیانت و صداقت کے ساتھ اپنے علماء متقدمین، سلف صالحین کے پیروکار رہے، متون و اسانید احادیث کی تحقیق میں انہیں کتابوں کے جزئیات کے متلاشی رہے انہیں بزرگوں میں مجدد دین و ملت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ بھی ہیں، آپ نے جہاں بہت سے علوم و فنون کا لافانی سرمایہ قوم کو عطا فرمایا، وہیں فن ”اسماء الرجال“ اور ”اصول حدیث“ کی علمی و فنی نادر تحقیقات کو مسائل شرعیہ سے ہم آہنگ

کر کے امت مسلمہ کو مفسد و باطل نظریات سے مامون و محفوظ رکھا۔" اسماء الرجال" جیسے فن میں موصوف کی مہارت اور علم و فکر کی جولانیت حضور محدث اعظم سیّد محمد جیلانی کچھوچھوی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۳۸۳ھ) کی زبانی ملاحظہ فرمایئے !

" علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم " اسماء الرجال" کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کے جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرما دیتے تھے اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب و تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام سے سیکڑوں راویان حدیث ہیں۔ لیکن جس یحییٰ کے طبقے اور استاذ و شاگرد کا نام بتایا تو اس فن کے اعلیحضرت خود موجد تھے کہ طبقہ و اسماء سے بتا دیتے کہ راوی ثقہ ہیں یا مجروح "۔ ؎

ظاہر ہے کہ راویان حدیث کی عدالت اور حفظ و ضبط وغیرہ سے متعلق ناقدین حدیث کے اقوال کا کامل طور پر استحضار نہایت اہم اور دشوار گزار کام ہے، لیکن امام اہل سنّت کے اندر وہ خدا داد ذہانت و صلاحیت تھی اور حافظہ اتنا مستحکم اور قوی تھا کہ رجال حدیث کے متعلق ناقدین حدیث کے اقوال و وجوہ طعن اور مراتب توثیق و تنقید مستحضر رکھتے تھے۔ ان پر ان کی تصانیف میں بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اس خوبی میں معاصرین بلکہ بہت سے متقدمین پر بھی فائق نظر آتے ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے جلیل القدر فقہاء و محدثین کی پیش کردہ احادیث پر اسماء الرجال کی رو سے کلام کیا ہے جو ان حضرات کی نظروں سے مخفی تھا، ہم صرف اپنے موقف کے ابحاث کو بلا تفصیل نقل کر کے " اسماء الرجال" و " اصول حدیث" میں امام اہلسنّت کی وسعتِ نظر اور دقتِ نگاہ پیش کریں گے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں استرخائے مفاصل سے نقض وضو کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں مہدی بن ہلال راوی ضعیف ہیں پھر اس کی متابعت میں دوسری حدیث تقویت کے لیے پیش کی ہے جس کے سلسلۂ رُواۃ میں بحر ابن کنیز ہیں۔ اس متابعت کے بعد امام ابن ہمام کے نزدیک وہ حدیث ضعیف درجۂ حسن تک ترقی پا کر استدلال کے لائق ہو جاتی ہے۔ صاحب غنیہ نے اس متابعت کے مفید قوت ہونے کی یہ علت بیان فرمائی کہ مہدی بن ہلال راوی ضعیف تو ہیں لیکن چونکہ ان کا یہ ضعف فسق و فجور کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض غفلت کی وجہ سے ہے۔ اس لیے متابعت مقبول ہے

لہٰذا حدیث متابع ضعیف کے حسن ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

اب امام ابن ہمام کی پیش کردہ حدیث کے رواۃ اور صاحب غنیہ کی تعدیل پر امام اہل سنّت کی جرح و تحقیق اور نقد حدیث کے شواھد ملاحظہ فرمائیں۔

اقوال : مہدی ابن ہلال متابع ہونے کے قابل نہیں، یحییٰ ابن سعید قطان نے اس کی تکذیب کی ہے، یحییٰ ابن معین نے اسے واضع الحدیث بتایا، امام علی ابن مدینی نے کہا وہ متہم بالکذب تھا، دارقطنی وغیرہ نے متروک کہا رہا ابن کثیر نسائی اور دار قطنی نے اسے "متروک" کہا، امام ابن معین کے فرمان کا مقتضیٰ بھی یہی ہے، انہوں نے فرمایا اس کی حدیث نہ لکھی جائے، البتہ حافظ ابن حجر نے تقریب میں امام بخاری اور ابو حاتم کی اتباع میں صرف "ضعیف" پر اقتصار کیا۔" ۲

اعلیٰ حضرت نے "استرخاء مفاصل" سے نقض وضو کے ثبوت میں بطریق ابو خالد یزید بن عبدالرحمٰن دالانی متعدد کتب احادیث سے حدیثیں نقل کی ہیں، ابن حبان نے راوی مذکورہ کے بارے میں کلام کرتے ہوئے اس پر مہر جرح ثبت فرمائی ہے۔

"کہ اس سے بہت زیادہ خطائیں صادر ہوتی تھیں، وہ کثیر الخطاء فاحش الوہم ہے، اس کا روایت میں تفرد تو کجا اگر وہ ثقہ راوی کی موافقت میں روایت کرے جب بھی اس سے استدلال و تمسک درست نہیں، امام اہل سنّت محققین و محدثین ثقات کے اقوال کے پیش نظر ابن حبان کے مذکورہ بالا قول کو نہ صرف یہ کہ کمزور بلکہ غیر صحیح قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ــــ "کہ امام بخاری نے اس کے متعلق فرمایا کہ ابو خالد صدوق" ہے ہاں بعض مواقع میں وہم ہو جاتا تھا۔ امام احمد، ابن معین اور نسائی نے فرمایا کہ اس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں، ابو حاتم نے صدوق کہا، امام ذہبی نے "مشہور فی الحدیث" کہا ۳

انہیں تحقیقی و تنقیدی معروضات میں شارح بخاری علامہ خطیب قسطلانی کی "ارشاد الساری" پر بھی کلام ہے۔ علامہ قسطلانی کی علمی و فنی برتری اور ہمہ گیر صلاحیت سے کسے انکار ؟ مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمتہ نے بہت سی جگہوں پر ان کے تسامحات و تساہلات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ "ارشاد الساری" شرح بخاری میں علامہ قسطلانی نے جہاں بخاری کی روایات کی صحت و عدم صحت پر کلام کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے ــــ "کہ بخاری شریف کے اندر صرف

دو روایتیں ایسی ہیں جن میں چند یا ایک راوی ضعیف "متفرد" ہے مگر ساتھ ہی تقویت کے لیے متابعت موجود ہے جن میں ایک حدیث راوی ضعیف ابی بن عباس کی روایت کردہ ہے، اس کی تقویت کے لیے شارح نے اس کے بھائی عبدالمہیمن بن عباس کی متابعت کا ذکر کیا ہے جس میں بزعم شارح اس روایت کو تقویت مل جاتی ہے، مذکورہ بالا متابعت وتائید کا امام اہلِ سنّت نے نہایت ہی محققانہ تعاقب کیا ہے کہ اس کا بھائی راوی ضعیف ہی نہیں بلکہ اضعف ہے اور تقویت کے لیے کم از کم متابع کا مساوی ہونا ضروری ہے۔ وہ محققانہ تعاقب انہیں کے الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"اقول اخوہ عبدالمہیمن اضعف وضعفہ النسائی وقال البخاری منکرالحدیث ای فلا تحل الروایۃ عنہ کما ھو مصطلحہ فی ھذا اللفظ ان قال الذھبی فی اخیہ ابی انہ واہ" [۴]

ترجمہ: "ابی بن عباس کا بھائی عبدالمہیمن تو راوی ضعیف ہے، امام نسائی نے اسے ضعیف کہا اور امام بخاری نے تو اسے منکرالحدیث کہا یعنی اس سے روایت حلال نہیں جیساکہ اس لفظ سے متعلق ان کی خاص اصطلاح ہے حافظ ذہبی نے عبدالمہیمن کو واہی بتایا۔"

اس باب میں ایک اور نقد وتحقیق ملاحظہ ہو، اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ جلد اول باب الوضوء کے شروع میں اعضائے وضو سے پانی پونچھنے اور جھاڑنے کے متعلق چند احادیث اور اس کی شرح میں آئمہ دین، علماء مجتہدین کے مختلف اقوال اور جابجا اپنی تحقیق ذکر کی ہے، بعض حدیثوں میں ارباب ترفہ وتنعم کی عادت کے خیال سے اس سے گریز بھی کیا گیا ہے، جیسے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں مذکور ہے کہ بعد وضو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا پیش کیا آپ نے کپڑا نہ لیا اور ہاتھ جھٹکتے ہوئے تشریف لے گئے۔ اس لیے علماء نے اس کی عادت ڈالنے سے منع فرمایا ہے، لیکن ملاعلی قاری نے نفض (پانی جھاڑنا) کے بیان معنیٰ میں کچھ علماء سے چلتے وقت ہاتھ کی حرکت نقل کیا ہے اور اسے اولیٰ بتایا ہے۔ پھر امام قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ وہ نفض (پانی جھاڑنا) جائز مانتے ہیں مگر حدیث "اذا توضأتم فلا تنفضوا ایدیکم" سے ترک نفض کو اولیٰ قرار دیتے ہیں، ہاں وہ نفض کے معنی مذکورہ

کو تاویل بعید جانتے ہیں۔ اس پر ملا علی قاری علیہ الرحمتہ نے اپنی یہ رائے قائم کی کہ اگر چہ وہ تاویل بعید ہے مگر اسی پر محمول کرنا اسے خلاف اولی بتانے سے زیادہ بہتر ہے کہ دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل جمع و تطبیق ممکن ہو۔

اس پر امام اہلِ سنّت ارشاد فرماتے ہیں کہ واقعی وہ تاویل بعید ہے جس کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ وہ بے اصل ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے نفض کا معنی پانی جھاڑنا مطلقاً ثابت ہے۔ پھر اس تاویل بعید کو جمع بین الحدیثین کے سبب اولی کہنا دونوں طرح کی حدیث ثابت ماننا ہے، حالانکہ منع نفض کے سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں کما قال النووی فی المنہاج ـــــ اس کے بعد امام اہلِ سنّت مذکورہ بالا حدیث "نھی عن النفض" کے سلسلہ رُواۃ میں ایک راوی ضعیف بختری بن عبید کی جرح و تنقید پر ائمہ ناقدین حدیث سے شواہد پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"اس حدیث کے راوی بختری بن عبید ضعیف ہے حافظ الشان ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں اسے ضعیف و متروک کہا، مناوی نے جامع صغیر کی شرح "فیض القدیر" میں کہا کہ ابو حاتم نے اس کی تضعیف کی اس کے علاوہ محدثین نے اس سے روایت ترک کر دی، ابن عدی نے کہا کہ بختری نے اپنے والد سے کل بیس [۲۰] حدیثیں روایت کی ہیں جن میں بیشتر احادیث منکر ہیں اور یہ حدیث "نھی عن النفض" بھی انہیں میں داخل ہے۔ اسی بناء پر عراقی نے کہا کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔" ۵

غیر مقلدوں کے خود ساختہ مجتہدین حدیث دانی کا بڑا دعوٰی رکھتے ہیں، لیکن علماء مقلدین نے ہمیشہ ان کے اس ادعائے باطل کا پردہ چاک کیا ہے یہاں ایک مثال تحریر کی جاتی ہے، انہیں اباطیل سے شریعت مطہرہ پر ان کا یہ افتراء بھی ہے کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا مسنون اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا خلاف احادیث ہے، جبکہ حق یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے میں کوئی حدیث ممانعت کی وارد نہیں۔

(۲) باب مصافحہ کی وہ احادیث جن میں لفظ ید بصیغۂ مفرد آیا ہے، روایت و درایت اور بیان معانی کے پیش نظر ان کا مفاد کیا ہے وہ اپنے محل میں بالتفصیل مرقوم ہے ہمیں ان سے قطع نظر یہاں صرف امام اہلِ سنّت مجدد اعظم کی "اسماء الرجال" پر تحقیقی و تنقیدی نظر کا کمال پیش کرنا ہے۔ مخالفین غیر مقلدین اس باب میں "جامع ترمذی" کی بطریق

انس بن مالک ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے سلسلۂ رُواۃ میں حنظلہ بن عبداللہ سدوسی ہے اس میں "فیاخذہ بیدہ" کا لفظ آیا ہے۔ امام اہل سنّت نے لفظ "ید" کی تحقیق انیق کے بعد کہ یہ لفظ گرچہ واحد ہے لیکن استعمال دونوں ہاتھ کے لیے شائع و ذائع ہے اس لیے مفر نہیں، حدیث مذکورہ کو ناقابل استناد قرار دیتے ہوئے اس کی اسناد سے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

اقول :— یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکورہ کو قابل احتجاج مان بھی لیں ورنہ اگر نقد و تنقید پر آیئے تو وہ ہرگز نہ صحیح نہ حسن، بلکہ ضعیف منکر ہے، مدار اس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے، امام یحییٰ بن سعید قطان نے کہا ترکتہ عمداً کان قد اختلط میں نے اسے عمداً متروک کیا صحیح الھواس نہ رہا امام احمد نے فرمایا ضعیف منکر الحدیث ہے، تعجب خیز روایتیں لاتا ہے۔ امام یحییٰ ابن معین نے کہا "لیس بشئ تغیر فی آخر عمرہ" کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا، امام نسائی نے کہا ضعیف ہے ایک بار فرمایا "لیس بقوی" یونہی امام ابو حاتم نے کہا قوی نہیں۔ امام خاتم الحفاظ نے "تقریب" میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا، پھر مخالفین اپنے اسی باطل مدعا کے اثبات میں طبرانی کی ایک حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں ایک راوی ابوداؤد داعمی ہے۔ امام اہل سنّت نے اس حدیث کو ناقابل استناد و تمسک بتاتے ہوئے راوی مذکورہ کی یوں جرح و تنقید کی ہے۔ اقول یہ بھی اصلاً قابل استناد نہیں قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث طبرانی

پایۂ اعتبار سے ساقط ہے۔

ابوداؤد داعمی رافضی سخت مجروح متروک ہے، امام ابن معین نے اسے کاذب کہا۔" [۶]

عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں جو حدیث آئی ہے اس کی حقیقت حال سے متعلق حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے استفتاء کیا تو آپ نے اس حدیث کی حقیقت کو واشگاف کرتے ہوئے راویان حدیث کے مقدس افراد کے بارے میں یہ تحقیق ذکر کی۔

"حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں، اس کی سند میں نہ کوئی وضّاع ہے نہ متہم بالوضع نہ کوئی کذاب اور نہ متہم بالکذب نہ اس میں عقل یا نقل کی اصلاً مخالفت" [۷]

خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے چار راویوں کے مجہول ہونے کی بناء پر فضیلت

عمامہ والی حدیث کو منکر بلکہ موضوع قرار دیا۔ ادب و احترام سے لبریز بارگاہ خاتم الحفاظ میں امام اہلِ سنّت کی تحقیق و تنقید ملاحظہ ہو۔

"اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے انہوں نے حکم وضع کیسے عائد کر دیا حالانکہ اس کی سند میں نہ کوئی وضّاع ہے نہ کذّاب، نہ ان دونوں سے متہم اور نہ ہی اس میں عقل یا نقل کی اصلاً مخالفت۔ محض راوی کی جہالت سقوط کا متقضی نہیں چہ جائیکہ وضع کا حکم لگایا جائے۔ چنانچہ خود حافظ ابن حجر نے قزعہ ابن سوید کی حدیث سے متعلق ابن جوزی کا حکم وضع انہیں وجوہ کی بناء پر غلط قرار دیا حالانکہ ابن جوزی نے علت وضع میں مضطرب الحدیث کثیر الخطا، فاحش الوہم جیسے الفاظ ائمہ ثقات سے نقل کیے۔ یونہی ابن جوزی نے ابو عسقال کی روایت کردہ فضیلت عسقلانی والی حدیث پر حکم وضع لگاتے ہوئے یہ علت بیان کی تھی کہ ابن حبان نے ابو عسقال کے بارے میں لکھا کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی طرف موضوع حدیثیں منسوب کرتا ہے حالانکہ اس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی روایت نہ کی، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس کی حدیث سے استدلال و تمسک درست نہیں۔ حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسے باطل قرار دیا۔ مگر اس کے باوجود آپ (حافظ ابن حجر) نے محض عقل و نقل کی عدم مخالفت اور باب فضائل سے ہونے کی بناء پر ابن جوزی کے قول کا رد کیا اور حدیث کو غیر موضوع بتایا۔ تو میں عرض کروں کہ حدیث عمام بھی تو باب فضائل سے ہے حتّیٰ کہ اس حدیث کے راوی نہ ابو عسقال کی طرح وضاع اور نہ اس میں عقلی یا نقلی اصلاً مخالفت تو حکم وضع چہ معنیٰ دارد؟" ۵

اب آیئے "اسماء الرجال" پر امام اہلِ سنّت کے دوسرے علمی و فنی اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ رسالہ "حاجز البحرین" رجالِ حدیث میں آپ کا مشہور فنی شاہکار ہے جس میں مولوی نذیر حسین دہلوی کی حدیث دانی کا راز آپ نے فاش کر دیا، جنہیں اپنی حدیث دانی پر بڑا ناز تھا جس کو غیر مقلدوں کا مجتہد، وہابیوں کا شیخ الکل فی الکل مانا جاتا تھا۔ انہوں نے اپنی کتاب "معیار الحق" کے اندر سارا زور بیان اپنے اس زعم باطل پر صرف کر دیا ہے کہ سفر میں دو نمازوں کو ایک ساتھ حقیقتہً جمع کرکے پڑھنا جائز و درست ہے، جبکہ احناف کے نزدیک "عرفہ" و "مزدلفہ" کے علاوہ سفر و حضر کہیں بھی کسی طرح "دو وقت کی نمازوں کو ایک ہی وقت میں جمع کرکے پڑھنا جائز نہیں بلکہ تقدیم کی صورت میں نماز ہی بے کار۔ امام اہلِ سنّت نے ملا

جی کی حدیث دانی کا بھرم کھولتے ہوئے ان کے زعم باطل اور استدلالاتِ فاسدہ کی دھجیاں اڑا دیں اور "رجال حدیث" سے متعلق ایسے انمول نادر و نایاب جواہر پارے اپنے رسالہ میں بکھیر دیئے جو یقیناً اس فن میں آپ کی وسعت نظر کے آئینہ دار ہیں۔

یہاں نذیر حسین دہلوی نے اپنے مذموم و باطل دعوٰی کے ثبوت کیلئے "جمع صوری کے سلسلہ میں وارد شدہ تمام احادیث صحاح کو ذکر دیا جن میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی ہے۔ اس کے سلسلۂ رُواۃ میں محمد بن فضیل ہیں۔ ان پر ملا جی نے طرح طرح کی بیجا تنقید کر کے حدیث صحیح کو ضعیف قرار دیدیا۔ اس پر افادۂ اولٰی میں لطیفہ کے تحت امام اہل سنّت کا رد ملاحظہ ہو۔

"اقول اولاً ـــــــ یہ بھی شرم نہ آئی کہ محمد بن فضیل صحیح بخاری و صحیح مسلم کے رجال سے ہے۔ ثانیاً امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ، امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے "لا باس بہ" کہا، امام احمد نے اس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اس سے روایت نہیں فرماتے، "میزان" میں اصلاً کوئی جرح مفسر اس کے حق میں ذکر نہ کی، ثالثاً یہ بکف چراغی قابل تماشہ کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوی کیا اور ثبوت میں عبارۃ تقریب رمی بالتشیع ملا جی کو بایں سالخوردی و دعوٰی محدثی آجتک اپنی خبر نہیں کہ محاورات سلف اور اصطلاح محدثین میں تشیع اور رفض میں کتنا فرق ہے، زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں، سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسن عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا، بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے۔ بتصریح امام ذہبی محمد ابن فضیل کا تشیع بھی اسی معنٰی میں تھا، کما فی تذکرۃ الحفاظ۔

رابعاً ـــــــ ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی حد آئی۔ کیا بخاری و مسلم سے بھی ہاتھ دھونا ہے۔ ان کے رواۃ میں تیس سے زائد ایسے افراد ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا، مثلاً ابان بن تغلب، اسمٰعیل

بن ابان، وراق اسمٰعیل بن زکریا، جریر بن عبد الحمید، جعفر بن سلیمان وغیرہم، دور کیوں جایئے، خود یہی ابن فضیل کی واقع کے شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذ اللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامساً ـــــــ اس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ثقات عدول ابن جابر و عبد اللہ بن العلاء سے ابو داؤد نے ذکر کر دیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں، پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا اور یہ تو ادنیٰ نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا۔ ملا جی نے نقل میں عارف اڑا دیا ہے۔ ۹

ان رد کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ حدیث میں استدلال سے پہلے کس قدر باریک بینی سے کام لیتے تھے اور ہر نہج سے حدیث کو پرکھ لیتے جبکہ ان کے زمانے میں حدیث دانی کے دعوے دار تو بہت ملتے ہیں مگر ان کی نگاہ بہت سطحی ہوتی ہے جبکہ آپ کی نظر بہت گہری تھی۔

ماخذ و مراجع

١۔ سید محمد جیلانی کچھوچھوی، خطبہ صدارت ناگپور، ماہنامہ اعلیحضرت شمارہ مارچ ۱۲۷۲ھ

٢۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، فتاویٰ رضویہ ج اول ص ۸۵، رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ۱۴۰۵ھ

٣۔ ایضاً ص ۸۵۔

٤۔ 〃 تعلیقات رضا (حاشیہ شرح ارشاد الساری) ص ۳۲ رضا اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۷ھ

٥۔ 〃 فتاویٰ رضویہ جلد اول ص ۲۸ رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ۱۴۰۵ھ۔

٦۔ 〃 صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ص ۲۷، مطبع اہلسنت بریلی انڈیا۔

٧۔ 〃 ایضاً ص ۱۷۔

٨۔ 〃 فتاویٰ رضویہ جلد ۳، ص ۷۹، مکتبہ نعیمیہ سنبھل مراد آباد۔

٩۔ 〃 فتاویٰ رضویہ جلد ۲، ص ۲۹۶، مطبوعہ انڈیا۔

محدث بریلوی اور میاں نذیر حسین دہلوی

از: علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (سابق استاذ، مدرسہ منظر الاسلام بریلی)

امام اہلسنت حضرت شاہ احمد رضا خان قدس اللہ سرہٗ کے مختصر سوانح حیات صاحب نزہۃ الخواطر حکیم عبد الحئی ندوی نے نزہۃ الخواطر کی جلد ہشتم میں بیان کیے ہیں اور ان کے کمالات کا اظہار کرتے ہوئے یہ اعتراف حقیقت کیا ہے کہ

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی جزئیاتہ یشہد بذلک مجموع فتاواہ وکتابہ "کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاثۃ وعشرین وثلاث مائۃ والف۔

اس اعتراف کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر کیا ہے:۔

وکان راسخاً طویل الباع فی العلوم الریاضیۃ والہیئۃ والنجوم والتوقیت ملما بالرمل والجفر مشارکاً فی اکثر العلوم

اور پھر فرماتے ہیں:۔

قلیل البضاعۃ فی الحدیث والتفسیر۔ (نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص۴۱ مطبوعہ کراچی)

قارئین! یہ چند صفحات اسی شبہ، شک یا اعتراض کو رفع کرنے کے لیے پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ یہ ظاہر و باہر ہوسکے کہ امام احمد رضا علم حدیث پر کس قدر گہری نظر رکھتے تھے۔

میں یہاں فتاویٰ رضویہ سے چند ایسے صفحات پیش کر رہا ہوں جن میں امام احمد رضا نے اس فن مبارکہ میں دادِ تحقیق دی ہے:

قارئین! انصاف شرط ہے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا کی علم حدیث میں بصیرت، ان کے تبحر اور متون احادیث مبارکہ پر ان کا آہنی استحضار، آپ سے داد طلب ہے، میں یہاں عقیدت و ارادت کی جنبہ داری اور پاسداری سے بالکل ہٹ کر چند حقائق آپکے سامنے پیش کر رہا ہوں جن سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ امام احمد رضا علم حدیث میں کس منزل پر ہیں، اور اُن کو متونِ احادیث (روایات) پر کیا بصورت روایت اور کیا بطریق فنِ درایت کتنی دسترس حاصل ہے اور علم حدیث کی معروف و مشہور کتب، ہی نہیں بلکہ غیر متداول کتب پر وہ جو نظر رکھتے ہیں، مصطلحات حدیث جس طرح ان کے پیش نظر ہیں، جرح و تعدیل و علل پر اُن کو جو کامل عبور ہے، انواع حدیث پر جس طرح وہ قلم اٹھاتے ہیں اور وجوہِ طعن سے جس طرح باخبر ہیں طبقات المحدثین جس طرح ان کے پیش نظر ہیں، اسانید کی صحت و عدم صحت پر جس طرح فاضل بحث کرتے ہیں مختلف طرقِ حدیث، جس طرح ان کی قوتِ حافظہ محفوظ رکھتی ہے اور فنِ حدیث کا اہم رکن اسماء الرجال ان کی نظروں کی گرفت میں اس طرح تھا کہ وہ جب کسی راوی کا جائزہ لیتے اور کوئی وجہ طعن اس میں موجود ہوتی تو وہ ان سے پوشیدہ نہ رہتی (میں آئندہ ان تمام خصوصیات کو مثالوں کے ذریعہ متنِ فتاویٰ سے پیش کر دوں گا) کیا یہ تمام محاسن، یہ تمام خوبیاں اور فن حدیث پر تبحر کی یہ تمام آیات اس پر دال نہیں ہیں کہ جس طرح علم فقہ ان کی طبع وقار کی پوری پوری گرفت میں تھا اور جس کا اعتراف ہر ایک نے کیا ہے خود صاحب نزہۃ الخواطر نے جس طرح اعتراف کیا ہے وہ میں آغاز کلام میں پیش کر چکا ہوں۔

قارئین کرام! پیش نظر نکات فن حدیث پر امام احمد رضا نے جو داد تحقیق دی ہے کیا اس کے بعد بھی یہ کہنے کی گنجائش باقی ہے کہ وہ "قلیل البضاعۃ فی الحدیث" تھے۔ اور اگر اس قول "قلیل البضاعت فی الحدیث" سے مراد یہ ہے جس کی حیثیت صرف ایک

امر قیاسی کی ہو سکتی ہے کہ آپ درس حدیث میں اپنا وقت صرف نہیں کرتے تھے بلکہ تمام وقت مسائل فقہی کی تحقیق میں صرف فرماتے تھے تو ہمارے علمائے سلف میں ایسے ہزاروں افراد گزرے ہیں کہ وہ درس حدیث مبارکہ میں مشغول نہ ہو سکے، خود حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کی مجلس تدوین فقہ کے محترم و بلند پایہ اراکین کی مثال سامنے ہے کہ ان میں سے ہر ایک ہستی امام وقت، سرآمد روزگار اور علمائے عصر کے سروں کا تاج تھی، لیکن ان میں کوئی ایک بزرگ بھی ایسا نہیں ملے گا جو اپنا وقت درس حدیث میں صرف کرتا ہو، بلکہ مجلس تدوین فقہ میں تمام وقت تفریع مسائل اور اس کے نکات کی صحت و عدم صحت پر صرف ہوتا تھا اور اسی طرح کتب فقہی کی تالیف و تدوین ہوتی تھی خدا نخواستہ (معاذ اللہ معاذ اللہ) وہ درس حدیث کو کم مایہ نہیں سمجھتے تھے، البتہ تفریع و تخریج مسائل کا حکم ان کی نظر میں زیادہ اہمیت کا حامل تھا، اور اگر اس قلیل البضاعت فی الحدیث سے صاحب نزہۃ الخواطر کی مراد یہ ہے کہ موضوع حدیث مبارکہ پر امام احمد رضا کی تصانیف بہت کم ہیں اس لیے وہ قلیل البضاعت ہیں تو اس عظیم اور اہم کام کا اختتام تو چوتھی صدی کے خاتمہ ہی پر ہو گیا تھا۔ یہ جو کچھ سرمایہ صحاح و مسانید، معاجم وغیرہ ہے یہ سب پانچویں صدی سے قبل کی مساعی جمیلہ کا حاصل اور نتیجہ ہے۔

صاحب مفتاح السنۃ نے بہت ہی وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ:

> "متقدمین اور متاخرین راویان و حاملان حدیث کے درمیان حدّ فاصل تیسری صدی ہجری کا تقریباً اختتام ہے، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تیسری صدی ہجری سنت کی خدمت، تحقیق اور اس کے راویوں کی تنقید کے لحاظ سے ایک نہایت مبارک صدی تھی، پھر ان کے بعد آنے والوں میں بجز چند کے سب حضرات ان ہی کے خوشہ چین ہیں کہ ان کی تصانیف، ان ہی احادیث پر مشتمل ہیں جو ان کے متقدمین جمع کر گئے تھے اور تنقید روایات میں بھی یہ متاخرین اپنے متقدمین ہی پر اعتماد کرتے تھے۔"

قرن چہارم ہجری کے سلسلے میں صاحب "مفتاح السنۃ" کہتے ہیں کہ :-

" راویوں کی زبانوں سے سُنی ہوئی احادیث و سنن کو جمع کرنا اور مسندوں سے رجال کی تنقیح اور جانچ پڑتال، پھر ان کے درجات و مراتب اور حیثیتوں کا تعیّن کرنا اور صحیح حدیث کا سقیم حدیث سے تمیز کرنا یہ سارے کام چوتھی صدی ہجری کے اختتام پذیر ہوتے ہوتے منتہی ہو گئے کہ اس وقت شمع اجتہاد بجھ رہی تھی اور ان میں تقلید کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا۔ اسی لیے اس دور کی اکثر کتب (حدیث) کو تم پاؤ گے کہ ان میں یا تو صرف پہلے دور کی کتب (حدیث) کی تہذیب و تزئین کی کارگزاری ہو گی یا پراگندہ اور منتشر چیزیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہوں گی یا پھر غریب الفاظ کی توضیح و تحقیق ہو گی یا ترتیب میں کوئی جدّت ہو گی یا اختصار، تقریب کی روش اختیار کی گئی ہو گی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چوتھی ہجری کے بعد کی اکثریت نے اسناد رواۃ کے باب میں جو کچھ کیا ہے وہ سب کا سب اس صدی کے پہلے کی صدیوں کے ائمہ حدیث کا کیا ہوا تھا۔" (مفتاح السنۃ، عربی سے اردو)

اب آپ ایک صراحت اسی قبیل کی ابن خلدون کے قلم سے بھی ملاحظہ کیجئے، علّامہ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمہ میں علم الحدیث پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

" ہمارے زمانے میں تخریج احادیث کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے اور متقدمین کی تالیفات پر استدراک کا کوئی نام بھی نہیں لیتا، یعنی کسی ایسی حدیث سے متعارف کرانے کی کوشش نہیں کی جاتی جس کو متقدمین نے ذکر نہ کیا ہو) اس لیے کہ حالات و واقعات اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ ان ائمہ سلف نے جن کی ایک بہت بڑی تعداد تھی اور جن کے زمانے باہم ملحق تھے۔ اور جن کی سعی و جہد اور کدو کاوش میں کوئی فروگذاشت نہیں تھی۔ حدیث و سنت کے باب میں ادنیٰ سی بھی غفلت نہیں کی اور کوئی گوشہ انہوں نے ایسا نہیں چھوڑا جہاں

سے حدیث کی دریافت ہوسکتی ہو اور وہ وہاں (اس کے حصول کے لیے)
نہ پہنچے ہوں، اب ان متاخرین کو اپنی تحقیق اور دریافت کی کارگزاری کا موقع
کہاں سے ملے۔ اس لیے اس زمانے کے ائمہ فن کی تمام توجہ اُمہات میں شمار
ہونے والی تالیفات کی تصحیح اور ان کے مصنفین سے روایت کو یاد کرنے میں
صرف ہوتی ہیں اور وہ بس یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے مؤلفین تک کا سلسلہ اسناد
درست ہے یا نہیں اور سند میں حدیث کی مقرر شرائط اور اس کے ضوابط کے
مطابق ہیں یا نہیں"۔ (مقدمہ ابن خلدون)

پس یہ کہنے میں تامل نہیں کہ تیسری صدی ہجری ہی تدوین علم حدیث کا درخشندہ دور تھا اور سنت کی خدمت کے لیے ایک بابرکت زمانہ کہ اس زمانے میں بڑے بڑے محدثین اور بلند مرتبت مؤلفین اور نقد روایات میں مہارت تامہ رکھنے والے ارباب فن پیدا ہوئے اور اسی قرن میں چند کتابوں کا ایک ایسا آفتاب سنت کے آسمان پر طلوع ہوا جس نے ساری دنیا کو منور کر دیا اور جن کے دامن میں معدودے چند کے سوا تمام صحیح احادیث سمٹ کر آگئی ہیں جن پر تفریع مسائل میں تمام اہل علم نے اعتماد کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں جو صراحت صحاح، معاجم و مسانید وغیرہ کی گئی ہے، بقیدِ نام مؤلف اور عصر تالیف، اس میں آپ دیکھیں گے کہ ان مؤلفین کرام کے سر پر تیسری صدی کا آفتاب فروزاں اور تاباں ہے۔

آپ صحاح و مسانید و معاجم کے مصنفین میں بمشکل ہی کسی حنفی کا نام نامی پا سکتے ہیں ان کے مصنفین و جامعین تمام تر حضرات شوافع ہیں بالکل اسی طرح جیسے فقہ میں جو اصل دین ہے آپ کو ہزاروں کتابیں نظر آئیں گی اور اُن کے جامعین اور مؤلفین تمام تر حنفی حضرات ہیں جبکہ علمائے شافعیہ، مالکیہ اور حنبلیہ میں صرف معدودے چند حضرات آپ کو ایسے ملیں گے جو تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہوئے فقہ شافعیہ میں صرف "کتاب الام" حضرت ادریس شافعی کی یادگار ہے۔ یا امام غزالی کی الوجیز، علامہ ابن حجر کا فتاویٰ الحدیثیہ، علامہ ابوالفضل کی بنایۃ، "الغایۃ" کی شرح ہے علامہ سبکی (تقی الدین) کا فتاویٰ، علامہ سیوطی کی الاشباہ والنظائر اور امام

ابواسحاق شیرازی کی مشہور کتاب "المہذب" اور امام النووی کا فتاوی معروف بہ "المسائل منثورہ" یہی چند کتب فقہ علمائے شوافع کی یادگار ہیں یا بعض ان کتب کی شروح ان کا فقہی سرمایہ ہیں۔

فقہ مالکی میں دیکھئے تو ابن جزّی کی کتاب القوانین الفقہیہ فی تلخیص مذہب مالکیہ، ابن عاصم کی تحفۃ الکلام، ابن فرزون کی کتاب تبصرۃ الاحکام، الغوانی کی کتاب الاحکام یا بعض مذکورہ کتب کی شروح مذہب مالکیہ کا فقہی سرمایہ ہیں۔

فقہ حنبلی کی طرف نگاہ تجسّس دوڑائیے تو صرف ابن قیم جوزیہ، ان کے شاگرد ابن تیمیہ اور ابن رجب (ابوالفرج عبدالرحمٰن) اور ابن قدّامہ کی معدودے چند تصانیف ہیں، جیسے اعلام الموقعین، الطرق الحکمیہ فی السیاسیۃ الشرعیۃ، مجموعہ رسائل کبریٰ، کتاب المغنی اور بس، جبکہ فقہائے احناف کی تصانیف کا تذکرہ کئی جلدوں میں آئے گا۔ ہزاروں کتب اور ہزاروں فقہی مصنفین احناف آپ کو تدوین فقہ و مسائل فقہی کی تنقیح کی محفل میں آپ کو نظر آئیں گے۔

وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین کرام نے صرف تدوین حدیث کی طرف توجہ فرمائی اور روایت و درایت کے ضوابط و قواعد کے تحت احادیث کریمہ کو جمع کیا ان کی تلاش و تجسّس قابلِ تحسین ہے لیکن انہوں نے ان احادیث سے استنباط و تفریع مسائل کا کام نہیں لیا یعنی ہر ایک محدث فقیہ نہیں ہوتا جبکہ اس کے برعکس مجتہدین فقہائے احناف نے احادیث کو درایت کی محک پر کسا اور پھر ان سے مسائل استنباط کیے اگر وہ محدث (ماہر فن حدیث نہ ہوتے) تو تفریع مسائل کا کام کس طرح کر سکتے تھے۔ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری ہے جب تک وہ فن حدیث کی اصل روایت اور درایت کے مالہ و ماعلیہ سے کامل وقوف نہیں رکھے گا وہ تفریع مسائل پر کب قلم اٹھا سکتا ہے، جو فقیہ جس قدر بالغ نظر ہوگا اسکی حدیث مبارکہ اور فن حدیث پر نظر اتنی ہی بلیغ ہوگی، بس کسی فقیہ کے لیے یہ کہہ دینا کہ وہ فن حدیث میں قلیل البضاعت ہے ایک بالکل غلط خیال ہے جس کو حقیقت سے کچھ واسطہ نہیں۔ پھر یہ کہ تدوین و تالیف حدیث مبارکہ کا مقدس اور اہم کام چوتھی صدی ہجری میں ختم ہوگیا تھا اس کے بعد جو کچھ اس مقدس و مبارک موضوع پر کام ہوا اس کی صراحت میں صاحب "مفتاح السنۃ"

کے دو اقتباسات پیش کر رہا ہوں جن سے یہ ثابت ہو گا کہ کئی قرنیں گزر چکی ہیں کہ تدوین و تالیف حدیث کا کام ختم ہو چکا ہے ملاحظہ کیجئے :۔

صاحب مفتاح السنۃ کا یہ تبصرہ تدوین کتب حدیث کے سلسلہ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے وہ فرماتے ہیں :۔

"متقدمین اور متاخرین راویوں، حاملانِ حدیث کے درمیان حدفاصل تیسری صدی ہجری کا تقریباً اختتام ہے، ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ تیسری صدی ہجری سنّت کی خدمت، تحقیق اور اس کے راویوں کی تنقید کے لحاظ سے ایک نہایت مبارک صدی تھی پھر ان کے بعد آنے والوں میں بجز چند کے سب حضرات ان ہی کے خوشہ چین ہیں کہ ان کی تصانیف ان ہی احادیث پر مشتمل ہیں جو ان کے متقدمین جمع کر گئے تھے، تنقید روایات میں بھی یہ متاخرین ان ہی متقدمین پر اعتماد کرتے تھے۔"

صاحب مفتاح السنۃ اسی سلسلہ میں ایک اور عنوان کے تحت اس نقطۂ نظر کی مزید وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ :۔

"راویوں کی زبانوں سے سنی ہوئی احادیث و سنن کو جمع کرنا اور سندوں، رجال کی تنقیح اور جانچ پڑتال پر ان کے درجات و مراتب اور حیثیتوں کا تعین کرنا اور صحیح حدیث کا سقیم حدیث سے تمیز کرنا یہ سارے کام چوتھی صدی ہجری کے اختتام پذیر ہوتے ہوتے منتہی ہو گئے تھے کہ اس وقت شمع اجتہاد بجھ رہی تھی اور دین میں تقلید کی طرف لوگوں کا رجحان بڑھ رہا تھا اسی لیے اس دور کی اکثر کتب (حدیث) کو تم پاؤ گے کہ ان میں یا تو صرف پہلے دور کی کتب کی تہذیب و تزئین کی کارگزاری ہو گی یا پراگندہ اور منتشر چیزیں ایک جگہ جمع کرائی گئی ہوں گی یا پھر غریب الفاظ کی توضیح و تحقیق ہو گی یا ترتیب میں کوئی جدت ہو گی یا اختصار کی روش اختیار کی گئی ہو گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد کی اکثریت نے اسناد و رواۃ کے باب میں جو کچھ کیا ہے وہ سب کا سب اس صدی

سے پہلے کی صدیوں میں "ائمہ حدیث" کا کیا ہوا ہے"۔

اس حقیقت کے بعد اس خصوص میں کچھ کہنے کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ صرف اس برصغیر پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ تمام دنیائے اسلام میں کوئی مہتم بالشان کام اس سلسلہ میں انجام پذیر نہیں ہوا بجز اس کے کہ یا تو اربعین (چہل) کی تدوین کی گئی اور ادعیہ ماثورہ، کو ہر مؤلف نے اپنے مخصوص انداز سے مرتب کیا اور اپنے حسب منشاء نام سے موسوم کر دیا یا مختلف موضوعات پر منطبق ہونے والی احادیث کریمہ کو جمع کر دیا گیا جیسے اس صدی میں پاکستان میں زاد راہ اور راہِ عمل، نامی مجموعے تالیف ہوئے، ان کی افادیت سے انکار نہیں لیکن یہاں بات ہو رہی ہے مجموعہائے احادیث کی۔ یعنی چوتھی صدی ہجری کے بعد حدیث مبارکہ کے موضوع پر اس حیثیت سے تو کام نہیں ہوا جو تیسری صدی میں ہوا تھا لیکن جیسا کہ آپ صاحب "مفتاح السنّۃ" کا قول یا تبصرہ پڑھ چکے ہیں، تہذیب و تزئین، اضافہ اور ترمیم کا کام جاری و ساری رہا۔

جمع بین الکتب ستّہ

چھٹی صدی ہجری میں محدّث ابوالحسن رزین بن معاویہ العبدری (م ۵۳۵ ھ) نے بخاری اور مسلم، مؤطا، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی احادیث کو ایک جگہ جمع کرایا اور ابواب کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا، اور ان کے کام کو خوب سراہا گیا، اگرچہ ان سے پہلے محدّث ابوبکر احمد بن محمد برقانی (م ۴۲۵ ھ) اور محدث ابومسعود ابراہیم بن محمد دمشقی (م ۴۶۱ ھ) اور محدّث ابوعبداللہ حمیدی (م ۴۸۸ ھ) نے بخاری اور مسلم کی احادیث کو جمع کیا تھا، لیکن کتب ستّہ کی جمع کا کام نہیں ہوا تھا۔ جمع بین الکتب ستّہ میں صرف متون احادیث کو یکجا کیا گیا تھا۔ شرح، تفسیر اور تعلیقات سے ان کو عاری رکھا تھا ان کتب میں محدّث رزین کی کتاب کو زیادہ پسند کیا گیا، محدّث رزین کی جمع بین الکتب ستّہ کے بعد علاّمہ محدّث امام ابوالسعادت مبارک بن اثیر جزری (م ۶۰۶ ھ) نے محدّث رزین کی جامع اور امہات کتب حدیث کو اپنی تہذیب اور ترتیب ابواب کے ساتھ جمع کیا اور "جامع الاصول" نام رکھا، آخر میں لغات غریب کی تشریح اور مشکل اعراب کو بھی بیان کر کے اس کو زیادہ دلکش اور مفید بنا دیا ہے۔

نویں صدی ہجری میں مفسر و محدث شہیر علامہ حافظ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی نے صحاح ستہ اور دس مشہور مسانید کو جمع کیا اور "جمع الجوامع" سے اس مجموعے کو موسوم کیا جو متونِ احادیث کے اعتبار سے "جامع الاصول" سے کہیں زیادہ ضخیم ہے لیکن ناقدین اور مبصرین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کی ترتیب میں صحیح و سقیم کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔

دسویں صدی ہجری میں اس برصغیر پاک و ہند میں ایک مفسر و محدث علامہ علاؤالدین علی بن حسام الدین بن عبدالملک بن قاضی خان جونپوری (اصل برہان پوری) المعروف بہ علی متقی نے ایک بہت ہی عظیم اور مفید کام سرانجام دیا۔ یعنی انہوں نے علامہ سیوطی کی "جمع الجوامع" اور زوائد کی تمام احادیث کریمہ کو بہ ترتیب حروف تہجی جمع کیا پھر جامع الصغیر اور زوائد کی تبویب کی۔ "جمع الجوامع" سے کسی قولی یا فعلی حدیث کا اس وقت تک نکالنا ممکن نہ تھا جب تک قولی حدیث کا لفظ آغاز یا فعلی حدیث میں راوی کا نام معلوم نہ ہو، محدث عظیم علی متقی نے ترتیب کرکے اس مشکل کو دور کردیا اس مجموعہ کا نام "منہج العمال فی سنن الاقوال" رکھا پھر باقی احادیث کی تبویب کرکے اس کا نام "غایۃ العمال فی سنن الاقوال" رکھا اس کے بعد فعلی احادیث کو "جامع الاصول" کی مانند مرتب کیا اور اس کا نام "کنز العمال" رکھا، اس طرح یہ کتاب چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے اور طبع ہو چکی ہے۔

جمع کتب حدیث مبارکہ کا یہ سلسلہ اس طرح جاری و ساری رہا، چنانچہ شیخ امام حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی (م ۸۰۷ ھ) نے مسند امام احمد اور بزار، موصلی و طبرانی کی تینوں معاجم (کبیر، اوسط و صغیر) سے احادیث اخذ کر کے جمع کی ہیں اور اس مجموعہ کا نام "مجمع الزوائد و منبع الفوائد" رکھا یہ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے یہ کنز العمال کی طرح مشہور ہو سکی نہ مقبول اسی طرح علامہ فاسی (علامہ محمد بن محمد بن سلیمان الفاسی) م ۱۰۹۴ھ نے اور محدث نورالدین نے جامع الاصول اور مجمع الزوائد کو ایک کتاب میں جمع کیا۔ ترغیب و ترہیب کے موضوع سے متعلق احادیث ہمارے سرمایہ احادیث کریمہ میں کثرت سے ہیں، امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم المنذری کی اس سلسلہ میں کوشش کو فراموش نہیں کیا جا سکتا، انہوں نے "الترغیب و الترہیب"

مرتب کی اور اس میں ۲۵ اہم موضوعات کے تحت ترغیب و ترہیب پر مبنی منتشر احادیث کو جمع کیا، المستدرک علی الصحیحین بھی ایک قابل قدر کوشش ہے

صاحب مشکوٰۃ نے علامہ بغوی کی "مصابح السنۃ" پر ایزادات کیے اور جن امور کا اضافہ کیا ان کو صاحب مشکوٰۃ نے مشکوٰۃ المصابیح کے مقدمہ میں بیان کر دیا ہے وہاں مطالعہ کیا جا سکتا ہے، اس برصغیر میں محدث عبدالحق دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس ملک میں سب سے پہلے آپ نے "مشکوٰۃ" کی شرح فارسی (اشعۃ اللمعات) وعربی (لمعات) لکھ کر یہاں کے مسلمانوں میں حدیث کے ذوق کو ایک تازہ زندگی بخشی، اسی طرح بارہویں صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند کے عظیم محدث و مفسر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نور اللہ مرقدہٗ نے مؤطا کی شرح فارسی زبان میں بنام مصفّٰی اور عربی زبان میں بنام "مسوّٰی" لکھ کر مؤطا کے مطالعہ کو عام کیا۔

برصغیر پاک و ہند میں کتب حدیث کی ترتیب، تذہیب، تبویب کا کام حضرت علی متقی کے سوا اور کسی نے سرانجام نہیں دیا۔ البتہ اربعین یا چہل حدیث کے بہت سے مجموعے معرّب و مترجم یا غیر معرّب و غیر مترجم ضرور مرتب ہوئے۔ علاوہ ازیں چودہویں صدی ہجری تک صحاح ستہ کی شرح نگاری ہوتی رہی، بخاری اور مسلم کی شروح کی طرف زیادہ توجہ کی گئی، س طرح برصغیر پاک و ہند میں بارہویں صدی ہجری یعنی حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد اس وقت جس قدر حضرات علم حدیث سے شغف رکھنے والے گزرے ہیں وہ موضوع حدیث پر تصنیف و تالیف کا سرمایہ نہ رکھنے کے باعث حکیم عبدالحئی ندوی کی رائے میں قلیل البضاعت فی الحدیث۔ ٹھہرتے ہیں [1]۔ چنانچہ تیرہویں صدی ہجری کی ایک مشہور علمی شخصیت جس پر ہندوستان میں ریاست حدیث ختم ہوتی ہے، اس کے متعلق صاحب نزہتہ الخواطر کی یہ وضاحت غور طلب ہے جبکہ صاحب ترجمہ مؤلف نزہتہ الخواطر کے استاد بھی ہیں

---

[1] میں نے مولانا انور شاہ کشمیری کی تعلیقات، بخاری اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی شرح مسلم کا تفصیلی ذکر نہیں کیا ہے، ان حضرات نے شرح کی طرف توجہ کی ترتیب و تزہیب کا کوئی کام انجام نہیں دے سکے یا ضرورت نہیں نہیں سمجھی۔

صاحب نزہتہ الخواطر یعنی حکیم عبدالحیؒ صاحب ندوی نے اپنے استاد گرامی جناب مولوی نذیر حسین دہلوی کے سلسلہ میں لکھا ہے۔

"ونفع بعلومه خلقاً کثیراً من اهل العرب والعجم وانتهت رئاسة الحدیث فی بلاد هند"۔

یہ ہستی جس پر بقول حکیم عبدالحیؒ صاحب حدیث کی ریاست ختم ہوگئی، بھی تزہیب و ترتیب وتدوین حدیث میں کوئی خدمت انجام نہ دے سکی خود ان کے گرامی مرتبت شاگرد عبدالحیؒ صاحب لکھتے ہیں:۔

"ولم یکن للسید نذیر حسین کثرة اشتغال بتالیف، ولو اراد ذلک لکان له فی الحدیث ولا یقدر علیه غیره"۔

لیکن صد حیف کہ علم حدیث میں ان کی کوئی تالیف نہیں ہے ایک ہشت ورقی رسالہ بھی یادگار نہیں ہے البتہ:۔

وله رسائل عدیدة، اشهرها معیار الحق، واقعة الفتویٰ دافعة البلویٰ وثبوت الحق الحقیق، ورسالة فی تحلی النساء بالذهب والمسائل اربعة کلها باللغة الاردویة"۔

آپ نے کمال علمی ملاحظہ فرمایا کہ یہ تمام رسائل اُردو زبان میں ہیں علاوہ ازیں۔

وفلاح الولی باتباع النبی ومجموعة الفتاوی بالفارسی، حضرت نذیر حسین دہلوی نے عربی زبان پر اپنی حذاقت اور کامل دسترس کا صرف ایک نمونہ یادگار چھوڑا ہے جو ایک ہشت ورقی رسالہ ہے جیساکہ صاحب نزہتہ الخواطر ان کے شاگرد گرامی تحریر فرماتے ہیں۔

"ورسالة فی ابطال عمل المولد بالعربی واما الفتاوی المتفرقة التی شاعة فی البلاد فلا تکاد ان تحصر وظنی انها لو جمعت بلغت الی مجلدات ضخام"۔

قارئین کرام! ریاست حدیث برصغیر میں جس ذات پر ختم ہو گئی، تصنیف و تالیف

کی دنیا میں اس کا یہ مقام تھا پس، بجائے اس کے کہ کسی دوسرے صاحب قلم، صاحب فضل و کمال کے بارے میں "قلیل البضاعت فی الحدیث"، کہنا بے باکی اور زیادتی ہے قلیل البضاعت فی الحدیث تو اپنے ان استاذ گرامی کو کہنا چاہیئے تھا لیکن ان کے لیے امساک قلم فرمایا اور دوسروں کے لیے جو چاہا آسانی سے کہہ دیا۔

میں نے پچھلے اوراق میں "مفتاح السنۃ" اور علامہ ابن خلدون کے مقدمہ سے چند اقتباسات پیش کر کے یہ امر آپ کے ذہن نشین کیا ہے کہ کتب حدیث کی تدوین و ترتیب کا تعلق صرف قرن سوم تک ہے آپکے سامنے میں نے تمام صحاح، مسانید، معاجم و مصنفات ان کے مؤلفین و جامعین کے اسمائے گرامی، عصر تدوین و تالیف کی تصریح کے ساتھ پیش کر دیئے ہیں، ملاحظہ فرمائیے کہ یہ سلسلہ تیسری صدی ہجری سے کسی طرح آگے نہیں بڑھتا، اس کے بعد بطور ترتیب و تبویب و اضافہ و ایزاد جو کچھ کام اس سلسلے میں ہوا اس کی بھی صراحت کر دی البتہ شروح کی وضاحت سے قلم کو روکا ہے کہ اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں تھی، شرح نگاری کا یہ کام چودھویں صدی ہجری تک اس برصغیر میں جاری و ساری رہا تو اگر بضاعت حدیث کی قلت و کثرت کا یہی معیار ہے تو اس برصغیر اور ممالک اسلامیہ کے ہزاروں محدثین اس خصوص میں بے بضاعت ٹھہریں گے اور اگر حکیم عبد الحئی ندوی کی اس قول سے مراد درس حدیث مبارکہ ہے تو اس سلسلہ میں بھی بہت کچھ عرض کیا جا چکا ہے اب صرف ایک پہلو بحث کے لیے باقی رہتا ہے کہ کیا اخذ سند و اجازت روایات کی کثرت و قلت کو اس کا معیار بنایا ہے تو اس کا موجب کیا ہے، اسلاف کرام کے یہاں تو یہ معیار قائم نہیں تھا۔ جبکہ اخذ سند کا طریقہ بہت قدیم ہے اور اس کو اس قدر عمومیت حاصل ہو گئی تھی کہ حرمین شریفین کے محدثین کرام کی خدمت میں ممالک غیر سے حاضر ہونے والے حجاج کرام ان بزرگ محدثین کی خدمت میں حاضر ہوتے اپنا تعارف کراتے، اپنے استاذ کے تعارف کی ضرورت ہوتی تو اس سے بھی دریغ نہ کرتے اور شیخ الحدیث سے سند اجازت، روایات حاصل کر لیتے یا چند ماہ شیخ کے درس میں پابندی سے حاضر ہوتے اور شیخ سے سماعت حدیث کی سعادت

حاصل کرتے اور وقت رخصت یہ سند شیخ الحدیث سے حاصل کر لیتے اور یہ حضرات بھی اس میں بخل نہ فرماتے، کبھی موقع مل جاتا تو قرأت تلمیذ علی الشیخ" کا شرف بھی حاصل ہو جاتا۔ اور اس طرح حضرت شیخ کو شاگرد کی استعداد علمی کا بھی اندازہ ہو جاتا اور پھر یہ سند دینے میں پس وپیش نہ رہتا، اس سند کے حصول کے لیے شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضری، اس کی مدت اور تسلسل حاضری ضروری عناصر نہیں تھے، یہی روش مدتوں سے جاری وساری تھی چنانچہ تیرہویں صدی ہجری میں جبکہ حکیم عبدالحئی ندوی مصنف نزہتہ الخواطر دہلی میں اپنے استاذ گرامی محدث ومفسر علامہ سید نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اخذ سند کا حال ان کی ہی زبانِ قلم سے سن لیجئے۔

"وانی قد صحبتہ ایاماً ببلدۃ دھلی واجاز لی اجازۃ عامۃ تامۃ وکتب لی الاجازۃ بیدہ الکریمۃ سنۃ اثنتی عشرۃ وثلاث مائۃ والف"۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حکیم عبدالحئی صاحب شہر دہلی میں صرف چند دن ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سید نذیر حسین صاحب دہلوی نے ان کو تمام کتب کا اجازت نامہ اپنے قلم سے تحریر فرما کر عنایت کر دیا۔

قارئین کرام! بس اسی سند یا اجازت نامہ پر علمائے کرام کو قلیل البضاعت یا کثیر البضاعت کہا جاتا تھا۔ جس کے پاس جتنی زیادہ یہ سندیں یا اجازت نامے ہوتے تھے اتنا ہی اس کو علم وفضل میں قابل اعتماد اور صاحب فضل سمجھا جاتا تھا اور اگر یہ اسناد اور اجازت نامے کم ہوتے تو اس کو علم میں قلیل البضاعت سمجھا جاتا۔ اور اگر ایسا نہیں اور راقم السطور غلطی پر ہے بلکہ بضاعت کی گراں مائیگی اور کثرت یا قلت کا حصر تصنیف وتالیف پر تھا تو اس سلسلے میں ابھی میں وضاحت سے عرض کر چکا اور یہ بتا چکا کہ برصغیر پاک وہند میں حدیث شریف کے موضوع پر جو کچھ کام ہوا اس کا حصر صرف شرح نگاری پر ہے جس کا آغاز شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور ان کے فرزند رشید محدث شیخ نورالحق دہلوی ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ

محدث دہلوی شارح موطا اور ان کے فاضل مدقق فرزند اکبر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے کیا یا پھر چودہویں صدی ہجری کے بعض علماء۔ برصغیر پاک و ہند نے اس سلسلہ میں قلم اٹھایا ہے لیکن ان کی تصانیف مدتوں تک مسودات کی شکل میں رہیں کچھ ہندوستان میں شائع ہوئیں اور اکثر کو قیام پاکستان کے بعد طباعت کے مواقع میسر آئے، جیسے علامہ شبیر احمد عثمانی کی الملہم شرح مسلم اب ۱۹۹۰ء میں مکتبہ رشیدیہ کراچی نے شائع کی یا اس سے چند سال قبل فضل الباری جلد اوّل کے نام سے شرح بخاری شائع ہوئی تھی۔

امام شاہ احمد رضا قدس سرہٗ نے حدیث مبارکہ کی کسی صحیح یا سند کی شرح پر قلم نہیں اٹھایا کہ صحاح اور حدیث کی مشہور کتابوں کی شرحیں ہو چکی تھیں ان شرحوں کی موجودگی میں مزید شرحوں کا انبار لگانے سے کیا حاصل، بلکہ انہوں نے حاشیہ نگاری کو اپنایا کہ حدیث کی کتابوں پر حواشی نایاب تھے، حواشی میں مصنف کے کلام کی تصحیح کی جاتی ہے اس کو زلت قلم سے آگاہ کیا جاتا ہے اور اس کا تعقب کیا جاتا ہے، جبکہ شرح میں یہ امور زیر قلم نہیں آتے۔ بلکہ اپنے لیے ایک اور راستہ تلاش کیا یعنی حاشیہ نگاری، اس برصغیر پاک و ہند میں ملا عبدالحکیم سیالکوٹی مرحوم کے بعد شاہ احمد رضا قدس سرہٗ حاشیہ نگاری میں منفرد مقام کے حامل ہیں، حاشیہ، تعلیقہ اور شرح اور ان کے دشوار گزار راستے، ان کی ابتداء عربی ادبیات و مذہبیات میں ان موضوعات پر میں نے امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (جلد اول و جلد دوم شائع کردہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی) میں پیش کر دی ہیں اور وہاں بتایا ہے کہ حاشیہ نگاری کس قدر اہم اور مشکل کام ہے، موضوع احادیث پر تمام مشہور کتب پر امام احمد رضا کے حواشی موجود ہیں اور اکثر میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان حواشی میں تنبیہ و تصحیح، تطفل و تعقب تمام جہتیں موجود ہیں، اگر کتب احادیث پر امام احمد رضا کے یہ تمام حواشی یکجا شائع ہو جائیں تو اس کو ایک اہم اور شاندار مجموعہ اس موضوع پر کہا جا سکتا ہے کتب احادیث پر حواشی کی تفصیل یہ ہے۔

تمام حواشی عربی زبان میں ہیں جس سے امام احمد رضا کی عربی انشاء پردازی کی قدرت تامہ ظاہر ہوتی ہے اور فن سے بکمال درجہ آگہی:۔

۱۔ حاشیہ صحیح بخاری غیر مطبوعہ
۲۔ حاشیہ صحیح مسلم ۔ "
۳۔ " جامع ترمذی ۔ "
۴۔ " سنن نسائی ۔ "
۵۔ " سنن ابن ماجہ ۔ "
۶۔ " تیسیر شرح جامع الصغیر ۔ "
۷۔ " مسند امام اعظم ۔ "
۸۔ " شرح معانی الآثار ۔ "
۹۔ " سنن دارمی (مسند دارمی) غیر مطبوعہ
۱۰۔ حاشیہ کنز العمال ۔
۱۱۔ " عمدۃ القاری شرح بخاری ۔
۱۲۔ " فتح الباری شرح بخاری ۔
۱۳۔ " ارشاد الساری شرح بخاری ۔
۱۴۔ " مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۔
۱۵۔ " فیض القدیر شرح جامع الصغیر ۔
۱۶۔ " موضوعات الکبیر غیر مطبوعہ
۱۷۔ " التعقبات فی الموضوعات "

موضوع حدیث مبارکہ پر ان حواشی کے علاوہ جو غیر مطبوعہ ہیں اصول حدیث میں آپکے چند مطبوعہ رسائل یہ ہیں ۔ مدارج طبقات الحدیث ، الافادات الرضویہ ، اصول حدیث میں اردو زبان میں یہ دو رسالے مشہور ہیں الہاد الکاف فی حکم الضعاف (اُردو) اور الفضل الوہبی فی معانی اذا صح الحدیث فھو مذھبی ۔ علاوہ ازیں اسماء الرجال کی تمام مشہور کتابوں مثلاً تقریب التھذیب ، تھذیب التھذیب ، میزان الاعتدال ، تذکرۃ الحفاظ ، الاسماء والصفات پر آپکے حواشی آپکی دقت نظر اور فن حدیث روایت و درایت پر آپکے تبحر کے گواہ ہیں ۔

اب اگر یہ کہا جائے کہ حواشی تو شائع نہیں ہوئے اس لیے قلیل البضاعت کہا گیا تو اس طرح تو چودہویں صدی ہجری کے اوائل میں برصغیر میں لکھی جانے والی بعض شروح بھی چودہویں صدی کے اواخر میں شائع ہوئی ہیں صرف تذکروں تک اس کے تذکرے محدود تھے جبکہ امام احمد رضا کے رسائل موضوع حدیث پر طبع اور شائع ہو چکے تھے پھر ان کو "قلیل البضاعت فی الحدیث" کہنے میں کوئی باک نہیں کرتے کاش حکیم عبدالحئی ندوی صاحب نے اپنے اس ارشاد "قلیل البضاعت فی الحدیث" کی تشریح کی ہوتی اور اس کے اطلاق کی کوئی کیف متعین فرمائی ہوتی تو اس پر قلم اٹھایا جاتا اور اسی نقطہ نظر سے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی بضاعت علمی کا جائزہ لیا جاتا ۔

نوٹ :- یہ مقالہ علامہ صاحب کی زیر تالیف ضخیم کتاب "فتاویٰ رضویہ ، فتاویٰ عالمگیر کے آئینہ میں" سے ماخوذ ہے ۔

الفضل الموھبی

فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی

الاسم التاریخی

اعز النکات بجواب سوال ارکات

۱۳ ھ ۱۳

للامام احمد رضا الفاضل البریلوی قدس سرہٗ

۱۲۷۲ھ — ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶م — ۱۹۲۱م

تعریب

الاستاذ افتخار احمد القادری

المجمع الاسلامی مبارکفور، الھند

العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ

از: علامہ عبد الحکیم شرف قادری
(جامعہ نظامیہ لاہور)

کی انفرادی خصوصیات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز چودھویں صدی کے نادر روزگار عالم و فاضل اور یکتائے زمانہ فقیہہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں مہارت کاملہ عطا فرمائی تھی، انہیں نہ صرف اس دور کے مروج علوم دینیہ میں پوری بصیرت حاصل تھی بلکہ علم طب، علم جفر، تکسیر، زیجات، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، علم ہیئت، علم توقیت اور مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی حیرت انگیز دسترس حاصل تھی ایک فقیہہ اور مفتی کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا کو حاصل تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ان علوم میں ان کی تصنیفی یادگاریں بھی موجود ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۰ رشوال المکرم / ۱۴ رجون ۱۲۷۲ھ / ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف یو۔ پی، انڈیا میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حیرت انگیز صلاحیتوں کی بدولت ۱۴ ررمضان المبارک ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء کو پونے چودہ سال کی عمر میں اس دور کے رائج علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر

والد ماجد امام المتکلمین مولانا نقی علی خان کی خدمت میں پیش کیا، جسے انہوں نے دیکھ کر کمالِ مسرّت کا اظہار کیا اور اسی دن فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کردیا۔[۵] اس دن سے آخر عمر تک مسلسل یہ گرانقدر ذمہ داری ادا کرتے رہے، آپ کا وصال ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء کو ہوا اس طرح آپ کی فتویٰ نویسی کا عرصہ سنِ ہجری کے اعتبار سے چوّن (۵۴) سال بنتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کا قلم نصف صدی سے زیادہ عرصے تک چلتا رہا، اور اس برق رفتاری سے چلا کہ دو دو، تین تین دن میں مبسوط فتاویٰ، رسائل کی صورت میں تیار ہوتے رہے، انہوں نے پچاس علوم وفنون میں تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑیں، جن میں حدائق بخشش دو حصے (نعتیہ دیوان) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، جد الممتار، درمختار کے حاشیۂ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ، الدولۃ المکیۃ اور بارہ ضخیم جلدوں میں فتاوی رضویہ کے نام مشہور ومعروف ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی تمام تصانیف خصوصاً فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے بڑے بڑے اصحاب علم وفضل انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، پہلے قرآن پاک سے استدلال کرتے ہیں پھر احادیث مبارکہ اور اس کے بعد آئمہ دین کے ارشادات سے اپنے موقف کا ثبوت پیش کرتے ہیں، عقلی اور نقلی دلائل کی فراوانی دیکھ کر قاری کو علی وجہ البصیرۃ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔

آیندہ صفحات میں فتاویٰ رضویہ کی چند خصوصیات پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ فیضان رسالت

امام احمد رضا بریلوی کی ایک خصوصیت، عشق رسول ایسی ہے جسے ان کے شدید ترین مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ فتاویٰ کے نام ہی کو دیکھئے العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عطیات احمد رضا کے فتووں میں، ان کی عقیدت ومحبت کا منہ بولتا ثبوت ہے، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی نگارشات کی ایک ایک سطر

سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت صادقہ کی خوشبوئیں پھوٹتی ہیں جو اہلِ ایمان کے مشامِ جان کو معطر کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر سید عبداللہ، ایم۔اے۔ایم او۔ایل۔ڈی لٹ اپنے ایک پیغام میں کہتے ہیں۔

> وہ (امام احمد رضا بریلوی) بلاشبہ جیّد عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہہ، صاحبِ نظر، مفسرِ قرآن، عظیم محدّث اور سحر بیاں خطیب تھے، لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند تر ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشق رسول کا۔ ۲

۲- دلائل کی فراوانی

امام احمد رضا بریلوی کی کسی بھی تصنیف کا مطالعہ کر لیجئے آپ کو واضح طور پر محسوس ہو گا کہ ان کے ہاں آورد نہیں ہے بلکہ آمد ہے، یوں معلوم ہوتا ہے کہ دلائل و مضامین ان کے سامنے صف بستہ کھڑے ہیں جنہیں وہ قلم برداشتہ صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔

سماع موتٰی کے مسئلے پر قلم اٹھایا تو ایک مبسوط کتاب حیات الموات فی سماع الاموات لکھ دی جس میں ۳۶۵ دلائل سے ثابت کیا کہ دنیا سے رخصت ہونے والے محض پتھر نہیں بن جاتے بلکہ وہ جانتے ہیں اور دیکھتے سنتے ہیں اس موضوع پر آیات کریمہ، احادیث شریفہ، ارشادات صحابہ اور متقدمین و متاخرین فقہاء اسلام کے اقوال کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے کہ دوسری کسی کتاب میں یکجا نہیں ملے گا۔ یہ کتاب فتاویٰ رضویہ کی چوتھی جلد میں ص ۲۲۵ سے ص ۳۷۶ تک پھیلی ہوئی ہے اور روحوں کی دنیا کے نام سے الگ کتابی صورت میں بھی لاہور سے چھپ چکی ہے۔

۳: انتہاءِ تحقیق

امام احمد رضا بریلوی کا رہوار قلم میدانِ تحقیق میں جولانیاں دکھاتا ہے تو عموماً آخری حدوں کو چھو جاتا ہے اور مزید تحقیق اور گفت گو کی گنجائش نہیں چھوڑتا، فقہاء کرام کی تصانیف میں اُن چیزوں کی تعداد ۷۴ بیان کی گئی جن سے تیمم جائز ہے جبکہ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر ۱۰۷

اشیاء کا اضافہ کیا اور جن چیزوں سے تیمم جائز نہیں ان کی تعداد کتب سابقہ میں ۵۸ بیان کی گئی تھی، فتاویٰ رضویہ میں ان پر ۷۲ چیزوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

"یہ تین سو گیارہ چیزوں کا بیان ہے ۱۸۱ سے تیمم جائز، جن میں ۷۴ منصوص (کتب آئمہ میں بیان کی گئی ہیں) اور ۱۰۷ زیاداتِ فقیر، اور ۱۳۰ سے ناجائز جن میں ۵۸ منصوص اور ۷۲ زیاداتِ فقیر، ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا، بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔" ۳

۱۳۲۸ھ میں ایک رسالہ تحریر کیا "ارتفاع الحجب عن قرأۃ الجنب" اس میں دہ جلیل القدر تحقیقات پیش کیں جو اسی رسالے کا حصہ ہیں، یہ تحقیقات کسی دوسری کتاب میں نہیں ملیں گی، ارباب علم و تحقیق کے لیے اس میں وسیع علمی ذخیرہ ہے۔

۴: مسائل جدیدہ کی تحقیق

امام احمد رضا بریلوی نے نہ صرف قرآن و حدیث اور علماء اسلام کی تحقیقات اور نگارشات کا گہری نظر سے وسیع مطالعہ کیا تھا، بلکہ ان کا علم مستحضر بھی تھا دوسری دفعہ ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۵ء میں حرمین شریفین کی حاضری کے لئے گئے تو مکہ معظمہ کے علماء کی طرف سے نوٹ سے متعلق بارہ سوالات پیش کیے گئے، جن کے بارے میں مکہ مکرمہ کے مفتئ احناف شیخ جمال بن عبداللہ سے دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے علماء ربانی کی شان کے مطابق جواب دیا تھا کہ علم، علماء کی گردنوں میں امانت ہے، امام احمد رضا بریلوی نے طبیعت ناساز ہونے کے باوجود ڈیڑھ دن میں تفصیلی جواب لکھ دیا اور اس کا نام "کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" تجویز کیا۔

مولانا عبدالحئی لکھنوی والد ماجد ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:۔

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی ان کا کوئی ہم پلہ ہو

اس حقیقت پر ان کا فتاویٰ اور ان کی تصنیف کفل الفقیہ الفاہم شاہد ہے، یہ کتاب انہوں نے مکہ مکرمہ میں ۱۳۲۳ھ (بلکہ ۱۳۲۴ھ) میں لکھی"۔ ۴

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری اپنے پیغام میں لکھتے ہیں۔

"اگرچہ فاضل بریلوی تمام علوم متداولہ میں مہارت کاملہ رکھتے تھے مگر فقہ میں ان کا کوئی مد مقابل نہ تھا، ان کی فقہی جامعیت کا اندازہ ان کے فتاویٰ سے ہوتا ہے۔ ۵

۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں انگریزوں کی ایک کمپنی روسر کی تیار کردہ شکر کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس کا کیا حکم ہے؟ یہ کمپنی شکر صاف کرنے کے لیے جو ہڈیاں استعمال کرتی ہے ان میں احتیاط نہیں کی جاتی کہ وہ پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک رسالہ الاحلیٰ من السکر لطلبۃ سکر روسی تحریر کیا جو فتاویٰ رضویہ جلد دوم کے ۳۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ جواب سے پہلے آئمہ دین کے حوالے سے دس تفصیلی مقدمات بطور تمہید بیان کیے اس کے بعد تفصیلی حکم بیان فرمایا۔

۵: تنقیح مسائل

بعض مسائل میں آئمہ احناف کا بڑا اختلاف تھا، فتاویٰ رضویہ میں ان کی نہ صرف توضیح و تشریح کی گئی بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ مذہب مختار و معتمد کیا ہے؟

۷ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء کو استفتاء پیش ہوا کہ ایک شخص نیند سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے کپڑے یا بدن پر تری پائی یا خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر نہانا واجب ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا نے ایک مبسوط رسالہ لکھا، الاحکام و العلل فی اشکال الاحتلام و البلل، فتاویٰ رضویہ جلد اوّل کے جہازی سائز کے ۴۲ صفحات پر پھیلا ہوا یہ فتویٰ امام احمد رضا بریلوی کی دقتِ نظر اور وسعت مطالعہ اور حیرت انگیز استحضار کی دلیل ہے ۔۔۔۔ بحث کے آغاز میں فرماتے ہیں ۔۔۔۔

یہاں چھ صورتیں ہیں۔

اوّل :۔ تری کپڑے یا بدن کسی پر نہ دیکھی۔

دوم :۔ دیکھی اور یقین ہے کہ یہ منی یا مذی نہیں، بلکہ ودی یا بول یا پسینہ یا کچھ اور ہے ان دونوں صورتوں میں مطلقاً اجماعاً غسل، اصلاً نہیں، اگرچہ خواب میں مجامعت اور اس کی لذت اور انزال تک یاد ہو۔

سوم :۔ ثابت ہو کہ یہ تری منی ہے، اس میں بالاتفاق نہانا واجب ہے اگرچہ خواب وغیرہ اصلاً یاد نہ ہو۔

اب رہی تین صورتیں

۴ :۔ تری کے منی ہونے کا احتمال ہو۔

۵ :۔ مذی ہونے کا علم ہو

۶ :۔ منی نہ ہونا تو معلوم مگر مذی ہونے کا احتمال۔

پس اگر خواب میں احتلام ہونا یاد ہے تو ان تینوں صورتوں میں بھی بالاتفاق نہانا واجب ہے ——— اور اگر احتلام یاد نہیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں اصلاً غسل نہیں (یہی قول قیاس کے زیادہ مطابق ہے اور اسی کو امام خلف بن ایوب اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اختیار کیا ہے) ملخصاً [۶]

۶ : مصادر و مراجع کی کثرت

فتاویٰ رضویہ کے کسی بھی فتوے کا مطالعہ کر لیجئے ہر فتویٰ تفصیلات سے مالامال ملے گا۔ بابرکت کتاب "حیات الموات" کے مراجع کی کثرت کا اندازہ امام احمد رضا بریلوی کے اس ارشاد سے ہوتا ہے۔

"مقصد اول میں پینتیس ۳۵ سوال تھے، مقصد دوم میں ساٹھ حدیثیں، ادھر نوع اول میں (صحابۂ کرام اور آئمہ دین کے) دوسو ۲۰۰ قول، اب یہ (خاندان ولی اللّٰہی کے) ایک سو پانچ مقال مل کر چار سو کا عدد کامل۔" [۷]

۷: متعارض اقوال میں تطبیق

کسی مسئلے میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ میں اور صاحبین (امام ابویوسف اور امام محمد) میں اختلاف ہو تو بعض آئمہ نے مطلقاً فرمایا کہ فتوی امام اعظم کے قول پر ہو گا، جبکہ بعض دیگر آئمہ نے فرمایا کہ امام اعظم کے قول کو اس وقت ترک کیا جائے گا۔ جبکہ ان کی دلیل کمزور ہو، امام احمد رضا بریلوی نے ان کے درمیان یوں تطبیق دی ہے۔

محقق ابن ہمام نے اس صورت کا استثناء کیا ہے جب دلیل ضعیف ہو تو ان کی نظر مجتہد کی طرف ہے (یعنی مجتہد دلیل کے ضعف کی بناء پر قول امام ترک کرکے صاحبین کا مذہب اختیار کر سکتا ہے) اور جن حضرات نے استثناء نہیں کیا تو ان کا قول مقلد سے متعلق ہے (یعنی مقلد کے لیے قول امام کا ترک کرنا جائز نہیں ہے)۔ جیسے کہ امام، صاحب ہدایہ اور امام عبداللہ بن مبارک نے فرمایا۔" ۵

۸ :- نادر طریق استدلال

امام احمد رضا بریلوی کو اللہ تعالٰے نے زبردست قوت استنباط عطا فرمائی تھی ان کی فکر عالی جس طرف متوجہ ہوتی جدید اور اچھوتے انداز کے دلائل منظر عام پر لاتی تھی ——— آئمہ احناف کے نزدیک نماز جنازہ کا ایک دفعہ ہی پڑھنا جائز ہے ہاں اگر غیر احق ولی کی اجازت اور اتباع کے بغیر پڑھ لے تو ولی دوبارہ پڑھ سکتا ہے اس پر استدلال کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

نماز جنازہ اللہ عزّوجل کی بارگاہ میں میت کی شفاعت ہے کما قدمنا علی الحدیث اور اللہ عزوجل فرماتا ہے مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ کون ہے جو اللہ کے یہاں شفاعت کرے، مگر اس کے اذن سے، اور اذن اللہ عزّوجلّ کا قرآن عظیم سے ثابت ہو یا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذنِ قولی یا فعلی یا تقریری سے، اور صورت مذکورہ کا اذن کہیں

ثابت نہیں وَمَنِ ادَّعٰی فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ (جو دعویٰ کرے وہ دلیل لائے) لاجرم ان مجتہد صاحب نے بے ثبوتِ اذنِ الٰہی بارگاہ عزت میں شفاعت پر جرأت و بے باکی کی اور اپنے ساتھ اور مسلمان کو بھی اس بلا میں ڈالا اور مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا (اور جس نے بری سفارش کی اس کے لیے اس میں سے حصہ ہوگا) سے حصہ لیا، دیا۔ ۹

۹:۔ اکابر فقہاء کے تسامحات پر تنبیہ

امام احمد رضا بریلوی نے سینکڑوں جگہ اکابر فقہاء کرام کے تسامحات پر تنبیہ کی ہے، مگر کیا مجال کہ بے ادبی یا تنقیص کا کوئی کلمہ نوکِ قلم پر لائیں، یا اپنی برتری کا اظہار کریں، بلکہ ایسے مقامات پر وہ تَطَفُّل کا عنوان دیتے ہیں جس کا معنی ہے: بچوں والی بات، تاکہ قاری کو گستاخی کا وہم بھی پیدا نہ ہو۔

قرآن پاک افضل ہے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم؟ اس بارے میں علامہ شامی نے فرمایا کہ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور احتیاط یہ ہے کہ توقف کیا جائے۔

اس پر امام احمد رضا بریلوی نے شامی کے حاشیہ جد الممتار میں فرمایا:

"توقف کی حاجت نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میرے نزدیک مسئلہ واضح ہے کیونکہ اگر قرآن سے مراد مصحف ہو یعنی کاغذ اور سیاہی تو اس میں شک نہیں کہ وہ حادث اور مخلوق ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مخلوق سے افضل ہیں، اور اگر قرآن سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام ہو جو اس کی صفت ہے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی صفات تمام مخلوقات سے افضل ہیں۔ جو چیز اللہ تعالیٰ کا غیر ہے وہ اس صفت کے مساوی کیسے ہو سکتی ہے جو اس کا غیر نہیں ہے، اس بیان سے ہر دو قول میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، جن حضرات نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو افضل قرار دیا ہے انہوں نے قرآن سے مراد مصحف

لیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ مخلوق ہے کیونکہ وہ کاغذ اور سیاہی کا مجموعہ ہے
اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے ہر ایک سے افضل ہیں" (ترجمہ) ۵۱

۱۰:۔ رسم المفتی (فتویٰ نویسی کے آداب)

امام احمد رضا بریلوی نے جہاں اپنی زندگی میں ہزاروں فتوے تحریر کیے، وہاں فتویٰ نویسی کے آداب کے بیان کا بھی خصوصی اہتمام کیا، اس موضوع پر انہوں نے درج ذیل رسائل تحریر کیے۔

۱۔ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علی قول الامام
(اس امر کا روشن بیان کہ فتویٰ مطلقاً قولِ امام پر ہوتا ہے)
۲۔ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔
(اس ارشاد کا مطلب کہ جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے)
اس کے علاوہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل مطبوعہ بمبئی کے درج ذیل صفحات پر آدابِ افتاء بیان کیے۔

۴۴ - ۶۳ - ۸۱ - ۸۲ - ۸۴ - ۱۴۸ - ۱۶۷ - ۱۸۸
۱۹۰ - ۱۹۷ - ۲۰۲ - ۳۲۳ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۸۱ - ۳۸۵
۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۷
۴۳۲ - وغیرہ۔ ۵۲

۱۱۔ اسماء الرجال

آئندہ سطور سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی کی نظر تاریخ و تذکرہ اور فن اسماء الرجال پر کتنی وسیع تھی اور ایک مفتی کے لیے اس فن کی کیا اہمیت ہے ؟ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں امام ابن القاسم کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اور اس کی حاجت نہ رہے تو وہاں مسجد بنا لینا جائز ہے، مولوی رشید احمد گنگوہی نے یہی فتویٰ دے دیا اور دلیل کے طور پر عمدۃ القاری کے حوالے سے یہی قول نقل کر دیا۔

امام احمد رضا بریلوی نے اس فتوے پر دس وجہ سے تنقید کی اور ایک وجہ یہ بھی بیان کی۔

"عربی لفظوں کا ترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کیسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں؟ کس مذہب کے عالم ہیں؟ ان کا قول مذہب حنفی میں کہاں تک سنا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی ان کی اپنی رائے اور وہ بھی اصول وفروع مذہب کے صریح خلاف!

مجیب صاحب! علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح جامع صحیح میں صرف اقوال مذہب (حنفی) پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ آئمہ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق ولاحق بلکہ بعض بد مذہبوں مثلاً داؤد ظاہری وابن حزم تک پہنچ کے اقوال نقل کر جاتے ہیں، بلکہ بارہا انہی کے قول پر قناعت فرماتے اور آئمۂ مذہب کا مذہب بیان میں نہیں لاتے، جاہل کہ تراجم علماء سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادم علم بحمد اللہ تعالیٰ فرق مراتب وتفرقۂ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔" [۱۲]

چند سطروں کے بعد بیان کرتے ہیں کہ ابن القاسم کون ہیں؟ فرماتے ہیں۔

"یہ ابن القاسم واشہب دونوں حضرات مالکی المذہب عالم ہیں خود امام ہمام (امام مالک) کے شاگرد اور ان کے مذہب میں اہل روایت ودرایت جیسے ہمارے یہاں زفر وحسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہم، آپکی مقدس بزرگی کہ مذہب حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتویٰ دیتے اور اپنے زعم میں اسے مذہب حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں۔" [۱۳]

۱۲۔ علم توقیت

اوقات نماز کا علم ایک مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہے تاکہ ہر نماز صحیح وقت پر ادا کی جائے، امام احمد رضا بریلوی علم التوقیت میں بھی یکتائے زمانہ تھے، آپ ہی نے سب سے پہلے متعدد

پاک و ہند میں شمسی سال کے اعتبار سے اوقات نماز کا نقشہ مرتب کیا تھا، آپ کے شاگرد رشید ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری بھی اس فن میں کامل مہارت رکھتے تھے، علم توقیت میں ان کی تصنیف لطیف لائق مطالعہ ہے، اس کا نام ہے

"الجواہر والیواقیت فی علم التوقیت"

یہ کتاب تقریباً اڑھائی سو صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ تر امام احمد رضا بریلوی کے افادات بیان کیے گئے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی سے پوچھا گیا کہ اس سال ۱۳۲۰ھ میں عید الفطر کا آخری وقت کب تک تھا؟ جس نے ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا:

"مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی، وقت اس کے قریب قریب ختم ہو چکا تھا مگر ایسی جگہ علماء آسانی پر نظر فرماتے ہیں، ہمارے علماء کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقت عید زوال تک ہے، اس تقدیر پر جس نے بارہ بجکر ۶ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہو گئی کہ اس دن بارہ بجکر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔" [۱۴]

۱۳۔ لوگارثم

لوگارثم حساب کی ایک قسم ہے، آج تو میٹرک کے نصاب میں شامل ہے لیکن آج سے پچھتر سال پہلے بہت کم لوگ اس کے ماہر تھے خصوصاً طبقۂ علماء دین میں تو شاید ہی کوئی اس کا ماہر ہو، امام احمد رضا بریلوی نہ صرف اس کے ماہر تھے بلکہ کئی سوالات اس کی مدد سے حل کیے۔

۱۳۳۴ھ میں سوال کیا گیا کہ کنوئیں کا دور کتنے ہاتھ کا ہونا چاہیئے؟ تاکہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست کے واقع ہونے سے ناپاک نہ ہو۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا ——— اس مسئلے میں چار قول ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ اس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس [۳۵] ہاتھ چاہیے یعنی ۳۵،۴۴۹

تو قطر تقریباً ۵ گز ساڑھے دس گرہ ہوگا، بلکہ دس گرہ ایک انگل یعنی ۴۲۸۱۱ ہاتھ۔ ۱۵

یہ جواب بڑے سائز کے دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور اسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عربی زبان بھی جانتا ہو اور لوگارثم سے بھی واقفیت رکھتا ہو۔

۱۴۔ سائنس اور طب

ایک مفتی جتنا وسیع النظر ہوگا اس کے فتاویٰ میں اتنی ہی گہرائی زیادہ ہوگی حکیم محمد سعید دہلوی فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں۔ مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں ان سے ان کی دِقّتِ نظر اور طبّی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب و معیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔" ۱۶

۱۵۔ مذہب حنفی کی تائید و حمایت

امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ کے مطالعہ سے ان کی مجتہدانہ بصیرت فکر رسا اور انداز استدلال کا واضح طور پر پتا چلتا ہے، اس حقیقت کا اعتراف ان لوگوں نے بھی کیا ہے جو ان کے حلقۂ ارادت سے متعلق نہیں ہیں۔

ایک دفعہ علامہ اقبال علی گڑھ گئے، وہاں ایک علمی مجلس میں امام احمد رضا بریلوی کا ذکر آگیا، علامہ سے ان کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا، جسے ڈاکٹر سیّد عابد احمد علی ضبط تحریر میں لائے، ان کے بیان کے مطابق علاّمہ نے کہا۔

"وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور تھے، اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہہ تھے ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہہ بمشکل ہی ملے گا۔

اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور بعض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویّے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ

" اگر یہ اُلجھن درمیان میں نہ آپڑتی تو ان کا علم و فضل ملّت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صَرف ہوتا اور وہ یقیناً اس دور کے ابو حنیفہ کہلا سکتے تھے۔ [۱۷]

جماعت اسلامی کے بانی ابو الاعلیٰ مودودی اپنے ایک پیغام میں لکھتے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی اس فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ [۱۸]

امام احمد رضا بریلوی کا ہر فتویٰ مذہب حنفی کے بیان اور اس کی تائید پر مشتمل ہے تاہم اس سلسلے میں چند رسائل خصوصی طور پر لائق مطالعہ ہیں۔

۱۔ اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقاً علیٰ قول الامام (۱۳۳۴ھ)

۲۔ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔

۳۔ اطائب الصیّب علیٰ ارض الطیّب۔ (۱۳۱۹ھ)

مسئلۂ تقلید پر مدرسہ عالیہ، رامپور کے پرنسپل محمد طیّب مکی سے مراسلت۔

۴۔ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار (۱۳۱۶ھ)

سنی عورت کا نکاح بدمذہبوں سے ممنوع۔

۵۔ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ)

غیر مقلدین کے پیچھے نماز کی سخت ممانعت

۶۔ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین (۱۳۱۳ھ)

۱۳۱۳ھ میں ایک استفتاء آیا کہ سفر شرعی میں دو نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے مبسوط جواب لکھا جو فتاوی رضویہ جلد دوم کے ۹۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، انہوں نے فرمایا کہ جمع کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) جمع صوری۔ (۲) جمع حقیقی،

جمع صوری یہ ہے کہ ایک نماز اس کے آخری وقت اور دوسری نماز اس کے وقت کی ابتدا میں پڑھی جائے اور یہ بالاتفاق جائز ہے۔ جمع حقیقی یہ ہے کہ دو نمازیں ایک وقت میں ادا کی جائیں۔ اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ ظہر اور عصر، دونوں ظہر کے وقت میں پڑھی جائیں، ایسی صورت میں عصر کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ اس کا وقت ہی شروع نہیں ہوا۔

۲۔ دونوں عصر کے وقت میں پڑھی جائیں، اس صورت میں ظہر قضا ہو گی، نہ کہ ادا۔

آئمہ احناف کے نزدیک یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں، امام احمد رضا بریلوی نے یہ رسالہ چار فصلوں پر تقسیم کیا۔

۱۔ جمع صوری کا اثبات۔

۲۔ جمع تقدیم کے شبہات کا ابطال۔

۳۔ جمع تاخیر کی تضعیف۔

۴۔ اوقات کی پابندی کی ہدایت اور جمع کرنے کی ممانعت۔

اس مسئلے میں غیر مقلدین کے امام میاں نذیر حسین دہلوی نے معیار الحق میں آئمہ مالکیہ اور شافعیہ سے استفادہ کرتے ہوئے مذہب حنفی کے رد کرنے کے لیے تفصیلی کلام کیا تھا، امام احمد رضا بریلوی نے اس فتوے میں ان پر سخت تنقید کی اور ان کے ایک ایک شبہے کا جواب اتنے مضبوط حوالوں سے دیا ہے کہ مخالفین حدیث دانی کے دعوے کے باوجود آج تک اس کا جواب دینے کی ہمت نہیں کر سکے۔

رسالہ مبارکہ حاجز البحرین حدیث اور اصول حدیث کے علوم کا بہتا ہوا دریا ہے۔ جسے پڑھ کر اہلِ علم انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں اور مذہب حنفی کی حقانیت آفتاب سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

"حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے چالیس سے زیادہ طرق، اس وقت پیش نظر فقیر ہیں، ان میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں سے اٹھارہ کی طرف ہم نے احادیث مجملہ میں اشارہ کیا، رہے نصف سے کم ان میں اکثر صاف صاف جمع صوری کی تصریح کر رہے ہیں، جن میں سے چودہ روایات بخاری، ابو داؤد و نسائی وغیرہم سے اوپر مذکور ہوئے۔" [19]

سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی علم حدیث میں وسعت علمی دیکھنی ہو تو رسائل "تقبیل الابہامین"، و "حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین"، نذیر حسین دہلوی امام اہل حدیث کے رد میں ملاحظہ کریں، جس سے مولوی نذیر حسین طفل مکتب نظر آتا ہے، اسی طرح وسعت علمی علوم معقولات فلسفہ، ریاضی وغیرہ میں رسالہ "فوز مبین" حرکت زمین کے رد میں دیکھو کہ نظام بطلموسی فیثا غورثی کی ایسی تطبیق دی کہ نیوٹن جو فلسفۂ حال کا امام مانا جاتا ہے شاگرد نظر آتا ہے۔" [20]

۱۲۔ سیاسی راہنمائی

امام احمد رضا بریلوی سیاسی لیڈر نہ تھے بلکہ اسلامی مفکر و مدبر تھے وہ ہر مسئلے کو دینی اور اسلامی نکتۂ نظر سے دیکھتے تھے اور امت مسلمہ کے دین و ایمان اور جان و مال کی حفاظت کو اہم ترین مقصد قرار دیتے تھے بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں کئی تحریکیں اٹھیں اور طوفان کی طرح پورے ملک میں چھا گئیں، بڑے بڑے سیاسی لیڈر یا تو ان تحریکوں کے بہاؤ میں بہہ گئے یا دم بخود تھے کہ کیا کہیں اور کیا کریں ؟ ایسے ماحول میں امام احمد رضا بریلوی تن تنہا آندھیوں کی زد پر چراغ بکف نظر آتے ہیں۔

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی، حکومت برطانیہ نے بے شمار ہندوستانیوں کو اس وعدے پر فوج میں بھرتی کیا کہ فتح کے بعد ہندوستان آزاد کر دیا جائے گا مسٹر گاندھی نے بھی فوجی بھرتی کی بھرپور حمایت کی، مسلمانوں کی عظیم سلطنت، ترکی کو اس جنگ میں شکست ہوئی، فتح کے بعد انگریز اپنے وعدے سے پھر گیا، اس موقع پر گاندھی نے ایک گہری چال چلی اور اعلان کیا کہ سلطانِ ترکی اسلام کا خلیفہ ہے اور اس کی خلافت کو ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے، مسلمانوں میں شدید اشتعال پیدا ہو گیا اور تحریک خلافت چل نکلی۔ اس تحریک کا مقصد ایک طرف تو انگریز سے وعدہ خلافی کا انتقام لینا تھا اور دوسری طرف اظہار ہمدردی کے ذریعے مسلمانوں کو ہندوؤں کے قریب کرنا تھا کہ وہ ہندومت میں مدغم ہو کر رہ جائیں، پھر ترک موالات (بائیکاٹ) کا اعلان کیا گیا اور اپیل کی گئی کہ انگریزی ملازمت چھوڑ دو، انگریز کی دی ہوئی جاگیریں واپس کر دو، مسلمانوں کے کالجوں کو ملنے والی گرانٹ واپس کر دو، غرض یہ کہ انگریزوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو، پھر ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اس لیے مسلمان یہاں ہجرت کر کے چلے جائیں، افسوسناک بات یہ تھی کہ گاندھی لیڈر تھا اور مسلمانوں کے راہنما دست بستہ اس کے پیچھے چل رہے تھے، ہندوؤں کی خوشنودی کے لیے گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتوے دیئے جا رہے تھے مسجدوں کے منبروں پر گاندھی کو بٹھا کر تقریریں کروائی

جارہی تھیں اور اس کی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگی جارہی تھیں، مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لیے پوری طرح راہ ہموار کی جاچکی تھی۔

ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا کسی کو اس سازش کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت نہیں تھی، ایسے ماحول میں امام احمد رضا بریلوی نے اپنے فتاویٰ کے ذریعہ کلمۂ حق بلند کیا اور ہندو مسلم اتحاد کی سازش کے تار و پود بکھیر دیئے، انہوں نے بستر علالت سے ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء میں المحجۃ المؤتمنۃ لکھ کر امتِ مسلمہ کو خوابِ غفلت سے جگایا اور قوم مسلم میں نئی روح پھونک دی۔

امام احمد رضا بریلوی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں۔

"نصاریٰ کی یہ غلامی کہ پیر نیچر (سید احمد خاں) نے تھامی، لیڈر جس کے آپ زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی۔۔۔۔ اب اگر بعد خرابی بصرہ (بینائی) آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے، مگر للہ انصاف! وہ غلامی ادھوری تھی۔۔۔۔۔۔

اور اب مشرکین (ہندوؤں) کی پوری غلامی ہو رہی ہے، ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زائد کیا جارہا ہے۔ یہ کونسا دین ہے کہ نصاریٰ کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری (غلامی) میں غرقاب۔" [۲۱]

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی چاہتے تھے کہ مسلمان انگریز کی غلامی کا جُوّا اپنی گردن سے اتار پھینکنے کے لیے تیار ہوجائیں، خدا کرے کہ ایسا ہی ہو، لیکن مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی ہوگی کہ اس کے بعد ہندوؤں کی غلامی قبول کرلیں، جس کا ہندوؤں کی اکثریت کی بناء پر واضح خطرہ تھا۔

امام احمد رضا بریلوی امت مسلمہ کا دیدۂ بینا تھے، انہوں نے اس افراتفری کے دور میں وہ کچھ دیکھا جو دوسرے نہ دیکھ سکے، نہ صرف دیکھا بلکہ ببانگ دہل اپنی قوم کو بتایا اور اسے تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔

ذرا آپ بھی سنئے فرماتے ہیں۔

دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے۔

اوّل : اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم : یہ نہ ہو تو اس کی جلا وطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم : یہ بھی نہ ہو سکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف (ہندو) نے یہ تینوں درجے ان پر سطے کرا دیے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اوّلاً : جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ مسلمانوں کا فنا ہونا تھا۔

ثانیاً :۔ جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرّا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائیدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں۔ بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں۔

ثالثاً :۔ جب یہ بھی نہ بنی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کو نسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مالگزاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے۔ اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ و ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ [۲۲]

پاکستان اور ہندوستان میں گائے کی قربانی شعائر اسلام میں سے ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اس کو شعائر اسلام میں شمار کیا ہے [۲۳] ۔ اسلامی سلطنت میں ہندوؤں کے دخیل کار ہونے کی وجہ سے اکبر بادشاہ نے گائے کی قربانی پر پابندی لگا دی تھی [۲۴] ۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کی کوشش و جدوجہد سے جہانگیر بادشاہ کے زمانے میں یہ پابندی اٹھا دی گئی اور قلعہ کانگڑہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی موجودگی میں خود جہانگیر نے گائے ذبح کرا کے اس پابندی کو عملاً ختم کیا۔ [۲۵]

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پھر ہندوؤں نے کوشش کی کہ گائے کی قربانی پر پابندی لگادی جائے۔ یہ وہ وقت تھا کہ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام بھی عمل میں نہ آیا تھا۔ ہندوؤں نے گائے کی قربانی سے متعلق علمائے ہند سے فتوے لیے مگر مسلمانوں کے پردے میں ۔ چنانچہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۰ء کو مراد آباد سے مولانا بریلوی کے پاس ایک استفتاء آیا جس میں گائے کی قربانی سے متعلق متعدد سوالات تھے، مولانا بریلوی نے اس استفتاء کا مفصل و محقق جواب دیا اور لکھا:

"ہنود کی بے جا ہٹ بجا رکھنے کے لیے یک قلم اس رسم کو اٹھا دینا ہرگز جائز نہیں" [۲۶]

مولانا بریلوی کے جواب پر علمائے رام پور نے اپنی تصدیقات ثبت کیں ۔ مولانا شبلی نعمانی کے استاد مولانا ارشاد حسین رام پوری (م ۱۸۹۳ء/۱۳۱۱ھ) نے اپنے توثیقی دستخط ثبت کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

الناقد بصیر (پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے۔)

یعنی مفتی نے مستقبل پر نظر رکھتے ہوئے مستفتی کی اصل منشاء و مدعا کو سامنے رکھ کر فیصلہ صادر کیا ہے ۔ اس سوال کا ایک جواب ہندوستان کے مشہور فقیہہ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) نے بھی دیا۔ (جو ۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء) ان کے مجموعہ فتاویٰ میں شائع ہوا) انہوں نے سوال کے ظاہری پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سیدھا سادا جواب دیا اور تحریر فرمایا:

"گاؤ کشی واجب نہیں، تارک گنہگار نہ ہوگا۔" [۲۷]

مگر جب اصل حقیقت کا پتا چلا اور یہ معلوم ہوا کہ اس سوال کا منشاء خالص سیاسی ہے، تو انہوں نے مولانا بریلوی کے جواب کی طرف رجوع کرتے ہوئے دوسرے فتوے کا یہ جواب دیا۔

"گاؤ کشی کہ اسلام کا طریقۂ قدیمہ ہے، ترک نہ کریں" [۲۸]

مولانا بریلوی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا۔

"مولوی صاحب ہنود کے دھوکہ میں آگئے، مسلمانوں کے خلاف فتویٰ لکھ دیا، تنبیہ پر متنبہ ہوئے، یہی سوال میرے پاس بھی آیا تھا بفضلہ تعالیٰ یہ نگاہِ

اوّلین مکر مکاّران پہچان لیا اور "گربہ کشتن روزِ اوّل باید" پر عمل کیا وللہ الحمد [۲۹]

مولانا بریلوی نے جس زمانے میں گاؤکشی کی حمایت میں فتویٰ دیا۔ اس وقت ان کی عمر بمشکل ۲۳ سال ہوگی، اس جواں عمری میں یہ سیاسی بصیرت قابلِ توجہ ہے، بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ مولانا بریلوی نے مستقبل میں اٹھنے والے جس طوفان کا اندازہ لگایا تھا وہ صحیح نکلا۔ اسی طرح ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں ایک دفعہ پھر سوال کیا گیا، اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں۔

"فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے، جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب، کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے۔ [۳۰]

تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)

۱۳۔ قبولیت عامہ

اللہ تعالےٰ نے امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ اور نگارشات کو غیر معمولی قبولیت عامہ عطا فرمائی تھی ـــــ

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء کو اسلامیہ ہائی اسکول، لائل پور (فیصل آباد) کے ہیڈ ماسٹر چودھری عزیز الرحمٰن نے ایک استفتاء پیش کیا، اس میں وہ لکھتے ہیں۔

"خاکسار آنحضور کو جیسا کہ لاکھوں کروڑوں پنجاب و ہندوستان کے سنت و جماعت مجدّدِ وقت مانتے ہیں اس زمانے کا مجدد مانتا ہے اور جب سے ہوش سنبھالا ہے اسی عقیدے پر بفضل خدا رہا ہے جس پر آپ اور دیگر بزرگانِ قوم و علمائے کرام ہیں یا ہوتے آئے ہیں۔" [۳۱]

اور صرف متحدہ پاک و ہند کے چپے چپے ہی سے نہیں بلکہ دوسرے ممالک سے بھی استفتاء آپ کی خدمت میں پیش ہوتے تھے۔

ڈاکٹر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں۔

امام احمد رضا کے دار الافتاء میں براعظم ایشیا، براعظم یورپ، براعظم امریکہ

برّاعظم افریقہ سے استفتاء آتے تھے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ۳۲

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے فتاویٰ کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ گزشتہ صفحات میں مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے فتووں نے ہندو مسلم اتحاد کا طلسم پاش پاش کیا اور دو قومی نظریہ کی صداقت کا بھرپور پرچار کیا، جسے بعد میں دوسرے قومی قائدین نے اپنایا اور پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

جناب کوثر نیازی لکھتے ہیں۔

"امام احمد رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے، انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اُٹھائی جب اقبال اور قائد اعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔

دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام رضا مقتدا ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔ ۳۳

۲۔ ہندوستان میں آج بھی ہندوؤں کے تمام تر تشدد اور خونریزی کے باوجود مسلمان گائے کی قربانی دے رہے ہیں، اس سلسلے میں سب سے زیادہ اثر امام احمد رضا بریلوی کے فتوؤں کا ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ مبارکہ۔

انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)

۳۔ قاری عبدالرحمن پانی پتی نے فتویٰ دیا کہ نماز تراویح میں سورۂ برأت کے علاوہ ہر سورہ کی ابتدا میں بسم اللہ شریف کا بلند آواز سے پڑھنا لازم ہے، ورنہ جن قرّاء کے نزدیک بسم اللہ شریف ہر سورۃ کی جز ہے ان کے مذہب پر لازم آئے گا کہ ہم ۱۱

آیتیں کم ہو جائیں اور ختمِ قرآن مکمل نہ ہو، مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی اس فتوے کی تصدیق کردی۔

امام احمد رضا بریلوی کے سامنے یہ فتوے پیش ہوئے تو انہوں نے ان پر معقول اور مدلل تنقید کی اور چودہ افادات کے بعد مسئلے کو اس قدر نکھار کر پیش کیا کہ آج مخالفین بھی ان کے فتوے پر عمل کر رہے ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے رسالہ مبارکہ وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح (۱۳۱۲ھ)

امام احمد رضا بریلوی ابتداء جواب میں فرماتے ہیں۔

"بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر، مذہب حنفی میں لازم و واجب ہونا محض بے اصل و باطلِ صریح اور حنفیہ کرام پر افتراء قبیح ہے تحصیلِ سنتِ ختم فی التراویح کے لیے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے، زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر اور غیر صحیح ہے"۔ [۳۴]

۱۴۔ مرجع العلماء

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں استفتاء پیش کرنے والوں میں بڑی تعداد اصحاب علم و فضل کی تھی، ان میں مفتی بھی تھے اور مصنف بھی، جج بھی تھے اور وکیل بھی، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے فاضل اور اس وقت مدرس مولانا خادم حسین نے فتاویٰ کی نو جلدوں کے مطالعہ کے بعد ایک مقالہ لکھا ہے۔

امام احمد رضا ــــــــــ بحیثیت مرجع العلماء

ان کے اعداد و شمار کے مطابق استفتاء کرنے والوں میں ایک چوتھائی حصہ علماء اور دانشوروں کا ہے، یہ مقالہ فتاویٰ رضویہ جلد اوّل مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور کی ابتداء میں شامل کر دیا گیا ہے۔

اعتراف

فتاویٰ رضویہ کی یہ چند خصوصیات بعجلت تمام تحریر کی گئی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ فتاویٰ کے تعارف کا حق ادا نہیں ہو سکا، یہ کسی محقق ہی کا کام ہے کہ فتاویٰ رضویہ کا بالاستیعاب، گہری نظر سے مطالعہ کر کے تفصیلی تعارف کرائے اور خصوصیات پر جامع مقالہ تیار کرے۔

مآخذ و مراجع

۱۔ مولانا محمد صابر نسیم بستوی، "اعلیحضرت بریلوی" ص ۳-۲۲، مکتبہ نبویہ لاہور۔

۲۔ محمد مقبول احمد قادری، "پیغامات یوم رضا" ص مجلس رضا لاہور ۱۳۹۲ھ

۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، "فتاویٰ رضویہ" جلد اوّل ص ۱۰۷، رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا۔

۴۔ مولانا عبدالحئی لکھنوی، "نزہۃ الخواطر" جلد ہشتم ص ۴۱، اصح المطابع کراچی۔

۵۔ مولانا عبدالنبی کوکب "مقالات یوم رضا" جلد ۲ ص ۲۷، دائرۃ المصنفین لاہور۔

۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی. فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص ۵-۴۴-۱۰، رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا۔

۷۔ ـــــــ جلد ۴، ص ۴۱۳، المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا۔

۸۔ ـــــــ جلد اوّل ص ۱۵۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور ۱۹۹۱ء

۹۔ ـــــــ جلد ۴، ص ۴۸، المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا۔

۱۰۔ ـــــــ "جدّ الممتار علی ردّ المحتار" جلد اوّل ص ۱۱۹، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۱۱۔ مولانا افتخار احمد قادری "حیاۃ الامام احمد رضا القادری البریلوی" (جد الممتار) المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا۔

۱۲۔ امام احمد رضا خان قادری "مجموعہ رسائل" (مرتبہ مفتی سید ڈاکٹر شجاعت علی قادری) حصہ ۲، ص ۹-۸-۳۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۱۳۔ ایضاً ـــــــ

۱۴۔ امام احمد رضا خان قادری، "فتاویٰ رضویہ" ج ۲، ص ۱۱۵۔

۱۵۔ ـــــــ ج اوّل ص ۳۲۲ رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا۔

۱۶۔ حکیم محمد سعید دہلوی "فاضل بریلوی کی طبّی بصیرت" معارف رضا شمارہ نہم ص ۱۰۰، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۱۷۔ مولانا عبدالنبی کوکب "مقالات یوم رضا" حصہ سوم، ص ۸، دائرۃ المصنفین لاہور۔

۱۸۔ . . . . حصہ دوم ص ۶۰

۱۹۔ امام احمد رضا خان قادری "فتاویٰ رضویہ"، جلد ۲، ص ۲۴۸۔

۲۰۔ مولانا محمد عبدالحکیم شرف "امام احمد رضا اور سراج الفقہا" انوار رضا ص ۱۹۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۶ء

۲۱۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ" ص ۱۳-۱۴ حسنی پریس بریلی انڈیا۔

۲۲۔ ایضاً . . . . ص ۹۲۔

۲۳۔ حضرت مجدد الف ثانی "مکتوبات امام ربانی" دفتر اول حصہ دوم مکتوب ۶۵۰ مطبوعہ انڈیا امرتسر ۱۳۲۳ھ

۲۴۔ علامہ مفتی عبدالقادر بدایونی "منتخب التواریخ" جلد دوم ص ۴۹۸ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء

۲۵۔ بدرالدین سرہندی مجمع الاولیاء مخطوطہ نمبر ۶۴۵، انڈیا آفس لائبریری لندن۔

۲۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی "النفس الفکر فی قربان البقر" (۱۲۹۸ھ) ص ۹ مطبوعہ بریلی انڈیا۔

۲۷۔ ایضاً . . . . ص ۱۰

۲۸۔ ایضاً . . . . ص ۱۴۸

۲۹۔ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خان قادری بریلوی "الملفوظ" حصہ اول ص ۱۶، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۳۰۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی "رسائل رضویہ" مرتبہ حافظ محمد احسان الحق جلد ۲ ص ۲۳۵ مکتبہ حامدیہ لاہور

۳۱۔ . . . . المحجۃ المؤتمنہ فی آیۃ الممتحنہ" ص ۷، حسنی پریس بریلی انڈیا۔

۳۲۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "رہبر و رہنما" ص ۳، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۶ء

۳۳۔ مولانا کوثر نیازی "امام احمد رضا ایک ہمہ جہت شخصیت" ص ۲۶-۲۵، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۱ء

۳۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی "فتاویٰ رضویہ" ج ۲، ص ۵۵۶، المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا۔

فتاویٰ رضویہ کا علمی جائزہ

از: صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر الازہری (حیدر آباد سندھ)

صحرائے زیست میں بدعقیدگی گستاخیٔ رسول اور توہین انبیاء و اولیاء کی تمازت اور تپش اپنے عروج پر تھی کہ اتنے میں بادِ بہاری کا خنک جھونکا، ابرِ رحمت کا خوشگوار سایہ اور بارانِ سبزہ خیز کا پہلا قطرہ "امام احمد رضا" کے روپ میں ہویدا ہوگیا جس نے دلوں کو عشقِ مصطفےٰ سے منور کر دیا اور غلاموں کو آدابِ مصطفےٰ کا قرینہ سکھا دیا —— آسمانِ علم و حکمت کا وہ بلند اور درخشندہ ستارہ جس نے معاشی، معاشرتی، سماجی، علمی اور سیاسی ہر میدان میں امت مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی عظیم رہنمائی کی اور اپنے قلم کی نوک سے وہ عظیم علمی اور فکری انقلاب برپا کیا جو برصغیر کی تاریخ میں بڑے بڑے فرمانروا بزورِ شمشیر بھی نہ کر سکے تھے۔ —— اسلام کا وہ بطلِ جلیل جس سے خدا کو "احیائے امتِ مسلمہ" کا عظیم کام لینا مقصود تھا۔ اس لیے اس کو ان ملکوتی طاقتوں اور صلاحیتوں سے نوازا گیا جن کا تصور بھی کسی عام آدمی کے لیے نہیں کیا جا سکتا اور اس کا منہ بولتا ثبوت ستر (۷۰) علوم پر ایک ہزار سے زائد لکھی جانے والی آپ کی تصنیفات ہیں۔[۱] —— بالخصوص ضخیم ترین بارہ مجلدات پر مشتمل "فتاویٰ رضویہ" امام احمد رضا کا وہ عظیم علمی شاہکار ہے جو آج بھی علمی اور تحقیقی دنیا میں ہلچل مچائے ہوئے ہے، جس کو دیکھ کر مصورِ پاکستان علامہ اقبال بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ

"ہندوستان کے دَورِ آخیر میں ان جیسا طباع اور ذہین پیدا نہیں ہوا"۔ [۲]

مشہور و معروف قانون دان اور جج پروفیسر ڈی ایف مُلّا بھی یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ

"ہندوستان کا بھی بڑا کارنامہ ہے، فقہ حنفیہ پر بہت کچھ لکھا گیا بالخصوص دو کتابیں تو بہت بڑی لکھی گئیں ایک فتاویٰ عالمگیریہ اور دوسری فتاویٰ رضویہ"۔ [۳]

حتیٰ کہ آپ کا یہ علمی کارنامہ دیکھ کر مخالفین کو بھی آپ کے تبحر علمی اور عظمت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہا، اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ناظم حکیم عبدالحئی لکھنوی کو برملا یہ اعتراف کرنا پڑا کہ

"فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر ان کو جو عبور حاصل ہے اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اس دعوے پر ان کا فتویٰ شاھد ہے"۔ [۴]

بہرحال دنیا کے عظیم مفکروں، اسکالروں اور محققوں سے خراج تحسین وصول کرنے والا امام احمد رضا کا یہ عظیم علمی شاہکار "فتاویٰ رضویہ" بے شمار صوری اور معنوی محاسن اور کمالات کی جلوہ گاہ ہے ——— یوں تو اس کی بے شمار خوبیاں اور خصوصیات ہیں لیکن بعض ایسی امتیازی خصوصیات بھی ہیں جو فقیر کی ناقص عقل کے مطابق اس کو دیگر کتبِ فتاویٰ سے ممتاز کر رہی ہیں۔ یہ فقیر یہاں انہی کا اجمالاً تذکرہ آپکی خدمت میں پیش کرتا ہے۔

جامعیت فتاویٰ رضویہ کی سب سے پہلی خصوصیت تو یہ ہے کہ اس میں جن موضوعات اور مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے اور جو استفسارات کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ جوابات اس قدر جامع ہیں کہ اس میں کسی بھی جانب اور کسی بھی پہلو سے کوئی ابہام یا کمزوری باقی نہیں ہے، کسی بھی منصف مزاج مخالف کو اس جواب پر کسی بھی جہت سے علمی اور وزنی اعتراض کا موقعہ ہاتھ نہیں آتا ——— اور اس کی صرف وجہ یہ ہے کہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کو تقریباً ستّر (۷۰) علوم پر مہارت تامہ حاصل تھی لہٰذا جب بھی کسی مسئلہ کا جواب انکی قلم سے نکلتا تھا تو وہ ستّر علوم کی چھلنی میں چھن کر نکلتا تھا، اس میں کسی جہت اور کسی طرف سے کوئی جھول نہیں ہوتا تھا، کسی بھی علم کا ماہر جب اس جواب کو اپنے علم کی روشنی میں دیکھتا تھا تو اس جواب کو اس علم کے اصولوں کے مطابق پاکر خاموش ہوجاتا تھا۔

الغرض امام احمد رضا کی جامعیت کے باعث آپکے فتاویٰ بھی اسی جامعیت کے حامل ہیں کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

طرزِ استدلال

عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ اکثر مفتیانِ کرام سائل کے سوال کا جواب جواز یا عدم جواز کے دو لفظ لکھ کر دے دیتے ہیں لیکن اعلیٰحضرت عظیم البرکت کے اس شاہکار کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں صرف مسئلہ کی شرعی حیثیت بتانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ پہلے اس کے جواز عدم جواز کو بیان کیا جاتا ہے۔ پھر جواز یا عدم جواز کے جو مختلف مدارج اور مراتب ہیں مثلاً مباح، مستحب، نفل، سنّت غیر مؤکدہ، سنّت مؤکدہ، واجب، فرض یا مکروہ تنزیہی، مکروہ تحریمی، حرام وغیرہ کی وضاحت بھی کی جاتی ہے۔ پھر اس جواب پر قرآن و حدیث اور اقوال فقہاء سے نقلی دلائل کے انبار لگا دیئے جاتے ہیں۔ اور اگر اس کے بعد ضرورت پڑے تو پھر اس کے عقلی دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پھر اس جواب کے خلاف مستفتی نے کوئی دلیل نقل کی ہے یا اس پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہو تو اس کے جواب اور رد کی طرف توجہ دی جاتی ہے اور ان اعتراضات اور توہمات کو ہباءً منثوراً کر دیا جاتا ہے۔ الغرض جب ان مراحل سے گزر کر جواب سامنے آتا ہے تو وہ گویا "بنیان مرصوص" ہوتا ہے، جس میں کسی ریب و شک کے گزر کا بھی احتمال باقی نہیں رہتا۔

مثلاً داڑھی منڈوانے کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں آپ نے جو مفصل جواب تحریر فرمایا اس میں پہلے داڑھی بڑھانے کے شرعی حکم کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ پھر اس کے ثبوت میں قرآنِ پاک سے اٹھارہ آیات پیش کیں، پھر پینسٹھ (۶۵) احادیث تحریر فرمائیں اس کے بعد حدیث فقہ کی معتبر کتابوں سے ساٹھ (۶۰) نصوص نقل فرمائے مسئلہ کو خوب اچھی طرح مبرہن اور مضبوط فرما دیا ——— ادھر مستفتی کی طرف سے داڑھی منڈوانے کے جواز پر جو دلائل دیئے گئے تھے ان کی طرف متوجہ ہوئے تو عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگا کر اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ پھر جو شخص اپنی جھوٹی علمیت دکھا کر داڑھی منڈوانے کے جواز کو ثابت کر رہا تھا۔ اس کی عبارات میں بہت سے اغلاط کی نشاندھی فرما کر اس کے علمی مقام کا بھی تعین فرما دیا تاکہ ایک عام ناظر اس کی قابلیت سے متاثر ہو کر اس کے دام تزویر میں نہ پھنس جائے اور اس طرح کہیں وہ غیر شرعی امور کے ارتکاب میں گرفتار نہ ہو جائے آخیر میں ایک چارٹ تحریر فرمایا جس میں آیات و احادیث اور نصوص کی روشنی میں داڑھی منڈوانے والے کے متعلق مختلف وعیدوں، مذمتوں، دینی دنیوی خرابیوں اور بربادیوں کا ذکر فرمایا ——— الغرض اپنے اس اسلوب تحریر اور طرز استدلال کے باعث

فتاویٰ رضویہ اپنی ایک علیحدہ شان رکھتا ہے۔

ہمہ گیریت اس کی ایک یہ بھی امتیازی خصوصیت ہے کہ یہاں کسی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے ضمن میں ہمیں دیگر بہت سے علوم کے ادق مسائل پر قیمتی تحقیقی ابحاث میسر آجاتی ہیں گویا یوں کہیئے کہ یہ فتاویٰ رضویہ صرف فقہی احکامات کا مجموعہ نہیں بلکہ بہت سے دیگر علوم کی نفیس تحقیقات عمدہ اور نادر معلومات پر مشتمل ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے ــــــ مثلاً نوٹ کی بیع کے متعلق دریافت کیے گئے سوال کے جواب میں آپ نے "مرابحہ" کی تعریف پر جو بحث فرمائی ہے وہ تمام منطقی اصطلاحات اور ابحاث پر مشتمل ہے اسی طرح بیع و شراء سے متعلق ایک جواب کے ضمن میں ہمیں اصولِ فقہ کی اصطلاحات عام و خاص کی بحث ملتی ہے ــــــ کفل الفقیہ الفاہم میں حدیث مرسل کی جو نفیس تحقیق فرمائی ہے اس میں علم اصول فقہ اور علم اصول حدیث کے موتی بکھرے ہوئے ہیں ــــــ اسی بحث کے دوران شیخ عبدالحلیم کے حوالہ سے دولت عثمانیہ کا جو واقعہ آپ نے نقل فرمایا ہے وہ علم تاریخ میں ہمارے لیے اضافۂ علم کا باعث ہے ــــــ اسی موضوع کے تحت آگے چل کر مولوی عبدالحیٔ لکھنوی کے جو پندرہ رد فرمائے ہیں اور اپنے ایک دوسرے فتوے "کاسر السفیہ الواھم" میں انہی مفتی لکھنوی صاحب کے جو ایک سو بیس رد فرماتے ہیں۔ اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے اٹھارہ رد فرمائے ہیں وہ "علم مناظرہ" کا ایک حسین شاہکار ہیں ــــــ علامہ بحر کی مرابحہ کی تعریف میں "بما بتبعین" کے متعلق جو بحث فرمائی ہے وہ "علم نحو" کی مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

ــــــ ولایت خاصہ ولایت عامہ کے درمیان فرق پھر ولایت عرفیہ اور ولایت شرعیہ کے درمیان نسبتوں کو بیان کر کے ان کے مابین گیارہ فرق بیان فرمائے۔ پھر اس کی تائید میں آیات اور ان کی تشریح پیش کیں، الغرض یہ مکمل جواب علم عقائد، علم منطق، علم اصول فقہ اور علم تفسیر کی بہترین ابحاث پر مشتمل ہے ــــــ ایک مقام پر در مختار کی عبارت "بطل حط الکل" کی علامہ شامی کی تشریح نقل کرتے ہوئے فقہ کی کتابوں اور ان کے مصنفین کے مقام اور مراتب کے متعلق جو تحقیق فرمائی ہے وہ علم "اسماء الرجال" اور "علم رسم المفتی" کی نادر معلومات اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ ــــــ

الغرض اس جیسے ہزارہا مقامات پر بیسوں علوم کی اہم ابحاث حتیٰ کہ جدید علوم مثلاً ریاضیات

علم طبیعیات، علم فلکیات وغیرہ کی بھی نفیس تحقیقات جا بجا نظر آتی ہیں ———
علم ریاضیات اور علم طبیعیات سے متعلق مفید اور نادر معلومات اور تحقیقات سے لبریز
آپ کا فتویٰ " الصمی النمیر فی الماء المستدیر " ۱۲
اور " رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجہا وجوفہا فی المساحۃ " ۱۲
اور " الدقۃ والتبیان لعلم الرقعۃ الیلان " ۱۴ خاص طور پر قابل دید ہے۔

جزئیات

فقہی جزئیات پر آپ کو کامل عبور حاصل تھا۔ چنانچہ کسی بھی زیر بحث مسئلہ کی مناسبت سے حدیث و فقہ کی کتب متداولہ میں جہاں جہاں جزئیات پائی جاتی ہیں وہ سب آپ کو مستحضر رہتی تھیں اور جواب کے وقت آپ ان تمام جزئیات کو یکجا فرما دیا کرتے تھے ——— آپ کے اس کمالِ علمی کا اعتراف حکیم عبدالحئی لکھنوی صاحب نزہتہ الخواطر کی زبانی سنیئے وہ فرماتے ہیں۔

• نظیرہٗ فی الاطلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہٖ "

یعنی فقہ حنفی اور اس کے جزئیات پر آپ کو جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے۔

ان جزئیات کو نقل کرنے میں دوسرا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ بعض دفعہ بڑی بڑی کتابوں کی بیسیوں طویل عبارتیں اوران کے صفحہ نمبر تک بغیر اس کتاب کو دیکھے محض اپنی یادداشت پر نقل فرما دیا کرتے تھے اور جب بعد میں ان عبارات کو اصل کتاب سے ملایا جاتا تھا تو وہ حوالہ جات اور عبارات حرف بحرف درست نکلتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ علالت کے باعث جب آپ بریلی سے بھوالی تشریف لے گئے تو وہاں آپ کے پاس کتابیں موجود نہیں تھیں لیکن اس کے باوجود جب وہاں آپ نے ایک فتوے کا جواب اپنی عادت شریفہ کے مطابق قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہاء سے مزین کرکے تحریر فرمایا تو لوگ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں بڑی بڑی کتابوں کے ۳۱ حوالے موجود تھے جو سب کے سب بغیر دیکھے صرف اپنی یادداشت پر آپ نے تحریر فرمائے تھے۔

ادبیت

اس فتاوے کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں ہمیں دنیا کی چار مشہور زبانوں کے اندر فتوؤں کے جواب ملتے ہیں یعنی عربی، فارسی اُردو اور انگریزی، اوّل الذکر تین زبانوں کے بارے میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ خود امام احمد رضا خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے اپنے الفاظ میں تحریر کردہ ہیں البتہ

انگریزی زبان میں لکھے ہوئے بعض فتوؤں کے جواب کے متعلق آپ کے بعض تذکرہ نگاروں کی رائے ہے کہ چونکہ خود آپ کی تصانیف اور آپ کے متعلق لکھی گئی تصانیف میں آپکی انگریزی زبان سے واقفیت کے متعلق کچھ ذکر نہیں اس لیے یہ شاید کسی سے ترجمہ کروائے گئے ہوں گے ـــــــــ لیکن فقیر عرض کرتا ہے کہ جس ذات کی ذہنی بالیدگی اور قوۃ حافظہ اس مقام پر پہنچی ہوئی ہو کہ ایک روز ایک پارۂ قرآن حفظ ہوجاتا ہو ـــــــــ صرف ایک بار ایک سرسری سی نظرڈالنے سے پوری ضخیم کتاب لوح ذہن پر نقش کالحجر کی طرح ثبت ہوجاتی ہو ـــــــــ جس کی محیر العقول فطری ذکاوت کا یہ عالم ہو کہ وہ ستر (۷۰) علوم میں مہارت تامہ رکھتا ہو، جس میں سے ۲۸ علوم وفنون وہ ہیں کہ بغیر کسی استاذ کے وہبی طور پر اللہ تعالےٰ نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ ایسی خداداد صلاحیت اور علم لدنی رکھنے والی شخصیت سے کوئی بعید نہیں کہ ایک ہی نظر میں وہبی طور پر انگریزی زبان کی معرفت بھی انہوں نے حاصل کر لی ہو اور خود اس زبان میں فتویٰ تحریر فرمایا ہو ـــــــــ اور از راہ تواضع اپنی اس کرامت کے اظہار کو معیوب جان کر اس کا تذکرہ ترک فرمادیا ہو۔

عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں جو آپ نے فتاویٰ تحریر فرمائے ہیں وہ اس قدر فصیح و بلیغ ہیں اور بعض بعض مقامات پر عبارات اس قدر مُسجّع اور مقفیٰ ہیں کہ ہر زبان پر آپکی مادری زبان ہونے کا گمان ہوتا ہے۔ جس زبان میں آپ نے قلم اٹھایا برداشتہ قلم لکھتے چلے گئے ـــــــــ آپ کی عربی عبارات کی فصاحت و بلاغت کو جب شیخ احمد ابوالخیر میرداد مکی جیسے اہلِ عرب دیکھتے ہیں تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں کہ

"الحمد للہ علیٰ وجود مثل ھٰذا الشیخ فانی لم ارَ مثلہٗ فی العلم والفصاحۃ" [۱۵]

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ امام احمد رضا جیسے شیخ کے وجود پر میں اللہ تعالےٰ کی حمد بجالاتا ہوں، بیشک میں نے علم اور فصاحت میں آپ جیسا نہیں دیکھا۔

مسجد حرام کے مدرس شیخ سعید بن محمد آپکی فصاحت کے لیے یوں مدح سرا ہیں۔

"صاحب القلم الاسحار والکلم الفائق لطفھا نسیم الاسحار"۔ [۱۶]

کہ ان کا قلم جادو کی طرح فریفتہ کرتا ہے اور ان کی باتوں کا لطف نسیمِ سحر کو بھی مات کرتا ہے اور عبدالرزاق بن عبدالصمد جیسا اہل زبان اسکالر آپ کو اپنے الفاظ میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کرتا ہے۔

" یُدعن بفصاحتہا کل ناظم و ناشر " ۱۷

یعنی سب نظم و نثر لکھنے والوں کی گردنیں آپ کی فصاحت و بلاغت کے آگے خم ہیں۔

منظوم فتویٰ

نظم کی زبان میں استفتاء آنے پر منظوم جواب عنایت فرماکر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ کی دنیا میں ایک نرالی مثال قائم فرمائی۔ چنانچہ نواب سلطان احمد خان نے جب اشعار کی زبان میں آپ سے یوں استفسار کیا۔

عالمانِ شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال

گر کسی نے ترجمہ سجدہ کی آیت کا پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پر واجب ہوا

اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے

بس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب
چاہیئے ہے آپ کو دینا جواب با صواب

میدانِ عروض و قافیہ کے شہسوار امام احمد رضا اسی اشعار کی زبان میں اس کا یوں جواب عطا فرماتے ہیں۔

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہِ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہمِ معنی شرط اس میں نہیں

آیتِ سجدہ سُنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہو گیا

مسئلہ بیان فرمانے کے بعد اپنی عادت شریفہ پر بدستور عمل جاری رکھتے ہوئے اس دعوے پر دلیل بیان فرماتے ہیں اور وہ بھی اسی شعری زبان میں۔

ترجمہ اس زبان کا جاننا بھی چاہیئے
نظم و معنیٰ دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ ایک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو

پھر اسی زبان میں اس مسئلہ پر کتبِ فقہ کے حوالے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہے یہی مذہب بہ یُفتیٰ علیہ الاعتماد
شامی زفیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد

اس کے بعد استفتاء میں دریافت کیے گئے دوسرے سوال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کا جواب مع حوالہ جات عطاء کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح ہے۔
ضمیر فیہ اسی انکار کی تصحیح کی۔

اس جواب کو بھی "مبرھن" کہتے ہوئے آگے فرماتے ہیں۔

کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقتِ موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبرِ فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز اداء یا تو بہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں

اس جواب پر ایک اعتراض اور سوال پیدا ہو سکتا تھا لہٰذا اس "دفع دخل مقدر" کے لئے اگلا شعر تحریر فرمایا —————— "سوالِ مقدر" یہ تھا کہ کیا پھر اس کے بدلہ میں فدیہ دینا بیکار عمل ہے۔ تو اس کے جواب میں فرمایا۔

یہ نہیں معنیٰ کہ ناجائز ہے یا بیکار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحیٔ اوزار ہے۔

آخیر میں اس مسئلہ کے دیگر جزئیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے عربی شعر پر اس جواب کو یوں اختتام پذیر فرماتے ہیں۔

تَمْلَتُہٗ اَخْذًا مِنَ التَّعْلِیْلِ فِیْ اَمْرِ الصَّلٰوۃِ
وَھُوَ بَحْثٌ ظَاھِرٌ، وَالْعِلْمُ لِلْاِلٰہِ ۔ ۱۸

مسائل جدیدہ متنوعہ

اُردو زبان کے اندر یہ وہ واحد فتاویٰ کا مجموعہ ہے جس میں دنیا کے مختلف علاقوں اور ملکوں سے آئے ہوئے ہزاروں سوالات کے جوابات موجود ہیں۔ تو گویا اس طرح دنیا کے مختلف ممالک کے مخصوص حالات واقعات، وہاں کی مخصوص رسومات اور وہاں کے جدید و قدیم مسائل کے متعلق شرعی حوالے سے یہی کتاب ہماری بہترین رہنمائی فراہم کرسکتی ہے ——— چنانچہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر خود تحریر فرماتے ہیں۔

فقیر کے یہاں علاوہ ——— دیگر مشاغل کثیرہ کے کار فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زیادہ ہے شہر و دیگر بلاد و امصار جملہ اقطار ہندوستان و بنگال، پنجاب ملیبار و برہمی و ارکان و چین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتاء آتے ہیں ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔" ۱۹

سُرعت

فتاویٰ رضویہ کے اکثر فتاوے ایسے ہیں جن کو اپنی جامعیت اور تفصیل و تحقیق کی بناء پر ایک مبسوط مقالہ کا نام دیا جاسکتا ہے حتیٰ کہ بعض جوابات تو ایسے ہیں کہ جن کو اگر جدید تحقیقی انداز کے مطابق شائع کیا جائے تو وہ ایک کتاب کی صورت اختیار کرسکتے ہیں۔ ان کے علاوہ چھوٹے چھوٹے فتووں کا بھی یہی عالم ہے کہ کوئی فتویٰ دلائل و براہین اور مختلف قرآنی آیات یا احادیث یا اقوالِ فقہاء اور عباراتِ کتبِ فقہ اور حوالہ جات سے خالی نہیں ہے، ایسے انداز سے ایک فتویٰ بھی اگر کوئی دوسرا مفتی لکھنے بیٹھتا تو شاید وہ کئی ہفتوں کی محنتِ شاقہ کے بعد اس ایک فتوے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کامیاب ہوتا لیکن یہ امام اہل سنّت کی علمی اور روحانی طاقتوں کی جلوہ طرازیاں ہیں کہ آپ کے پاس دنیا بھر سے آئے ہوئے اگر پانچ پانچ سو فتوے بھی جمع ہو جاتے ہیں تو آپ اسی محققانہ انداز کے ساتھ ان سب کے جوابات ایک دو روز میں لکھوا کر ارسال فرما دیتے تھے۔ تو یوں سمجھئے کہ "فتاویٰ رضویہ" کی صورت میں امام اہل سنت کے علمی کمالات کے ساتھ ساتھ آپکے روحانی کمالات کی بھی یہ زندہ مثال ہمارے سامنے آج بھی موجود ہے اور اعلیٰ حضرت کی یہ "زندہ کرامت" قیامت تک آنے والے بڑے بڑے عقلاء اور مفکروں کو حیرت زدہ کرتی رہے گی۔

لِلّٰہیت

ان فتووں کی یہ خصوصیت بھی اپنی مثال آپ ہے کہ ان فتووں بلکہ یوں کہیئے کہ ان تحقیقی مقالوں پر کبھی بھی آپ نے کسی سے ایک پائی کا

معاوضہ لینا بھی گوارا نہیں فرمایا۔ یہ اسی للّٰہیت کی تاثیر تھی کہ جس نے آپ کے فتووں کو بلادِ عرب و عجم اور مختلف اقطار و امصار میں مقبول و ممتاز بنا دیا۔ چنانچہ آپ ایک مقام پر مستفتی کی طرف سے فتویٰ نویسی کی فیس کے بارے میں دریافت کرنے پر تحریر فرماتے ہیں۔

یہاں بحمداللہ فتوے پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہٖ تعالیٰ ہندوستان و دیگر ممالک مثلاً چین افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتاء آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں۔ بحمداللہ تعالیٰ حضرت جدامجد قدس سرہٗ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۸ء تک دروازے سے فتوے جاری ہوئے، اکانوے برس اور خود فقیر کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہٖ تعالیٰ اکاون برس ہونے کو آئے یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس برس چھ مہینہ گزرے، اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلدات تو صرف اس فقیر کے فتاوی کی ہیں بحمدہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہیں لیا گیا نہ لیا جائے گا۔ بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد، معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت دنی ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟

بھائیو! وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ ۲۰

تطبیق و ترجیح

بعض دفعہ ایک ہی مسئلہ پر مختلف احادیث اور مختلف اقوال فقہاء آجاتے ہیں، جو بظاہر آپس میں متعارض نظر آتے ہیں ایسے مواقع پر ایک عام آدمی کے لیے کسی ایک راہ کا تعین کر کے اس پر عمل کرنا اور کسی مفتی یا قاضی کے لیے کسی ایک جانب کو ترجیح دیکر اس کے مطابق فتویٰ یا فیصلہ دینا نہایت دشوار ہو جاتا ہے، ایسے مسائلِ مضطربہ کا بھی "فتاویٰ رضویہ" ہی بہترین حل ہے، جس میں اس قسم کے مسائل پر مختلف اور متعارض احادیث اور اقوالِ فقہاء کو نقل کر کے ان کی تنقیح کی جاتی ہے اس کے بعد ان کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی جاتی ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی ایک جانب

کو ترجیح دیکر تفصیل کے ساتھ اس کے وجوہِ ترجیح بیان کر دیئے جاتے ہیں، اس طرح وہ مسئلہ تعارض وتناقض کی گرد و غبار سے نکل کر خورشید ضیاء بار کی طرح چمکنے لگتا ہے۔

اس کی ایک خوبصورت مثال ہمیں "حج" کے بیان میں ملتی ہے جہاں یہ مسئلہ درپیش ہے کہ "حج" کے بعد حاجی کے تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں آیا حقوق العباد بھی معاف ہو جاتے ہیں یا نہیں ؟ اس میں بڑا اختلاف ہے اور اس سلسلہ میں احادیث اور اقوال فقہاء میں بظاہر بڑا تعارض نظر آتا ہے، لیکن اعلحضرت نے دونوں جانب کی احادیث اور اقوال فقہاء نقل فرمانے کے بعد ان کے درمیان بڑی پیاری تطبیق دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

"ہاں کریم و رحیم مالک و مولیٰ جل جلالہٗ وتبارک وتعالیٰ جس پر رحم فرمانا چاہے گا تو یوں کرے گا کہ حق والے کو بے بہا قصورِ جنت معاد منہ میں عطاء فرماکر عفوِ حق پر راضی کر دے گا۔ ایک کرشمۂ کرم میں دونوں کا بھلا ہو گا نہ اس کی حسنات اسے دی گئیں نہ اس کی سیئات اس کے سر رکھی گئیں نہ اس کا حق ضائع ہونے پایا بلکہ حق سے ہزاروں درجے بہتر افضل پایا۔

رحمت حق کی بندہ نوازی، ظالم ناجی، مظلوم راضی" الخ

مذکورہ بالا عبارت کے معنوی حسن وجمال کے ساتھ ساتھ اس کی ظاہری رعنائی اور خوبی بھی قابلِ دید ہے۔ اس کے بعد اس تطبیق کی تائید میں بیسیوں کتب سے احادیث نقل فرماتے ہیں اور آخیر میں اپنی اس تحقیق اور تطبیق میں انفرادیت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مسئلہ حج میں بحمد اللہ تعالیٰ یہ وہ قول فیصل ہے جسے فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے بعد تنقیح دلائل و مذاہب واحاطۂ اطراف وجوانب اختیار کیا جس سے اقوال ائمہ کرام میں توفیق اور دلائل حدیث وکلام میں تطبیق ہوتی ہے اس معرکۃ الآراء بحث کی نفیس تحقیق بعونہٖ تعالیٰ فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے بعد ورود اس سوال کے ایک تحریر جداگانہ میں لکھے" [۲۲]

ماخذ و مراجع

۱۔ مجید اللہ قادری، قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، ص ۱۴، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۰ء

۲۔ عبد النبی کوکب مقالات یوم رضا، ص ۱۰، دائرۃ المصنفین لاہور، ۱۹۶۸ء

۳۔ مکتوب علامہ نور احمد قادری، از سفارتخانہ انڈونیشیا اسلام آباد مورخہ ۷ جنوری ۱۹۸۱ء

۴۔ حکیم عبد الحی لکھنوی نزہۃ الخواطر جلد ہشتم ص ۳۹، نور محمد کتب خانہ کراچی۔

۵۔ امام احمد رضا خان قادری فتاوٰی رضویہ ج ۱۰، حصہ اول ص ۱۴۲ - ۱۶۴، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی

۶۔ ایضاً 〃 ص ۵۷، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۸۸ء

۷۔ 〃 ص ۱۲۶۔ 〃

۸۔ 〃 ص ۱۹۸۔ 〃

۹۔ ایضاً ج ۷ ص ۵۷

۱۰۔ 〃 ج ۷ ص ۲۹۴

۱۱۔ 〃 ج ۷ ص ۴۵۔

۱۲۔ 〃 ج ۱ ص ۳۲۱

۱۳۔ 〃 ج ۱ ص ۴۳۲

۱۴۔ ایضاً ج ۱ ص ۴۸۴

۱۵۔ حسام الحرمین علیٰ ص مطبوعہ لاہور۔

۱۶۔ ایضاً ص 〃

۱۷۔ 〃 ص 〃

۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری فتاوٰی رضویہ جلد سوم ص ۴۶۵، مطبوعہ انڈیا۔

۱۹۔ ایضاً جلد چہارم ص ۱۴۹، مطبوعہ مبارکپور انڈیا ۱۹۸۶ء

۲۰۔ 〃 جلد سوم ص ۲۳۰ مطبوعہ انڈیا

۲۱۔ 〃 ج ۱۰، ص ۹۴ 〃

۲۲۔ ایضاً ج ۱۰، ص ۵۰ 〃

جدّ الممتار علیٰ ردِّ المحتار

ایک علمی اور تحقیقی جائزہ

از:- علامہ محمد احمد مصباحی (جامعہ اشرفیہ انڈیا)

علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی علیہ الرحمہ (المتوفی ۹۳۹ھ) نے فقہ کی مشہور کتاب تنویر الابصار تحریر فرمائی جس پر سب سے پہلے علامہ علاؤ الدین علی بن محمد حصکفی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۲۵ھ) نے حاشیہ الدر المختار تحریر فرمایا جس نے بڑی شہرت ہی پائی لیکن اس میں جو مسائل حل طلب تھے ان پر علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین حسنی الشامی علیہ الرحمۃ (المتوفی ۱۱۹۸ھ) نے ۵ جلدوں پر مشتمل حاشیہ رد المحتار کے نام سے تحریر فرمایا، جو حاشیہ شامی کے نام سے بہت مشہور اور معروف ہے اور فقہ حنفی کی مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے — اعلیٰحضرت امام اہلسنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان قادری محدث بریلوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۳۴۰ھ) نے اس مشہور اور معروف حاشیہ شامی پر اپنی مجددانہ فکری نظر کے پیش نظر حاشیہ جد الممتار علی رد المحتار ۵ جلدوں میں تحریر فرمایا جس کو علماء عرب وعجم نے بہت سراہا، جد الممتار کی پہلی جلد انڈیا و پاکستان سے شائع ہو چکی ہے جبکہ اسکی بقیہ مجلدات پر مبارکپور میں تحقیقی کام ہو رہا ہے اور جلد ہی اسکی بقیہ مجلدات منظر عام پر آجائیں گی علامہ محمد احمد مصباحی نے اس حاشیہ کا علمی جائزہ تحریر فرمایا ہے جو ماہنامہ اشرفیہ میں ۳ اقساط میں چھپ چکا ہے ہم اسکی افادیت کے پیش نظر ماہنامہ اشرفیہ کے توسل سے اسکو معارف رضا کی طبعات میں شامل کر رہے ہیں اور ان کے مشکور ہیں جنہوں نے اسکی اجازت مرحمت فرمائی — (ادارہ)

تنویر الابصار کے مصنف عمدۃ المتاخرین شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ احمد خطیب ابن محمد خطیب ابن ابراہیم خطیب تُمرتاشی غزّی ہیں ـــــ علامہ محمد بن فضل اللہ محبّی نے اپنی تاریخ خلاصۃ الاثر فی اعیان القرن الحادی عشر" میں ان کی منقبت یوں لکھی ہے ـ کان اماماً کبیراً حسن السمت قوی الحافظۃ کثیر الاطلاع وبالجملۃ فلم یبق من یساویہ فی الرتبۃ [۱] ـــ امام کبیر، خوش وضع، قوی حافظہ، اور بسیار آگہی تھے۔ مختصر یہ کہ ان کا ہم رتبہ کوئی نہ رہا۔

ان کی بے شمار تصانیف بھی ہیں جن میں تنویر الابصار سب سے زیادہ مشہور ہے، اس کے علاوہ "معین المفتی" اور ایک فقہی منظوم رسالہ "تحفۃ الاقران" اس کی شرح "مواہب الرحمٰن" فتاویٰ غزّی" شرح زاد الفقیر لابن ہمام، شرح وقایہ، شرح وہبانیہ، شرح یقول العبد، شرح منار، شرح مختصر منار، شرح کنز، حاشیہ درر للاخسرو بھی لکھی ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے بہت سے رسالے بھی ہیں، عشرۂ مبشرہ، عصمتِ انبیاء، دخولِ حمام، حرمت قرأت خلف الامام وغیرہ مسائل پر انہوں نے رسالے لکھے ہیں۔ تصوّف میں بھی ایک رسالہ اور اس کی شرح ہے۔ اس فن میں ایک منظومہ بھی ہے۔ علمِ صرف میں بھی ایک رسالہ ہے۔ ماہ رجب ۱۰۰۴ھ میں ۶۵ برس کی عمر پاکر وصال فرمایا۔ [۲]

تنویر الابصار کے بارے میں علامہ حصکفی کے الفاظ یہ ہیں۔

الذی فاق کتب ھذا الفن فی الضبط والتصحیح والاختصار و

لعمری لقد اضحت روضۃ الازھار مسلسلۃ الانھار من عجائبہ

ثمرات التحقیق تختار ومن غرائب ذخائر تدقیق تحیر الافکار [۳]

" وہ کتاب جو ضبط و تصحیح اور اختصار میں اس فن کی تمام کتابوں پر فائق ہے اور میری زندگی کی قسم اس چمنستانِ علم کی کلیاں اسی سے کھلیں، نہریں اسی سے رواں ہوئیں۔ اسی کے عجائب سے تحقیق کے پھل چُنے جاتے ہیں اور اسی کے نوادر سے تدقیق کے ذخیرے افکار کو حیرت زدہ کر دیتے ہیں۔"

علامہ محبی (۱۰۶۱ھ/۱۶۵۱ء / ۱۱۱۱ھ/ ۱۶۹۹ء) فرماتے ہیں۔

وھو فی الفقہ جلیل المقدار، جم الفائدۃ دقق فی المسائل کل التدقیق ورزق فیہ السعد فاشتھر فی الافاق وھو من انفع کتبہ

وشرحہ ھو واعتنیٰ بشرحہ جماعۃ منھم العلامۃ
الحصکفی مفتی الشام والملا حسین ابن اسکندر الرومی نزیل
دمشق والشیخ عبد الرزاق مدرس ناصریہ ۔ ٤

" وہ فقہ میں جلیل القدر اور بہت ہی نفع بخش کتاب ہے، مسائل کی بھرپور تدقیق کی ہے اور اس میں بخت نے ان کی یا وری کی ہے جس کے نتیجہ میں کتاب آفاقِ عالم میں مشہور ہو گئی، یہ ان کی سب سے مفید کتاب ہے، خود انہوں نے اس کی شرح کی اور ایک جماعت علماء نے اس کی شرح سے اعتناء کیا جن میں مفتی شام علامہ حصکفی ملا حسین ابن اسکندر رومی نزیل دمشق اور شیخ عبد الرزاق مدرس ناصریہ بھی ہیں۔"

الدر المختار شرح تنویر الابصار

در مختار کے مصنف علامہ علاؤ الدین محمد ابن علی ابن محمد ابن علی ابن عبد الرحمٰن ابن محمد بن جمال الدین ابن حسن ابن زین العابدین حسنی ہیں حصکفی سے شہرت رکھتے ہیں، یہ دیار بکر میں واقع حصنِ کیفا کی طرف نسبت ہے۔

ان کے فضائل و کمالات کا اعتراف ان کے معاصرین اور مشائخ تک نے کیا ہے ان کے شیخ علامہ خیر الدین رملی اور علامہ محمد آفندی محاسنی نے ان کی جلالتِ قدر، وفورِ علم اور فقہی کمال کا خطبہ پڑھا ــــــــ ان کے تلمیذ رشید علامہ محبی نے تاریخ میں جن الفاظ سے انہیں یاد کیا ہے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ

" کان عالماً محدثاً، فقیھاً نحویاً کثیر الحفظ والمرویات طلق اللسان فصیح العبارۃ، جید التقریر والتحریر و توفی عاشر شوال سنۃ ۱۰۸۸ھ عن ثلاث وستین سنۃ ودفن بمقبرۃ باب الصغیر" ۵

ترجمہ :۔ عالم محدث، فقیہ اور نحوی تھے، ان کے محفوظات و مرویات بہت ہیں۔ زبان آور، فصیح الکلام بہترین مقرر اور عمدہ انشاء پرداز بھی تھے، ۱۰ شوال ۱۰۸۸ھ میں تریسٹھ برس کی عمر

پاک وصال فرمایا۔ اور باب الصغیر کے مقبرے میں دفن ہوئے۔"

ان کی تصنیفات میں در مختار کے علاوہ شرح ملتقی الابحر، شرح منار نحو میں شرح قطر۔ مختصر فتاویٰ صوفیہ، حاشیہ درر وغیرہ ہیں۔ انہوں نے تقریباً ۳۰ کراسہ میں صحیح بخاری شریف پر تعلیقات لکھی ہیں۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی پر "سورۂ بقرہ سے سورۂ اسراء" تک تعلیقات ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی رسائل و تحریرات ہیں۔ در مختار کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ "تنویر الابصار" کی شرح خزائن الاسرار، و بدائع الافکار لکھی تھی ۔۔ اندازہ تھا کہ دس ضخیم جلدوں میں یہ شرح تمام ہو گی۔ اس کا ایک جزو لکھا تھا پھر اسی کا اختصار کرتے ہوئے یہ مکمل "شرح در مختار" لکھی فرماتے ہیں۔

" فمن اتقن کتابی ھٰذا فھو الفقیہ الماھر ومن
ظفر بما فیہ فسیقول بملاء فیہ کم ترك الاول للاٰخر
ومن حصلہ فقد حصل لہ الحظ الوافر لانہ البحر لکن بلا
ساحل و ابل القطر غیر انہ متواصل بحسن عبارات و رمز
اشارات و تنقیح معانی و تحریر مبانی ولیس الخبر کالعیان و
ستقر بہ بعد التامل العینان" [۶]

ترجمہ :۔ "جس نے میری یہ کتاب پختگی سے یاد کر لی وہ ماہر فقیہ ہے اور جس نے اس کی خوبیاں پالیں بآواز بلند پکار اٹھے گا کم ترك الاول لِلاٰخر (اگلوں نے پچھلوں کے لیے کتنا چھوڑ رکھا) جو اسکی تفصیل سے سرفراز ہوا اسے حصۂ فراواں ملا، اس لیے کہ وہ ایک بحر بیکراں اور بارانِ پیہم و زور دار ہے، عبارتوں کی عمدگی، اشاروں کی باریکی، معانی کی تنقیح۔ الفاظ کی وضاحت سبھی اس کے دامن میں عیاں ہیں اور شنیدہ کے بود مانند دیدہ تأمل کے بعد نگاہوں کو خود ہی اس سے خنکی نصیب ہو گی۔ آگے فرماتے ہیں۔

وَمَا علیّ من اعراض الحاسدین عنہ حال حیاتی
فسیتلقونہ بالقبول ان شاء اللّٰہ تعالیٰ بعد وفاتی۔ [۷]

ترجمہ :۔ "اگر حاسدین میری زندگی میں اس سے روگردانی کریں تو میرا کوئی نقصان نہیں میری وفات کے بعد وہ خود اس کی پذیرائی کریں گے۔"

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں ۔

قد حقق المولیٰ رجاءہ واعطاہ فوق ما تمناہ وھو دلیل صدقہ واخلاصہ رحمہ اللّٰہ تعالیٰ وجزاہ خیرا۔ [۸]

ترجمہ :۔ "مولائے کریم ان کی امید برلایا اور انہیں انکی آرزو سے سوا عطا فرمایا یہ ان کے صدق واخلاص کی دلیل ہے، خداوند تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور جزائے خیر سے نوازے۔"

دیباچہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں۔

" ان کتاب الدر المختار شرح تنویر الابصار قد طار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتھار علی الشمس فی رابعۃ النھار، حتی اکب الناس علیہ وصار مفزعھم الیہ وھو الحری بان یطلب ویکون الیہ المذھب فانہ الطراز المذھب فی المذھب فلقد حوی من الفروع المنقحۃ والمسائل المصححۃ مالم یحوہ غیرہ من کبار الاسفار ولم تنسج علی منوالہ ید الافکار۔ [۹]

ترجمہ :۔ " در مختار شرح تنویر الابصار کی پرواز اکنافِ عالم تک جا پہنچی، اس کی رفتار نے دنیا کے شہر در شہر طے کر ڈالے اس کا شہرہ آفتاب چاشت سے بھی فزوں ہوا، لوگ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوئے اور وہ سب کا مرجع وماویٰ بن گئی ہے بھی اس قابل کی اس کی طلب ہو اور اسی کی طرف رجوع ہو اس لیے کہ مذہب میں وہ ایک زرّیں نقش ونگار ہے۔ تنقیح وتصحیح کردہ بہت سے ایسے فروع ومسائل پر مشتمل ہے جو بڑی بڑی کتابوں میں ناپید ہیں۔ اب تک افکار کے ہاتھوں نے اس طرز کا کوئی نمونہ پیش نہیں کیا۔

ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار

صاحب ردالمحتار علامہ سید محمد امین ابن عمر عابدین شامی (۱۱۹۸ھ/ ۱۲۵۲ھ) ہیں۔ ابن عابدین سے شہرت

رکھتے ہیں ـــــــ شیخ سعید حلبی اور شیخ ابراہیم حلبی سے علوم حاصل کیے۔ فقہ و حدیث کے ماہر تحقیق و تدقیق کے شہسوار اور علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں کے جامع تھے۔ شامی کے علاوہ " رسم المفتی" سل الحسام الہندی لنصرۃ مولانا خالد نقشبندی۔ شفاء العلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل" العقود الدریہ فی الفتاوی الحامدیۃ منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق آپ کی تصنیفات ہیں۔

رد المحتار علمائے حنفیہ میں متداول اور اصحاب افتاء کا مرجع و معتمد ہے۔ اس کی خوبیاں خود علامہ شامی مقدمہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

" قد التزمت فیما یقع فی الشرح من المسائل والضوابط مراجعة اصله المنقول عنه وغیره خوفا من اسقاط بعض القیود والشرائط وزدت کثیرا من فروع مهمة فوائد هاجمة ومن الوقائع والحوادث علی اختلاف البواعث والابحاث الرائقة والنکت الفائقة وحل العویصات واستخراج الغویصات وکشف المسائل المشکلة وبیان الوقائع المعضلة ودفع الایرادات الواهیة من ارباب الحواشی والانتصار لهذا الشارح المحقق بالحق ودفع الفواشی مع عزو کل فرع الی اصله وکل شیٔ الی محلة حتّی الحجج والدّلائل وتعلیلات المسائل وَمَا کانَ من مبتکرات فکری الفاتر ومواقع نظری القاصر اشیر الیه وانبه علیه وبذلت الجهد فی بیان مَاهو الاقوی وعلیه الفتوی وبیان الراجح والمرجوح ممّا اطلق فی الفتاوی والشروح معتمدا فی ذلك علی ماحرره الائمة الاعلام من المتاخرین العظام کالامام ابن الهمام وتلمیذه العلامة قاسم وابن الامیر الحاج والمصنف والرملی وابنا نجیم وابن الشلبی والشیخ اسمٰعیل

الحائك والحانوتی السراج وغیرھم فمن لازم علم الفتوٰی من اھل التقوٰی حواشی ھی الفریدۃ فی بابھا الفائقۃ علٰی اترابھا وخطابھا قد ارشدت من احتار من الطلاب فی فھم معانی ھٰذا الکتاب فلھٰذا سمیتھا رد المحتار علی الدر المختار وانی اقول ماشاءاللہ کان ولیس الخبر کالعیان فیجدھا معاینھا بعدخوض فی معانیھا۔ ؎۱۰

ترجمہ:" شرح میں جو مسائل وضوابط بیان ہوئے ہیں سب کی منقول عنہ اصل اور دوسرے مآخذ کی مراجعت کا میں نے التزام کیا ہے اس اندیشہ سے کہ مبادا کوئی قید وشرط رہ گئی ہو، بہت سے اہم اور مفید فروع، مختلف الاسباب واقعات وجزئیات دلکش مباحث اور عظیم نکات کا اضافہ کیا ہے، الجھی گتھیوں کا سلجھاؤ تہ زیریں میں پڑے موتیوں کا استخراج ،مشکل مسائل کی توضیح پیچیدہ جزئیات کا بیان بھی کیا ہے۔ ارباب حواشی کے کمزور اعتراضات کا جواب ازالۂ مشکلات اور حق کے ساتھ تحقیق کرنے والے شارح ممدوح کے لیے انتصار کی خدمت بھی انجام دی ہے ساتھ ہی ہر فرع کی اصل اور ہر شئی کا ماخذ بھی بتایا ہے۔ یہاں تک کہ دلائل وبیّنات اور مسائل کی تعلیلات کا بھی حوالہ دے دیا ہے اور جو میری فکر ضعیف کی ایجادات اور نگاہِ کوتاہ کی خدمات ہیں ان کی طرف اشارہ وتبنیہ کر دی ہے اور اس پر پوری کوشش صرف کی ہے کہ جو حکم توی تر ہے اور جس پر فتوٰی ہے اسے بیان کردوں جو اختلاف کتب فتاوی اور شروح میں مطلق ہے اس میں راجح اور مرجوح کی تعیین کر دوں اور میں نے ان سب میں اکابر آئمہ متاخرین کی تحریروں پر اعتماد کیا ہے، جیسے امام ابن الہمام ان کے دونوں شاگرد علامہ قاسم اور ابن امیر الحاج مصنف درمختار ان کے استاذ خیر الدین رملی، عمر ابن نجیم، زین بن نجیم، ابن شلبی شیخ اسماعیل حائک، حانوتی سراج اور ان کے علاوہ اصحاب تقوٰی جو برابر علم فتوٰی کی خدمت

میں مشغول رہے۔ اب تم اپنے باب میں منفرد، ہمسروں پر فائق، طلبگاروں اور پیغام دینے والوں کے لیے بے نقاب حواشی لو۔ میں نے کتاب در مختار کے فہم معانی میں حیرت زدہ طلبہ کی رہنمائی کی ہے اسی لیے میں نے اس کا نام ردالمحتار (حیرت زدہ کا رد) علی الدرالمختار رکھا اور میں یہی کہتا ہوں کہ جو اللہ نے چاہا ہوا، خبر آنکھوں کے مشاہدے کا مقابلہ کرے اسے ملاحظہ کرنے کی زحمت جھیلنے والا اس کے معانی میں غور کرنے کے بعد خود ہی اس کی تعریف پر مجبور ہو گا۔

جدالممتار حاشیہ ردالمحتار

کیا ایسے جلیل القدر حاشیہ پر بھی حاشیہ کی ضرورت تھی۔ اسے جدالممتار دیکھنے والا اچھی طرح بتا سکتا ہے کہ علامہ شامی کی ردالمحتار میں بھی بہت سے ایسے مقامات حل طلب اور تشنۂ تحقیق تھے جنہیں امام احمد رضا نے اپنی وسعتِ نظر، جودت فکر، کمال فقاہت اور حسن تدقیق سے حل کر کے طالبان فقہ کو روشنی دی اور بہت سی غلطیوں سے بچا لیا بے شمار مشکل مسائل کی گرہیں کھولیں، اور فقہ میں کثیر جزئیات کا تحقیقی اضافہ کیا اسے دیکھنے کے بعد جا بجا مجھے محسوس ہوا کہ اگر "جدالممتار" نہ ہوتی تو صرف "ردالمحتار" سے بہت سے مسائل صحیح سمجھ میں نہ آتے اور نہ جانے کتنی جگہ غلط فہمی اور بعض جگہ غلطیوں میں مبتلا رہتا۔ اپنے اس اجمال کو ذرا تفصیل کی روشنی میں لانے کے لیے "جدالممتار" کے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں جن سے اندازہ کیا جا سکے گا کہ "جدالممتار" کا فقہی و تحقیقی مقام کیا ہے؟

۱: مجنون معتوہ سکران اور کافر کی اذان کا حکم

مجنون، معتوہ اور نشہ والے کی اذان کے بارے میں علامہ شامی نے دو قول ذکر کئے ایک مصنف در مختار علامہ حصکفی اور صاحب بحرالرائق اور صاحبِ شرح منیہ کا کہ ان کی اذان صحیح ہے۔ دوسرا حاوی قدسی اور بدائع کا کہ ان کی اذان صحیح ہے پھر علامہ شامی دونوں مختلف قولوں میں وجہ تطبیق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہاں

دو امر ہیں

۱ـــــ ایک یہ کہ مقصودِ اذان اوقات نماز کا اعلان ہے۔ اس لحاظ سے اعلان کرنے والا ایسا ہونا چاہیے جس کا قول لائق قبول ہو، تو مؤذن کا مسلم، عاقل، بالغ، عادل ہونا ضروری ہوگا۔ اور کافر، مجنون، معتوہ، سکران وغیرہم کی اذان صحیح نہ ہوگی۔

۲ـــــ دوسرا امر یہ ہے کہ اذان دینا ایک شعارِ اسلام قائم کرنا ہے جس کے بغیر سارے اہل شہر گناہگار رہوں گے۔ اس حیثیت سے سوائے غیر عاقل بچہ کے سب کی اذان صحیح ہوگی، اس لیے کہ بچہ کی آواز سننے والا یہ نہ جان سکے گا کہ یہ مؤذن ہے بلکہ یہ سمجھے گا کہ کھیل کر رہا ہے۔ ہاں عاقل بچہ مردوں کے قریب ہے، اسی طرح عورت کی آواز مراہق کی آواز کے مشابہ ہوا کرتی ہے تو جب مراہق یا عورت اذان دے تو سننے والا اس کا اعتبار کرے گا۔ یہی حال مجنون، معتوہ اور نشہ والے کا ہے کہ یہ سب بھی مرد ہیں جب مشروع طریقہ پر اذان دیں گے تو شعارِ اسلام قائم کرنے کا عمل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ان کے حال سے بے خبر شخص ان کی اذان سن کر انہیں مؤذن ہی سمجھے گا۔ اسی طرح کافر بھی۔

آگے فرماتے ہیں۔

فباعتبار ھٰذہ الحیثیۃ صارت الشروط کلھا شروط کمال لان المؤذن الکامل ھو الذی تقام باذانہ الشعیرۃ ویحصل بہ الاعلام فیعاد اذان الکل ندبا علی الاصح کما قدمناہ عن القھستانی۔ ۱۱

اس حیثیت کے لحاظ سے اسلام، عقل، بلوغ، عدالت کی شرطیں مؤذن کامل کے لیے ہیں، اس لیے کہ مؤذن کامل وہی ہوگا جس سے شعارِ اسلام کا قیام بھی ہو۔ اور اعلام معتبر بھی حاصل ہو (مگر بحیثیت اقامت شعارِ اسلامی دوسروں کی اذان بھی صحیح ہوگی) تو ان کی اذان کا اعادہ صرف مستحب ہوگا۔ قول اصح کی بنیاد پر جسے ہم قہستانی سے نقل کر چکے۔

علامہ شامی کے اس قول پر بحث کرتے ہوئے "وکذا الکافر" کے تحت امام

امام احمد رضا جد الممتار میں فرماتے ہیں۔

سبحٰن اللہ من سعار اسلام کیف یقیمہ کافر والاذان عبادۃ والکافر لیس من اھلھا ولا نسلم ان مدار امامۃ الشعار علی مجرد حسبان سامع لا یعلم حالہ وان لم تکن لہ حقیقۃ فی نفس الامر وبہ خرج المجنون الا فی افاقتہ والسکران الا اذا کان یعلم ما یقول و اذا کان عندکم المدار علی مجرد ذالک الحسبان فلم نفیتم اذان صبی لا یعقل مطلقاً فقد یشبہ صوتہ صوت مراھق فاذا سمعہ من لا یعلم حالہ یعتد بہ فالحق عندی ماقررہ المحقق صاحب البحران العقل والاسلام شرط الصحۃ فاذان صبی لا یعقل وسکران والمجنون مطبق وکافر مطلقاً کل ذالک باطل وشعار الاسلام لا یقوم بباطل (واللہ تعالیٰ اعلم) [۱۲]

"سبحان اللہ ایک شعارِ اسلام کوئی کافر کیسے قائم کرے گا، جبکہ اذان عبادت ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں، ہمیں تسلیم نہیں کہ شعار قائم کرنے کا مدار صرف حقیقت حال سے بے خبر سامع کے گمان کر لینے پر ہے۔ اگرچہ اس کی واقعتہً کوئی حقیقت نہ ہو۔ اسی دلیل سے مجنون بھی نکل جائے گا۔ مگر وہ جو ہوش کی حالت میں ہو اور نشہ والا بھی مگر جب اپنی بات سمجھتا ہو، اور جب آپکے نزدیک دار و مدار صرف اس گمان پر ہے تو غیر عاقل بچے کی نفی کیوں کی، اس کی آواز بھی تو مراہق کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اور اس کے حال سے بے خبر سامع اس کا اعتبار کرے گا۔ میرے نزدیک حق وہی ہے جو محقق صاحبِ بحر نے ثابت فرمایا کہ عقل اور اسلام صحتِ اذان کے لیے شرط ہے تو غیر عاقل بچے، نشہ والے، مجنون مطبق اور کافر ان سب کی اذان باطل ہے اور شعارِ اسلام کا قیام باطل سے نہ ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)"

عبارتِ شامی کا حاصل یہ ہے کہ ـــــــ (۱) ـــــــ اگر اس پر نظر کی جائے کہ اذان اعلانِ وقتِ نماز کا نام ہے تو مؤذن ایسا ہونا چاہیئے جس کا قول معتبر ہو۔ لہٰذا عاقل، بالغ، عادل ہونا شرط ہوگا ـــــــ (۲) ـــــــ اور اگر یہ دیکھیں کہ اذان، اقامت شعارِ اسلام ہے تو نا سمجھ بچے کے سوا سب کی اذان صحیح ہوگی۔ حتیٰ کہ اذانِ کافر بھی۔ اس لیے کہ ان کی آواز اذان سننے والا یہی سمجھے گا کہ اذان کا کوئی اہل اذان دے رہا ہے۔ پھر علامہ شامی نے اسی مذہب اخیر کو ترجیح دی۔

امام احمد رضا نے اس پر منع وارد کیا کہ ـــــــ (۱) ـــــــ ایک اسلامی شعار کوئی کافر کیسے قائم کرے گا ـــــــ (۲) ـــــــ اذان عبادت بھی ہے کافر عبادت کا اہل نہیں ـــــــ (۳) ـــــــ پھر ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ مؤذن اہل یا نااہل جو بھی ہو اس کی اذان ہو جائے گی، بس اتنا ہو کہ اس کی آواز سننے والا اسے اہلِ اذان گمان کرسکتا ہو۔ اگر ایسا ہو تو غیر عاقل بچے کی اذان بھی صحیح کہنی چاہیئے اس لیے کہ اس کی آواز بھی قریب البلوغ لڑکے (مراہق) کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ اور سننے والا اسے بھی عاقل بالغ کی اذان گمان کرسکتا ہے۔ یہ فرمانے کے بعد فاضلِ بریلوی نے پورے وثوق کے ساتھ دوسرے قول کو ترجیح دی اور فرمایا۔

فالحق عندی ما قررہ المحقق صاحب البحران العقل والاسلام شرط الصحۃ۔ الخ

"پس میرے نزدیک حق وہی ہے جسے محقق صاحب بحر نے مقرر رکھا کہ عقل اور اسلام کے بغیر اذان ہوگی ہی نہیں۔" الخ

۲: کلام امام محقق پر معروضہ

نفل میں کراہتِ قرأت کی صورت

درمختار میں "باب الامامت" سے ذرا پہلے یہ مسئلہ مذکور ہے :۔

لا باس بان یقرأ سورۃ و

یعیدھا فی الثانیۃ وان یقرأ فی الاولیٰ من محل و فی الثانیۃ من اٰخر ولو من سورۃ ان کان بینھما اٰیتان فاکثر ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسًا الا اذا ختم فیقرأ من البقرۃ.

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک ہی سورۃ دو رکعت میں پڑھے نہ اس میں کہ پہلی رکعت میں ایک جگہ سے، دوسری رکعت میں دوسری جگہ سے، اگرچہ ایک ہی سورۃ سے دونوں رکعتوں میں پڑھا ہو، جبکہ دونوں مقامات میں دو یا زیادہ آیات کا فصل ہو۔ (کلمۂ لابأس سے مکروہ تنزیہی کا افادہ ہوتا ہے تو اس صورت کے جائز ہونے کے ساتھ مکروہ تنزیہی ہونا معلوم ہوا) اور درمیان میں ایک چھوٹی سورہ چھوڑ دینا اور نماز میں الٹی قرأت کرنا مکروہ ہے، مگر جب پہلی رکعت میں قرآن ختم کرے تو دوسری میں سورۂ بقرہ سے پڑھے گا۔ آگے فرماتے ہیں:۔

ولا یکرہ فی النفل شئ من ذالک[۱۳] نفل میں ان میں سے کوئی بات مکروہ نہیں

اس پر علامہ شامی صاحبِ فتح القدیر محقق ابن الہمام کا قول نقل فرماتے ہیں۔

وعندی فی ھٰذہ الکلیہ نظر فانہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہی بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الانتقال من سورۃ الی سورۃ وقال لہ اذا ابتدأت سورۃ فاتمھا علی نحوھا حین سمعہ ینتقل من سورۃ الی سورۃ فی التھجد۔[۱۴]

میرے نزدیک اس کلیہ میں کلام ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو نماز تہجد میں ایک سورہ تھوڑی پڑھ کر دوسری سورہ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں منع کیا اور فرمایا جب ایک سورہ شروع کرو تو اسے اسی طرح پوری کر لو۔

محقق علی الاطلاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول "نہی بلالاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ" پر "جدّ الممتار" میں امام احمد رضا فاضل بریلوی فرماتے ہیں۔

رحمہ اللہ المحقق ورحمنا بہ لم ینھہ النبی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم بل صوب نعلہ ففی سنن ابی داؤد عن قتادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرج لیلۃ فاذا ھو بابی بکر یصلی یخفض من صوتہ ومرّ بعمر وھو یصلی رافعا صوتہ قال ابوبکر قد أسمعت من ناجیت یا رسول اللہ وقال عمر اوقظ الوسنان واطرد الشیطان قال ابوداؤد زاد الحسن (ای الحسن بن الصباح شیخ ابی داؤد) فی حدیثہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابابکر ارفع من صوتک شیئاً وقال لعمر اخفض من صوتک شیئا ثم روی ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھٰذہ القصۃ قال لم یذکر قال لابی بکر ارفع شیئا ولا لعمر اخفض شیئا، زاد۔ وقد سمعتک یا بلال انت تقرأ من ھٰذہ السورۃ ومن ھٰذہ السورۃ، قال کلام طیب یجمعہ اللہ بعضہ الی بعض فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلکم قد اصاب ولیس فیہ ماذکرہ المحقق اذا ابتدأت سورۃ الخ واذقد ثبت قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کلکم قد اصاب فھٰذا لایکون الا ارشادا الی ماھو افضل کارشادہ الصدیق الی ان یرفع شیئا فلا یقال الاخفاء مکروہ کذا ھٰذا۔[15]

اللہ تعالیٰ امام محقق پر رحم کرے اور ان کے وسیلے سے ہم پر بھی رحم فرمائے، حضرت بلال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا نہیں بلکہ ان کا عمل درست قرار دیا۔ سنن ابی داؤد میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ایک رات نکلے تو دیکھا کہ ابوبکر پست آواز کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں اور حضرت عمر کے پاس سے گزرے تو وہ بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے۔ وقت ملاقات دسوال حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے تو اسے سنا دیا جس سے کلام ومناجات میں مشغول تھا، حضرت عمر نے عرض کیا میں اونگھنے والے کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ ابوداؤد فرماتے ہیں۔ حسن (یعنی حسن ابن صباح ابوداؤد کے

شیخ) نے اپنی حدیث میں اتنا اضافہ کیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوبکر اپنی آواز ذرا بلند کرو۔ اور حضرت عمر سے فرمایا اپنی آواز ذرا پست کرو، پھر ابو داؤد نے حضرت ابوہریرہ سے یہی واقعہ روایت کیا اور بیان کیا کہ ابوبکر سے آواز بڑھانے اور حضرت عمر سے پست کرنے کا فرمان اس روایت میں مذکور نہیں، البتہ یہ اضافہ ہے کہ اے بلال میں نے تمہیں اس سورہ اور اس سورہ سے پڑھتے سنا عرض کیا پاکیزہ کلام ہے جسے اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے ساتھ جمع کرتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک نے ٹھیک کیا۔

حدیث میں وہ نہیں جسے امام محقق نے ذکر کیا اذا ابتدأت بسورۃ الخ اور اگر ہو بھی تو جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان "کلکم قد اصاب" تم میں سے ہر ایک نے درست کیا۔ ثابت ہے تو امام محقق کا بیان کردہ فرمان صرف امر افضل کی طرف ارشاد و ہدایت کے طور پر ہوگا۔ جیسے صدیق کو آواز ذرا بلند کرنے کی ہدایت فرمائی تو وہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آواز پست کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح یہ صورت بھی مکروہ نہ ہوگی۔

محقق علی الاطلاق علیہ الرحمہ نے ظاہر فرمایا کہ نفل میں ایک سورہ سے دوسری سورہ کی طرف منتقل ہونا مکروہ ہے۔ اور اس کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کی کہ سرکار نے حضرت بلال کو اس سے منع فرمایا۔ اس پر فاضل بریلوی نے فرمایا: سرکار نے حضرت بلال کو اس سے منع نہ فرمایا۔ بلکہ ان کے عمل کو درست قرار دیا۔ پھر اس کے ثبوت میں ابو داؤد کی پوری حدیث نقل فرمائی۔ اب ظاہر ہے کہ جب سرکار نے اس عمل کو درست قرار دیا تو وہ مکروہ نہ ہوگا۔

رہا یہ سوال کہ محقق علی الاطلاق نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک حدیث ذکر کی ہے کہ سرکار نے حضرت بلال سے فرمایا۔ "اذا ابتدأت بسورۃ فاتمھا علی نحوھا" (جب تم کوئی سورہ شروع کرو تو اسے اسی طور پر پورا کرو) اس حدیث میں "فاتمھا" امر کا صیغہ ہے اور امر وجوب کے لیے آتا ہے تو سورہ مکمل کرنا واجب اور بغیر تکمیل دوسری سورہ کی طرف منتقل ہوجانا مکروہ و ناجائز ہوگا۔

فاضل بریلوی اس اعتراض کے جواب میں فرماتے ہیں ـــــــ اوّلاً تو اس حدیث کا ثبوت نہیں اور وہ حدیث جو ثابت ہے اور جسے ہم نے ذکر بھی کیا اس میں محقق علی الاطلاق کا بیان کردہ حصہ " اذا ابتدأت بسورۃ فاتمہا علی نحوھا " موجود نہیں اگر کہیں ہو بھی تو اس حدیث کا اس حدیث سے تعارض ہوگا۔ جس میں حضرت بلال کے اس عمل (ایک سورہ سے قبل تکمیل دوسری سورہ کی طرف منتقل ہونے) کو درست فرمایا اب رفع تعارض ضروری ہوگا۔ رفع تعارض کی صورت یہ ہوگی کہ جب ایک حدیث میں سرکار اسی عمل کو درست فرما رہے ہیں تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ طریقہ مکروہ نہیں۔ اب اگر دوسری حدیث میں یہ ہے کہ " ایک سورہ شروع کرو تو اسے پوری کرو"۔ تو اس میں صیغۂ امر اگر وجوب کے لیے مانیں تو اتمام سورہ واجب اور قبل اتمام دوسری سورہ کی طرف انتقال مکروہ و ناجائز ہوگا۔ اور تعارض دفع نہ ہوگا۔ دفع تعارض کے لیے ماننا ہوگا کہ امر یہاں وجوب کے لیے نہیں۔ بلکہ ارشاد و ہدایت کے لیے ہے، اور جب یہ امر ارشادی ہوگا تو اس کا خلاف مکروہ نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں کرنا جائز ہوگا۔ ہاں تکمیل سورہ افضل ہوگی۔

بتقدیر ثبوت حدیث سرکار کا حضرت بلال کو سورہ پوری کر لینے کا حکم فرمانا اسی طرح ہوگا جیسے حضرت ابوبکر صدیق کے لیے ثابت ہے کہ " ابوبکر اپنی آواز ذرا بلند کرو۔" اس میں بھی صیغۂ امر ہے مگر برائے وجوب نہیں۔ برائے ارشاد ہے، جس طرح یہاں صیغۂ امر کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نماز میں پست آواز سے قرأت مکروہ ہے ویسے ہی یہاں بھی (خصوصاً کلکم قد اصاب) ثابت ہو جانے کے بعد یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نفل میں ایک سورہ مکمل کیے بغیر دوسری سورہ کی طرف منتقل ہونا مکروہ ہے۔

جد الممتار کے اس اقتباس سے علم حدیث میں فاضل بریلوی کی وسعت نظر فقہی دقیقہ سنجی، علمی استحضار اور کمال استدلال سبھی عیاں ہے۔

حسنِ ادب

ان سب کے باوجود ذرا حسن ادب بھی ملاحظہ فرمائیے کہ محقق علی الاطلاق پر نقد اس طرز سے شروع فرمایا ہے " رحمہ اللہ المحقق ورحمنا بہ "

اکابر اسلام کی بارگاہ میں امام احمد رضا کا یہ احترام وادب آپکو جا بجا نظر آئے گا۔ وہ اظہار حق کے لیے اکابر پر نقد وکلام ضرور کرتے ہیں۔ مگر دلائل وبراہین کے ساتھ۔ اور اکابر کی جلالتِ علم وفضل اور رفعت شان پوری طرح ملحوظ رکھ کر۔

ردالمحتار میں علامہ شامی نے ایک جگہ فرمایا "ولم یظھر لی" اس مسئلہ کا حل مجھ پر منکشف نہ ہوا۔ اس پر فاضل بریلوی نے جدالممتار میں فرمایا "وظھر لنا ببرکۃ خدمۃ کلماتکم" اور ہمیں آپ حضرات کے کلمات کی خدمت کی برکت سے "اس کا حل سمجھ میں آگیا

آج ہمارے سامنے کتنے ایسے لوگوں کی تحریریں ہیں جنہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں، مگر اکابر اسلام اور اسلافِ عظام پر جاہلانہ "اندھی تنقید" بڑے فخر وشوق سے کرتے ہیں۔ مزید برآں اپنے زورِ قلم اور مرعوب کن طرز تحریر سے قاری کے ذہن پر یہ اثر ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ اکابر آنجناب کے سامنے گویا "طفل مکتب" کی حیثیت رکھتے تھے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ من شرورالانفس۔

مولائے کریم اور زیادہ عظیم ورفیع کرے اس امام جلیل کا رتبہ بلند، جس کا آئینہ دل خدا کے فضل سے بڑوں کی عظمت مجروح کر کے اپنی علمی شہرت چمکانے کی ہوس سے ہمیشہ پاک رہا۔

۳- افضلیت سید الانبیاء اور افضلیت قرآن میں اختلاف وتطبیق

درمختار میں باب المیاہ سے ذرا پہلے فروع میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

ومحو بعض الکتابۃ بالریق یجوز وقد ورد النھی فی محو اسم اللہ بالبزاق وعنہ علیہ الصلوٰۃ والسلام القراٰن احب الی اللہ تعالیٰ من السموات والارض ومن فیھن۔ [۱۶]

بعض تحریروں کو تھوک سے مٹانا جائز ہے۔ البتہ رب تعالیٰ کا نام تھوک سے مٹانے کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ قرآن

اللہ تعالیٰ کے نزدیک آسمانوں اور زمین اور ان سب لوگوں سے افضل ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ (اس سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ قرآن کا مٹانا ممنوع ہے)

اس حدیث میں قرآن کو آسمانوں اور زمین اور ان میں رہنے والے سب سے افضل بتایا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے یا نہیں؟ بعض علماء اثبات کے قائل ہیں بعض نفی کے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں ظاہر حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہے اور مسئلہ اختلافی ہے۔ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ توقف کیا جائے۔ [۱۷]

امام احمد رضا جد الممتار میں والاحوط الوقف کے تحت فرماتے ہیں۔

لا حاجة الی الوقف والمسئلة واضحة الحکم عندی بتوفیق اللہ تعالیٰ فان القرآن ان ارید بہ المصحف اعنی القرطاس والمداد فلاشک انہ حادث وکل حادث مخلوق فالنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل منہ وان ارید بہ کلام اللہ تعالیٰ الذی ھی صفتہ فلاشک ان صفاتہ تعالیٰ افضل عن جمیع المخلوقات وکیف یساوی غیرہ ما لیس بغیرہ تعالیٰ ذکرہ وبہ یکون التوفیق بین القولین۔ [۱۸]

توقف کی کوئی ضرورت نہیں، میرے نزدیک خدا کی توفیق سے مسئلہ کا حکم واضح ہے۔ اس لیے کہ قرآن سے اگر مصحف یعنی کاغذ اور روشنائی مراد ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ حادث ہے اور ہر حادث مخلوق ہے اور جو بھی مخلوق ہے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں اور اگر قرآن سے مراد کلام باری تعالیٰ ہے جو اس کی صفت ہے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صفاتِ باری تعالیٰ جمیع مخلوقات سے افضل ہیں اور مخلوق جو غیر خدا ہے بھلا اس کے (صفت کے) برابر کیونکر ہو جو غیر ذات نہیں۔ اس کا ذکر بلند ہو۔ ہماری اس توجیہہ سے دونوں مختلف قولوں میں تطبیق بھی ہو جائے گی۔

یعنی جن علماء نے قرآن کو افضل بتایا۔ قرآن سے ان کی مراد کلامِ الٰہی صفت خداوندی ہے۔ صفات باری تعالیٰ بلاشبہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

اور جن علماء نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قرآن سے افضل بتایا۔ قرآن سے ان کی مراد "مصحف" ہے۔ جو کاغذ اور روشنائی کا مجموعہ ہے یقیناً سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے افضل ہیں۔

یہ ہے فاضل بریلوی کی فقاہت فی الدین اور دقتِ نظر، مسئلے کا حل بھی اور کلمات علماء میں تطبیق بھی جو بجائے خود ایک مشکل فن ہے۔

۴۔ کتاب پر دوات و قلمدان وغیرہ رکھنے کی ممانعت کا صریح جزئیہ

مسئلۂ مذکورہ سے ذرا پہلے در مختار میں ہے کہ کتاب پر قلمدان رکھنا مکروہ ہے مگر لکھنے کے لیے۔ اس پر علامہ شامی نے فرمایا۔

والظاهر ان ذالك عند الحاجة الى الوضع [۱۹] ظاہر یہ ہے کہ لکھنے کے لیے بھی کتاب پر رکھنے کی اجازت اس وقت ہوگی جب رکھنے کی ضرورت ہو۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں :۔

ليس هٰذا موضع الاستظهار بل هو المتعين قطعاً۔ [۲۰]

یہ استظہار (الظاہر کہنے) کا موقع نہیں بلکہ وہی قطعی طور پر متعین ہے (یعنی صرف برائے ضرورت ہی رکھ سکتے ہیں بلا ضرورت ہرگز نہیں)

اس کے بعد دلیل دی اور ضمناً بحر الرائق کا صریح جزئیہ بتایا اور اپنا وہ واقعہ ذکر کیا جو مفتی مکہ عبد اللہ ابن صدیق بن عباس حنفی کے ساتھ کتب خانۂ حرم میں ۴ صفر ۱۳۲۴ھ کو پیش آیا تھا۔ اعلحضرت نے جب دیکھا کہ انہوں نے کتاب پر دوات رکھ دی اور کہا کہ "البحر الرائق کتاب الکراہیۃ" میں جواز کی تصریح ہے تو اعلحضرت بجائے اس کے کہ یہ فرماتے کہ بحر الرائق کتاب الکراہیۃ تک کہاں پہنچی وہ تو کتاب القضاء ہی میں

ختم ہوگئی۔ صریح جزئیہ اسی بحرالرائق سے مخالفت کا پیش کر دیا۔ اس سے امام احمد رضا کی وسعتِ نظر اور کمالِ استحضار عیاں ہے۔

کیا وقت ظہر کا کوئی حصہ مکروہ ہے؟

ظہر کا وقت بالاتفاق زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے مگر ختم کب ہوتا ہے اس میں اختلاف ہے، آئمہ ثلاثہ اور ہمارے آئمہ میں سے امام ابویوسف، امام محمد اور امام زفر کے نزدیک جب کسی چیز کا سایہ علاوہ سایہ اصلی کے ایک مثل ہو جائے تو وقتِ ظہر ختم ہو جاتا ہے اور وقتِ عصر شروع ہو جاتا ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سایۂ اصلی کے علاوہ جب دو مثل سایہ ہو جائے تو وقتِ ظہر ختم ہوتا اور وقت عصر شروع ہوتا ہے۔ قوی دلائل امام اعظم کے مسلک کو ترجیح دیتے ہیں اور چونکہ یہ قولِ امام بھی ہے اس لیے اعلیٰ حضرت نے بھی ہمیشہ اسی پر فتویٰ دیا۔

اب ایک سوال یہ ہے کہ مغرب، عشاء اور عصر میں جس طرح ایک وقت مکروہ بھی ہے کیا ظہر میں بھی کوئی وقت ایسا ہے جو مکروہ ہو یا فجر کی طرح سارا وقتِ ظہر مباح و غیر مکروہ ہے؟

علامہ شامی فرماتے ہیں:۔

وفی ط عن الحموی عن الخزانۃ الوقت المکروہ فی الظھر ان یدخل فی الاختلاف واذا اخرہ حتی صار ظل کل شئ مثلہ فقد دخل فی حد الاختلاف۔ [۲۱]

ترجمہ: حاشیۂ طحطاوی میں حموی کے حوالہ سے خزانۃ الواقعات سے منقول ہے کہ وقت مکروہ ظہر میں یہ ہے کہ اختلاف کی حد میں داخل ہو جائے اور جب نمازِ ظہر یہاں تک مؤخر کر دی کہ شئ کا سایہ ایک مثل ہو گیا تو حد اختلاف میں داخل ہو گیا۔ (اس لیے کہ ایک مثل تک تو بالاتفاق وقت ظہر ہے، مثل ثانی میں امام صاحب کے نزدیک ہے اور صاحبین وغیرہما کے نزدیک نہیں ہے)

حاصلِ کلام یہ ہوا کہ مثلِ ثانی ظہر کا وقتِ مکروہ ہے اور دلیل یہی ظاہر ہوتی ہے کہ اس میں رعایت اختلاف نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ رعایت اختلاف کا تقاضا یہ ہے کہ مثل اوّل ختم ہونے سے پہلے ظہر سے فارغ ہو جائے اور ختم مثلِ ثانی کے بعد ہی عصر شروع کرے تاکہ اس کی نماز ہر مذہب کے مطابق صحیح قرار پائے۔ امام احمد رضا اس قول کی کمزوری بیان کرتے ہوئے ثابت فرماتے ہیں کہ ظہر میں کوئی وقت مکروہ نہیں۔ ملاحظہ ہو۔ الوقت المکروہ فی الظہر الخ کے تحت لکھتے ہیں۔

فیہ ان مذھب امامنا معلوم و من تبعہ غیر مُسلَّم ومراعاۃ الخلاف انما تستحب وترک المستحب لا یستلزم الکراھۃ وتعلیل الھدایۃ والکافی والفتح وغیرھم عامۃ المتکلمین من جانب الامام لمذھب الامام بحدیث الابراد وانہ لا یحصل فی دیارھم الا فی المثل الثانی یقطع بضعف ھذا ومن سلم صدق المقدمۃ القائلۃ ان المثل الاول وقت الحر فی دیارھم وان المقصود بحدیث ابردوا ھوالصبر حتی یخرج ذالک الوقت یجب علیہ ان یقول باستحباب الایقاع فی المثل الثانی فی الصّیف فضلاً عن الکراھۃ ثم ان سلمت ھٰذہ الکراھۃ وسلمت عمّا یرد علیھا۔ وجب یکون المراد بھا کراھۃ التنزیہ دون التحریم المتوھم من ظاھر الاطلاق اذلا دلیل علیہ اصلاً۔

اقول ومن الدلیل علی ان لا مکروہ فی وقت الظھر قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقت صلوٰۃ الظھر مالم یحضر العصر و وقت صلوٰۃ العصر مالم تصفر الشمس ووقت صلوٰۃ المغرب ما لم یسقط نور الشفق ووقت العشاء الی نصف اللیل و وقت صلوٰۃ الفجر مالم یطلع قرن الشمس رواہ الامام احمد ومسلم و

ابوداؤد والنسائی عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

فان سیاق الحدیث شاھد بأن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ھٰھنا بصدد بیان الوقت المستحب ولذا قال فی العصر مالم تصفر الشمس وفی المغرب مالم یسقط نور الشفق ای ثورانہ و معظمہ ولم یقل مالم یسقط الشفق وفی العشاء الیٰ نصف اللیل ولما لم یکن فی الفجر وقت مکروہ فی اخرہ مدہ الیٰ اٰخرہ وقال مالم یطلع قرن الشمس وکذلک مدّ فی الظھر الیٰ ان یحضر وقت العصر فوجب ان لایکون فیہ ایضاً مکروہ علی القولین ۔اعنی قول الامام وقول الصاحبین ۔ ۲۲

ترجمہ :۔ اس پر اعتراض یہ ہے کہ ہمارے امام کا مذہب معلوم ہے اور ان کی پیروی کرنے والا قابل ملامت نہیں اور رعایت خلاف صرف مستحب ہے ۔اور ترک مستحب کراہت کو مستلزم نہیں پھر اس قول کی قطعی کمزوری اس سے بھی ثابت ہوئی ہے کہ ہدآیہ، کافی ، فتح القدیر کے مصنفین اور ان کے علاوہ امام اعظم کی طرف سے عامّہ متکلمین مذہب امام کی دلیل میں حدیث (ابردوا بالظھر) "ظہر ٹھنڈی کرو" پیش کرتے ہیں اور ان کے دیار میں مثل ثانی سے پہلے ابراد حاصل نہیں ہوتا اور جو اس مقدمۂ دلیل کو درست مانتا ہے کہ مثل اوّل ان کے دیار میں گرمی کا وقت ہے اور حدیث "ابردو" کا مقصد یہ ہے کہ ظہر سے رکا رہے یہاں تک کہ یہ وقت نکل جائے ۔اس پر تو مثل ثانی میں ظہر گرما کی ادائیگی کے استحباب کا قائل ہونا ضروری ہے ۔ قول کراہت کی گنجائش کہاں ؟ ــــــ پھر اگر یہ کراہت مان لی جائے اور اعتراض سے سلامت رہ جائے تو بھی اس سے کراہت تنزیہی مراد ہونا ضروری ہے ۔ نہ کراہت تحریم جس کا ان کے مطلق مکروہ بولنے سے وہم ہوتا ہے اس لیے کہ کراہت تحریم پر کوئی دلیل نہیں ۔

میں کہتا ہوں ــــ ظہر میں کوئی وقت مکروہ نہ ہونے کی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کا ارشاد ہے کہ جب تک وقتِ عصر نہ ہو جائے ظہر کا وقت ہے۔ جب تک آفتاب میں زردی نہ آجائے عصر کا وقت ہے۔ جب تک شفق کا پھیلاؤ ختم نہ ہو مغرب کا وقت ہے نصف شب تک عشاء کا وقت ہے جب تک آفتاب کا سرا نہ چمکے فجر کا وقت ہے۔ یہ حدیث امام احمد، مسلم ابوداؤد اور نسائی نے عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

سیاق حدیث شاہد ہے کہ یہاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم "وقت مستحب" بیان فرما رہے ہیں اسی لیے وقت عصر میں فرمایا جب تک آفتاب میں زردی نہ آجائے مغرب میں فرمایا جب تک نورِ شفق یعنی شفق کا پھیلاؤ اور بڑا حصہ ختم نہ ہو جائے ـــــ عشاء میں نصف شب تک وقت بیان فرمایا اور فجر میں چونکہ اس کے آخر میں کوئی وقت مکروہ نہیں اس لیے اس کا وقت آخر تک پھیلایا اور فرمایا جب تک آفتاب کا سرا نہ چمکے۔ اسی طرح ظہر کا وقت عصر کا وقت آنے تک دراز فرمایا۔ تو لازم ہے کہ اس میں بھی کوئی وقت مکروہ نہ ہو۔ نہ امام صاحب کے قول پر نہ صاحبین کے قول پر۔

یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ حدیث قولِ صاحبین پر وارد ہے اور صاحبین کے نزدیک وقتِ ظہر صرف مثل اول تک ہے تو حدیث سے صرف یہ ثابت ہو گا کہ وقتِ ظہر جو زوال سے مثل اوّل تک ہے اس میں کوئی وقت مکروہ نہیں۔ مثل ثانی کے مکروہ و مستحب ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

اس کے جواب میں فرماتے ہیں جب تو اس قائل کو مثل ثانی کی ظہر کو قضا کہنا چاہیے صرف مکروہ کہنے پر اکتفا کیوں کی؟ ـــــ اس لیے کہ جب مثل اوّل ہی تک وقت ظہر مانا تو بلاشبہ اسے اس کے بعد مثل ثانی میں وقت ظہر کو ختم اور نماز کو قضا کہنا پڑے گا۔ جب قائل اسے قضا نہیں کہتا تو مثل ثانی کو ظہر کا وقت مانتے ہوئے حدیث کے پیش نظر اسے وقت مکروہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ـــــ پھر فرماتے ہیں کہ یہ تحریر کرنے کے بعد میں نے بحر الرائق میں دیکھا۔

الفجر والظهر لا كراهة فى وقتهما فلا يضر التاخير اھ

فهٰذا نص فیما قلنا و باللہ التوفیق ومعلوم ان صاحب البحر من الذین اعتمدوا قول الامام فی وقت الظھر ۲۳

نماز فجر وظہر کے پورے وقت میں کوئی کراہت نہیں اس لیے ان کی تاخیر مضر نہیں۔ ہم نے جو کہا اس بارے میں صاحب بحر کا یہ قول نص ہے اور یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے ظہر میں صاحبین کے قول پر وقت مکروہ کی نفی کی ہے۔ (اس لیے کہ) یہ معلوم ہے کہ صاحب بحر ان لوگوں میں ہیں جنہوں نے وقت ظہر میں قول امام پر اعتماد کیا ہے۔

نظر ثانی

فاضل بریلوی کا طریق رد و استدلال ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) مثل ثانی ظہر کا وقت مکروہ ہے۔ اس پر فاضل بریلوی نے درج ذیل اعتراضات وارد کئے۔

(ا) جب ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کا یہ مذہب ثابت ہے کہ وقتِ ظہر دو مثل سایہ ختم ہونے تک ہے تو جو شخص باتباع مذہب امام مثل ثانی میں ظہر پڑھے قابل ملامت نہ ہوگا۔ اور جب مثل ثانی کو وقت مکروہ قرار دیا جائے گا تو وہ شخص ارتکاب مکروہ کے باعث یقیناً قابل ملامت ہو جائے گا۔ پھر مذہب امام پر عمل کیوں کر ہو ——— ؟

(ب) آپکے بطور سبب کراہت یہی تو ہے کہ اس نے رعایت اختلاف نہ کی۔ رعایت خلاف صرف مستحب ہے اور ترکِ مستحب خلاف اولیٰ ——— مکروہ نہیں مگر آپ مکروہ فرما رہے ہیں۔

(ج) امام اعظم کی طرف سے کلام کرنے والے عام مصنفین جیسے اصحاب ہدایہ وکافی، وفتح القدیر نے مذہب امام کی علت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بتائی ہے "ابردوا بالظھر فان شدۃ الحر من فیح جھنم" ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی تپش سے ہے۔"

اس حدیث پر عمل کا تقاضا یہ ہے کہ ان دیار میں گرمی کی ظہر مثل ثانی تک مؤخر کی جائے تاکہ ابراد حاصل ہو اور مثل ثانی کو وقت مکروہ قرار دینے کا تقاضا یہ ہوگا کہ مثل اول ہی میں

ادا کر لی جائے۔

(د) جو لوگ مثل ثانی کو وقت مکروہ بتاتے ہیں امام اعظم کے مقلد ہیں ——— اور انہوں نے جانبِ امام سے پیش کی جانے والی یہ دلیل تسلیم کی ہے کہ حدیث شدّت گرما کے باعث ظہر ٹھنڈی کرنے کا حکم فرماتی ہے۔ مثل اوّل ان کے دیار میں سخت گرمی کا وقت ہے، یہ دلیل تسلیم کرنے کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ مثل ثانی میں ظہر پڑھنے کو "مستحب" بتاتے لیکن یہ اس کے بالکل برخلاف مثل ثانی میں ادائے ظہر کو "مکروہ" کہہ رہے ہیں۔

(ہ) اگر کراہت مان ہی لی جائے اور اعتراضات سے محفوظ بھی رہ جائے۔ تو بھی اس سے کراہتِ تنزیہ مراد ہوگی۔ مگر جہاں کراہت کا استعمال مطلق ہوتا ہے وہاں کراہت تحریم سمجھی جاتی ہے۔ ان حضرات نے کراہت کو مطلق استعمال کیا ہے، جس کے ظاہر سے مثل ثانی میں ادائے ظہر کے مکروہ تحریمی ہونے کا وہم ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس پر کوئی دلیل نہیں۔

(۲) ——— اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس پر کیا دلیل ہے کہ ظہر میں کوئی وقت مکروہ نہیں اس کے جواب میں فاضل بریلوی نے بروایت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام احمد، مسلم، ابوداؤد اور نسائی کی حدیث پیش کر کے اس سے اس مسئلہ کا ثبوت فراہم کر دیا۔

اس سے علم حدیث میں امام احمد رضا کی وسعت نظر اور حدیث سے استنباطِ مسائل کی قدرت دونوں ہی خوبیاں نمایاں ہیں ——— نظر چاہیئے۔

(۳) ——— یہ تحریر فرمانے کے بعد فاضل بریلوی نے بحر الرائق میں محقق ابن نجیم کی یہ عبارت دیکھی کہ فجر و ظہر میں کوئی وقت مکروہ نہیں لہٰذا تاخیر مضر نہیں۔ اس پر فاضل بریلوی نے فرمایا فھذا نص فیما قلنا۔ مسئلہ حاضرہ میں یہ نص ہے اور توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے ——— اس سے معلوم ہوا کہ فقہی نص کے ہوتے ہوئے "بلا وجہ خاص" امام احمد رضا احادیث سے احکام کا استدلال نہیں کرتے۔ اس لیے کہ بالعموم یہ مقلد کا منصب نہیں۔ مقلد نے نصِّ فقہ بیان کر دیا۔ سبکدوش ہو گیا۔ لیکن اس کا مطلب یہ

نہیں کہ احادیث پران کی نظر کوتاہ ہے۔ یا احادیث سے استنباطِ مسائل کی ان میں کوئی قدرت ہی نہیں، بلکہ احادیث پران کی وسعتِ نظر اور قوتِ استنباط کا یہ حال ہے کہ وہ بوقتِ ضرورت فقہی جزئیات براہِ راست احادیثِ کریمہ سے ثابت کر دیتے ہیں۔ کما تریٰ۔

تاریخ رجال سے متعلق آگاہی

ابتدائے رد المحتار میں علامہ شامی اپنی سندِ فقہ کے درمیان فرماتے ہیں:۔

"شمس الائمۃ الکردری، عن برھان الدین علی المرغینانی صاحب الھدایۃ، عن فخر الاسلام البزدوی" ۲۴

اس پر جد الممتار میں امام احمد رضا متنبہ فرماتے ہیں:۔

"انظر ھذا، فان وفاۃ صاحب الھدایۃ ۵۹۳ھ ووفاۃ فخر الاسلام ۴۸۲ھ بینھما اکثر من مأۃ سنۃ — نعم تلمذ علی مفتی الثقلین النسفی وھو علی ابی الیسر البزدوی اخی فخر الاسلام المتأخر عنہ ولادۃ ووفاۃ۔ وولادۃ فخر الاسلام فی حدود ۴۰۰ھ وولادۃ ابی الیسر ۴۳۱ھ ووفاتہ ۴۹۳ھ۔" ۲۵

"یہ دیکھو، صاحبِ ہدایہ کی وفات ۵۹۳ھ میں ہے (ولادت ۵۱۱ھ) اور فخر الاسلام (علی بن محمد بزدوی) کی وفات ۴۸۲ھ میں ہے۔ دونوں میں سو سال سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔ ہاں صاحب ہدایہ کو مفتی ثقلین (عمر بن محمد) نسفی (۴۶۱ھ/ ۵۳۷ھ) سے شرف تلمذ حاصل ہے، اور مفتی ثقلین کو فخر الاسلام کے بھائی ابوالیسر محمد بزدوی سے جن کی ولادت و وفات فخر الاسلام کی ولادت و وفات کے بعد ہے۔ فخر الاسلام کی ولادت ۴۰۰ھ کی حدود میں ہے اور ابوالیسر کی ولادت ۴۳۱ھ اور وفات ۴۹۳ھ میں ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کو فخر الاسلام بزدوی کی شاگردی حاصل نہیں ہے۔ اس لیے علامہ شامی کا اپنی سندِ فقہ میں "صاحب الہدایہ عن فخر الاسلام البزدوی" لکھنا ان کی یا کسی اور راوی کی خطا ہے۔ میرے نزدیک تقدیر ثانی ہی راجح ہے۔

وللبسط مقام آخر۔

(۷) ــــ جد الممتار دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے حوالہ کی اصل کتابوں کو خود ملاحظہ کیا ہے اور بہت سے نئے حوالے بھی پیش کیے ہیں جو ان کی وسعتِ نظر اور کمال استحضار پر دال ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) حرام سے علاج کے عدم جواز کا مسئلہ بحر الرائق اور خانیہ وغیرہ میں مذکور ہے علامہ شامی فتاویٰ قاضی خان کی عبارت نقل فرماتے ہیں۔

وفی الخانیۃ معنی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم کما رواہ البخاری اَن ما فیہ شفاء الخ ۲۶

خانیہ میں ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "اللہ تعالیٰ نے تمہاری شفا اس میں نہ رکھی جو تم پر حرام فرمایا" (جیسا کہ اسے بخاری نے روایت کیا) کا معنیٰ یہ ہے الخ

کما رواہ البخاری کے تحت اعلحضرت فرماتے ہیں:۔

"لم ار فی البحر ولا فی الخانیۃ عزوہ للبخاری ولا لاحد ــــ والحدیث انما عزاہ فی الجامع الصغیر لکبیر الطبرانی وقال المناوی اسنادہ منقطع ورجالہ رجال الصحیح۔ واللہ تعالیٰ اعلم" ۲۷

میں نے بحر الرائق، خانیہ یا کسی اور کتاب میں بخاری کا حوالہ نہ دیکھا۔ جامع صغیر میں صرف طبرانی کبیر کا حوالہ ہے۔ شرح میں مناوی نے فرمایا اس کی اسناد منقطع ہے اور اس کے رجال، رجال صحیح بخاری ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جلال الدین حافظ سیوطی اور علامہ مناوی کے معجم کبیر پر اقتصار سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث بخاری کی نہیں، خود صحیح بخاری میں بھی اعلحضرت نے یہ حدیث نہ پائی، مگر اپنے نہ پانے کا ذکر اس لیے نہ کیا کہ بخاری میں کسی حدیث کے نہ ہونے کا دعویٰ بڑے لوگوں کا کام ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ فلاں حدیث بخاری کے فلاں ابواب میں مل سکے گی مگر ان میں نہیں کسی اور باب میں ہوتی ہے۔ حاصل کلام یہ کہ بحر اور خانیہ نے بخاری کا حوالہ دیا نہیں تو

کما رواہ البخاری علامہ شامی کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر بحر اور خانیہ نے ہی حوالہ دیا ہو تو ائمہ حدیث کے اسے نہ پانے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں نہیں لہٰذا یہاں بخاری کا حوالہ نہیں ہونا چاہیے۔

(ب) درمختار میں ہے مقتدی کا تشہد پورا نہ ہوسکا کہ امام نے سلام پھیر دیا یا تیسری رکعت کے لیے اُٹھ گیا تو مقتدی امام کی متابعت نہ کرے گا بلکہ تشہد پورا کرلے گا اس لیے کہ یہ واجب ہے۔ اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں۔ یعنی تشہد پورا کرے گا اگر چہ یہ اندیشہ ہو کہ تیسری رکعت امام کے ساتھ نہیں پائے گا۔ جیسا کہ ظہیریہ میں اس کی صراحت موجود ہے اور یہ مطلق حکم اس صورت کو بھی شامل ہے جب مقتدی تشہد اوّل یا اخیر کے درمیان شامل ہوا ہو تو جب امام تیسری کے لیے کھڑا ہو جائے یا سلام پھیر دے تو ظاہر اطلاق کا مقتضی یہی ہے کہ مقتدی تشہد پورا کرے گا۔ مگر صراحۃً اسے میں نے نہ دیکھا۔ [۲۸]

"لم ارہ صریحا"، پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

صرح بہ فی مجموعۃ الانقروی عن القنیۃ برمز ظم [۲۹]

مجموعۃ الانقروی میں اس کی تصریح قنیہ کے حوالہ سے ہے اور اس میں "رمز ظم" کے ساتھ ہے۔ یعنی تین کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے، مجموعۃ الانقروی، قنیہ، فتاویٰ ظم۔ (ظہیر الدین مرغینانی)

(ج) نماز جنازہ فوت ہو جانے کے اندیشے سے تیمم جائز ہے، مگر جس ولی کو حق تقدم حاصل ہو اس کے لیے جواز میں اختلاف ہے۔ ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ اس کے لیے بھی جائز ہے اس لیے کہ جنازہ میں انتظار مکروہ ہے اور شمس الائمہ حلوائی نے اسی کو صحیح کہا۔ مگر حسن کی روایت امام اعظم ابو حنیفہ سے یہ ہے کہ ولی کے لیے جائز نہیں۔ ہدایہ، خانیہ اور کافی نسفی نے اسی کی تصحیح کی ہے۔ [۳۰]

صحّحہ الھدایۃ والخانیۃ پر اعلیٰحضرت مزید فرماتے ہیں۔

اقول واعتمدتہ المتون لمختصر القدوری والمنیۃ والاصلاح

والنقایہ والوافی والغرر فکان ھوالمعتمد۔

اور اسی پر متون نے اعتماد کیا ہے۔ جیسے مختصر قدوری، منیہ، اصلاح، نقایہ، وافی اور غرر تو قول معتمد یہی ہوگا ــــــــــــ اور اعتماد متون کی بنا پر اسی کو ترجیح حاصل ہوگی۔

وسعتِ نظر اور استحضار کی مزید چند مثالیں مختصراً پیش ہیں:۔

(۱) درمختار میں "ماء جاری" کی تعریف ہے مایعدُّ جاریا عرفاً، اسی کو ظہر کہا علامہ شامی نے فرمایا واصح کما فی البحر والنھر۔ اعلحضرت نے والبدائع کا اضافہ کیا۔

(۲) اسی صفحہ کے اخیر میں علامہ شامی ایک جگہ فرماتے ہیں۔

نکرہ فی المحیط وغیرہ یہ محیط اور اس کے علاوہ میں مذکور ہے۔ ایسے مقامات پر قاری کو یہ تلاش ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ وہ کونسی کتاب ہے جس میں یہ مسئلہ ذکر ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت پتہ دیتے ہیں۔ کالخانیۃ۔

(۳) اگلے صفحہ پر ماء جاری کے ماء جاری سے پاک ہو جانے کے مسئلہ کی ترجیح ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں وبھا فی الفتح وغیرہ[۳۱] اعلیٰ حضرت نے بیان کیا "والخلاصۃ آخر ص ۔ ۷"

(۴) ردالمحتار ص ۱۴۲ پر ہے لکن فی البحر عن المحیط وقع سود الحمار فی الماء یجوز التوضی بہ مالم یغلب علیہ الخ اس پر جدالممتار ص۳۵ میں ہے ومثلہ فی السراج عن الوجیز۔

(۵) ردالمحتار ص۱۵۴ پر تیمم پھر نبیذ تمر سے وضو دونوں جمع کرنے کے بارے میں ہے "وبہ قال محمد" پر جدالممتار میں ہے وروی عن ابی یوسف ایضاً۔ [۳۲]

(۶) ردالمحتار ص۱۵۵ جب مانع وضو من جھۃ العباد ہو تو تیمم جائز ہے اور زوالِ مانع کے بعد اعادہ نماز کرے۔ کذا فی الدرر والوقایۃ۔ اس پر جدالممتار ص۴۱ میں ہے کہ وقایہ میں یہ مسئلہ نہیں نہ ہی ہدایہ میں۔ یہ شرح وقایہ آخر باب تیمم میں ذخیرہ سے منقول ہے اور فتح القدیر وغیرہ شروح میں ہے۔

(۷) ردالمحتار ص۱۳۹ مسئلہ حمل الکلب فی الصلوٰۃ میں ہے ثم الظاھر ان التقیید بالحمل فی الکلام الخ اس پر جدالممتار ص۳۴ میں ہے۔ نص علیٰ ھٰذا فی الغنیۃ صرف ظاہر نہیں بلکہ غنیہ میں اس پر نص موجود ہے۔

(۸) اسی ص۱۳۹ پر مسئلہ طہارتِ شعرِ کلب میں ہے نعم قال فی المنح و فی ظاھر الروایۃ اطلق ولم یفصل الخ اس پر جدالممتار ص۳۳ میں ہے ومثلہ فی الخانیۃ

ان اقتباسات سے روشن ہے کہ امام احمد رضا نے جدالممتار میں سہو وخطا کی تصحیح مسائل کی تنقیح، اختلافات میں تطبیق، ترجیح، اصل حوالوں کی مراجعت اور نشاندھی سبھی کچھ فرمائی ہے اور دیکھنے والا بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہے۔ کم ترک الاوّل للاٰخر وذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔۔۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کتب فقہ میں جدالممتار کا مقام

فقہی کتابیں اپنے مرتبہ ومقام کے لحاظ سے تین قسموں پر منقسم ہیں۔ (۱) متون (۲) شروح ، (۳) فتاویٰ ــــ سب سے مقدم متون ہیں، پھر شروح، پھر فتاویٰ۔ اس بارے میں فاضل بریلوی کی ایک مفید ترین تحریر ہے جسے حفظ رکھنا طالبانِ فقہ کے لیے ضروری ہے اسی تحریر کی روشنی میں جدالممتار کے مقام کا بھی تعین ہو سکے گا۔ اس لیے یہاں اس کا ترجمہ لکھا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

متون: ــــ جیسے مختصرات ائمہ طحاوی، کرخی، قدوری، کنزالدقائق، وافی، وقایہ نقایہ، اصلاح، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن، ملتقی اور ایسی ہی دیگر کتابیں جو بیانِ مذہب کے لیے تصنیف کی گئی ہیں۔

ان میں منیہ نہیں کیونکہ اس کا مقام فتاویٰ سے زیادہ نہیں، اور تنویرالابصار میں بہت سی روایات قنیہ سے نقل کر دی ہیں حالانکہ وہ روایات خلاف مذہب ہیں۔ ان کے خلاف پر امام محمد کی کتابوں میں صراحت موجود ہے۔ میں نے کفل الفقیہ الفاھم

فی احکام قرطاس الدراھم میں تنویر کی بعض ایسی روایات کی نشاندہی کی ہے۔

ایک گمراہ زمانہ (مولوی گنگوہی، در رسالہ جماعت ثانیہ) نے اشباہ کو متون سے شمار کرلیا ہے جناب کو سمجھ میں نہ آیا کہ یہاں متن سے کیا مراد ہے؟ ـــ کتاب الاشباہ تو فتاویٰ کی نقول اور ابحاث سے لبریز ہے۔ اس لیے اس کا مرتبہ فتاویٰ ہی کا ہے یا شروح کا ـــ ہاں ہدایہ کو علماء نے متون سے شمار کیا ہے اگرچہ وہ صورۃً شرح ہے۔

شروح :۔ ائمہ کرام کی تصنیف کردہ شروحِ کتبِ اصول۔ یعنی جامع صغیر، جامع کبیر، اصل (مبسوط) زیادات، سیر کبیر، سیر صغیر (ہر شش کتابوں) کی شرحیں جو ائمہ نے تصنیف کی ہیں۔

اسی طرح مختصرات مذکورہ کی تحقیقی شرحیں، اور مبسوط، امام سرخسی، بدائع ملک العلماء تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، غایۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، غنیہ، بحر، نہر، درر، در، جامع مضمرات، جوہرہ نیرہ، ایضاح اور انہیں کی مثل دیگر کتابیں ـــ

میرے نزدیک شروح ہی میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیہ علامہ شرنبلالی حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار منحۃ الخالق اور اسی جیسے دیگر حواشی، مجتبیٰ، جامع الرموز، ابی المکارم اور اس کے ہم مثل نہیں ـــ بلکہ سراج وہاج و مسکین بھی نہیں۔

فتاویٰ :ـــ جیسے خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاویٰ، محیطات (محیط نامی کئی کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعات ناطفی، واقعات صدر شہید، نوازل نقیہ، مجموع النوازل، دلوالجیہ، ظہیریہ، عمدۃ، کبریٰ، صغریٰ، تتمۃ الفتاویٰ صیرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع الصغار، تاتارخانیہ، ہندیہ، وامثالہا انہی میں سے منیہ بھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔

قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں۔

معروضات :۔ ان میں جو چھان بین اور تنقیح و تصحیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک "شروح" کا درجہ رکھتے ہیں۔ جیسے فتاویٰ خیریہ، العقود الدریہ للعلامۃ الشامی۔

واطمع ان یسلک ربی بمنہ وکرمہ فتاویٰ ھذہ فی سلکہا "فللارض من کاس الکرام نصیب"،

مآخذ و مراجع

۱۔ علامہ سید محمد امین بن عمر عابدین "ردالمحتار علی الدر المختار جلد اوّل، ص ۱۳، مطبوعہ مصر

۲۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۱۴

۳۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۱۳

۴۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۱۳

۵۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۱۱

۶۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲۰۔۲۱

۷۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲۲

۸۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲۲

۹۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲

۱۰۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲

۱۱۔ ایضاً — — — — — — — — — ص ۲۶۴

۱۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جدالممتار علی ردالمحتار قلمی ص ۹۵ مملوکہ المجمع الاسلامی مبارکپور

۱۳۔ علامہ سید محمد عابدین شامی ردالمحتار علی الدر المختار ج اوّل ص ۳۶۷، مطبوعہ مصر۔

۱۴۔ ایضاً — — — — — — — ج اوّل ص ۳۶۷

۱۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جدالممتار قلمی ص ۱۳۲، مملوکہ المجمع الاسلامی

۱۶۔ علامہ سید محمد عابدین شامی ردالمحتار علی الدر المختار ج اوّل ص ۱۲۰۔

۱۷۔ ایضاً — — — — — — — ص ۱۲۰۔

۱۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جدالممتار قلمی جلد اوّل ص ۱۳۔

۱۹۔ ایضاً — — — — — — — — ص ۲۲۔

۲۰۔ علامہ سید محمد عابدین شامی ردالمحتار علی الدر المختار ج اوّل ص ۲۴۵۔

۲۱ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جد الممتار علی رد المحتار قلمی ص ۸۴،
۲۲ ایضاً . . . . ص ۸۴۔
۲۳ علامہ سید محمد عابدین شامی رد المحتار علی الدر المختار ج اول ص ۴۔
۲۴ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جد الممتار علی رد المحتار قلمی ص ۱۱
۲۵ علامہ سید محمد عابدین شامی رد المحتار علی الدر المختار ص ۱۴۰
۲۶ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جد الممتار علی رد المحتار ص ۴۳۔
۲۷ علامہ سید محمد عابدین شامی رد المحتار علی الدر المختار ص ۳۲۲
۲۸ امام احمد رضا خان قادری بریلوی جد الممتار ص ۱۲۳
۲۹ علامہ سید محمد عابدین شامی رد المحتار علی الدر المختار ص ۱۶۱
۳۰ ایضاً . . . . ص ۱۶۲
۳۱ ایضاً . . . . ص ۱۵۴

ooo

ساقی سنا دے شیشۂ بغداد کی ٹپک
بوئے کباب سوختہ آتی ہے مے کشو
گلگو سحر کو ہے سحر سوز دل سے آنکھ
کرسی نشیں ہے نقش مرادان کے فیض سے

مہکی ہے بوئے گل سے مدام ابوالحسین
چھلکا شراب چشت سے جام ابوالحسین
سلطانِ سہرورد ہے نام ابوالحسین
مولائے نقشبند ہے نام ابوالحسین

امام احمد رضا بریلوی

فقیہ اسلام بحیثیت عظیم شاعر و ادیب

(از: پروفیسر مجید اللہ قادری (جامعہ کراچی))

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی عطائے کریمی سے نبی کریم رؤف رحیم حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ جامع کمالات اور جامع صفات ہے اور کیوں نہ ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم اور مظہر کل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات کی تمام خوبیاں حضور نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جمع فرمادی ہیں۔ اب چونکہ سلسلہ نبوت و رسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے۔ اس لیے صرف اور صرف آپ ہی کی نبوت و رسالت کا سکہ رائج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب کوئی بھی اس نعمت عظمیٰ کا حقدار نہیں بن سکتا اور نہ کوئی اس منصب کا مدعی ہو سکتا ہے۔ مگر دین اسلام کی اشاعت کے لیے بندگان خدا خدمت انجام دیتے آتے رہیں گے جو لوگوں کو نہ صرف صراط مستقیم پر گامزن رکھنے کی سعی کریں گے بلکہ ان کی دینی و دنیاوی مشکلات کا حل بھی پیش کریں گے۔ یہ خدمت دراصل وہی لوگ انجام دے سکیں گے۔ جو دنیا میں حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مظہر بن کر رہیں گے۔ یہ نعمت حضور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس کو چاہیں عطا فرمادیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسے افراد کا تعین بھی خود ہی فرمادیا کہ یہ لوگ جو میری ذمہ داری کو آگے بڑھانے اور لوگوں تک پہنچانے کی خدمت انجام دیں گے، حقیقتاً بنی اسرائیل کے انبیاً

کی مثل ہوں گے۔ [1]

"علماء امتی کانبیاء بنی اسرآئیل"

انبیاء کی مثل ہونا ہرکس و ناکس کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ مقام ان کے ہی نصیب میں ہے جو علم و عمل میں نبی پاک صاحب لولاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر ہوتے ہیں ــــ درحقیقت یہ افراد اس آیت کریمہ کی تفسیر بن کر دنیا میں رہتے ہیں۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ انبیاء)

ترجمہ:۔ تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ [2]

نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کے ایسے ہی علماء ہر امتی کے سوال کا تسلی بخش اور نافع جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ سوال دینی علوم سے متعلق ہو خواہ دنیاوی علوم سے، اسی طرح خواہ کسی زبان میں ہو یا کسی بھی اسلوب میں، ایسے ہمہ صفت علوم نبوی کے مظہر علماء ہر صدی اور ہر دور میں ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

چودھویں صدی ہجری میں بھی عالم اسلام میں خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کے ایک ایسے ہی وارث الشیخ امام احمد رضا خان قادری برکاتی محدّث بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء)[3] قدس سرہ العزیز گذرے ہیں جو نہ صرف اپنے زمانے کے فقیہ اعظم ہیں بلکہ مجدد دین و ملت بھی ہیں[4]۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ امام احمد رضا خان قدس سرہٗ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق اور سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان و مایکون کے مظہر اتم ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے جب بھی کسی بھی مسئلہ میں سوال کیا جاتا اور اس کا تعلق کسی بھی زبان سے ہوتا، کسی بھی علم سے ہوتا، ادب کی کسی بھی نوع سے ہوتا، آپ اس کا بھرپور انداز میں جواب تحریر فرما دیتے، فہم و فراست پر عبور کا یہ عالم تھا کہ سوال ختم نہیں ہوتا اور جواب پیش فرما دیتے اور وہ بھی چند لمحوں میں یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی کامل فہم عطا فرما دیتا ہے[5] اور پھر یہ افراد اپنے آقا و مولیٰ

حضور سید الانبیاء علیہ السلام کے علوم کا کامل نمونہ بن کر دنیا میں زندگی بسر کرتے ہوئے تمام انسانوں کی مشکلات کا سدّباب کرتے ہیں۔

تمام علوم میں علم فقہ وہ علم ہے جس کو تمام علوم وفنون کا مغز قرار دیا جاسکتا ہے اور ایک فقیہہ کے اندر یہ صلاحیت موجود ہوتی ہے کہ جب کبھی اس کے سامنے کوئی بھی مسئلہ پیش کیا جائے وہ اس کا فوری حل پیش کردے کیونکہ ایک فقیہہ نہ صرف علم قرآن وحدیث پرہی عبور رکھتا ہے بلکہ علوم عقلیہ ونقلیہ کے تمام سمتوں میں اس کی گہری نظر ہوتی ہے اسکے علاوہ علم ادب ولغت پر بھی سیر حاصل نظر رکھتا ہے، مختصر یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک فقیہہ صحیح معنوں میں تمام ہی تمام علوم وفنون کا ماہر ہوتا ہے اور امام احمد رضا علیہ الرحمتہ و الرضوان میں فقیہہ کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ [٦]

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کو جملہ علوم وفنون پر جو کامل دسترس حاصل رہی اس کا آپ نے بھرپور اظہار بھی کیا وہ اس طرح کہ نہ صرف آپ کے فتاویٰ میں ان کی جھلک نمایاں ہے بلکہ اپنے زمانے کے تمام علوم وفنون پر کوئی نہ کوئی یادگار تحریر ضرور چھوڑی ہے۔ ایک محتاط تحقیق کے مطابق ۷۰ علوم وفنون پر آپ کی تحریریں دیکھی جاسکتی ہیں۔[۷] اس کے علاوہ اگر مزید تحقیق کی جائے تو بہت ممکن ہے یہ تعداد سو سے بھی زیادہ تجاوز کرجائے کیونکہ ابھی تک ان کی ہزار سے بھی زائد تصنیفات[۸] میں سے نصف سے بھی کم طبع ہوکر منظر عام پر آسکی ہیں۔ آپ کی عبقریت کی جھلک ان مندرجہ ذیل القاب میں دیکھی جاسکتی ہے جو علامہ مفتی عبدالسلام جبلپوری (المتوفی ۱۳۷۲ھ)[۹] علیہ الرحمتہ نے اپنے ایک استفتاء میں بحیثیت مفتی کے آپ کو خطاب کرتے ہوئے تحریر کی ہیں، ملاحظہ ہو۔

" آیتہ من آیات اللہ رب العٰلمین، نعمتہ اللہ علی المسلمین، اعلم العلماء المتبحّرین، افضل الفضلاء المتصدّرین، تاج المحققین، سراج المدققین، مالک ازمتہ الفتاویٰ والمفتین، ذوالمقامات

الفاخرة والکمالات الزاھرة الباھرة، صاحب الحجة القاھرة،
مجدد المأتہ الحاضرة، العلامتہ الاجل الابجل، حلال
عقدة مالاینحل، بحر العلوم، کاشفِ سرّ المکتوم، صدر
الشریعتہ، محی السنۃ، المحدث، الفقیہ العدیم النظیر[۱۰]...

امام احمد رضا خان قادری محدث بریلوی کی ایک خصوصیت عالم اسلام میں عموماً اور پاک و ہند میں خصوصاً ایک فقیہ کی حیثیت سے یہ بھی ہے کہ آپ نے ہر صنفِ ادب کا جواب دیا ہے۔ یعنی سوال اگر منثور ہے تو منثور ہی جواب دیا اور اگر منظوم ہے تو منظوم ہی جواب دیا ہے۔ اسی طرح اردو، فارسی یا عربی کسی بھی زبان سے سوال تعلق رکھتا ہو اسی زبان اور اسی صنفِ سخن میں جواب بھی ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے آپ صرف فقیہ ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب بھی ہیں اور شاعر بھی ایسے کہ برصغیر پاک و ہند میں آپ کے کلام کو امام الکلام کا درجہ حاصل ہے[۱۱] فرق یہ ہے کہ آپ عام شعراء کی طرح دنیا دار لوگوں کی قصیدہ خوانی نہیں کرتے بلکہ صرف اور صرف اپنے آقا و مولیٰ تاجدار مدینہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ و بارک وسلم یا پھر ان کے غلاموں کی قصیدہ خوانی کرتے ہیں جیسا کہ خود اپنے کلام میں ایک جگہ ارشاد ہوا۔ ؎

کروں مدح اہل دول رضاؔ پڑے اس بلا میں میری بلا۔
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں[۱۲]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے شاعری کی تمام اصناف اور تمام مترنّم بحروں میں اتنی خوبصورت نعتیں کہی ہیں کہ آج کل کے شعراء کرام بھی حیران و ششدر ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ ایک عظیم فقیہ اور مجدّد دین و ملّت سے ایسے ستھرے ذوق شاعری اور کمال حسن ادب کا مظاہرہ تاریخ میں کم ہی دیکھنے میں آیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق اپنے Ph. D کے مقالہ بعنوان "اُردو میں نعتیہ شاعری" میں رقمطراز ہیں :۔

"نعتیہ کلام میں مولانا کا دیوان حدائق بخشش کے تین حصے ہیں اور

جیسا کہ نام سے ظاہر ہوتا ہے یہ دیوان شروع سے آخر تک ایسی محبت اور عقیدت سے بھرا ہوا ہے کہ ایک دین دار اگر اسے اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھے تو کوئی بعید نہیں ہے۔ اس میں قصیدے، مثنویاں، خمسے، مسدس، قطعات اور رباعیات وغیرہ مختلف اصناف سخن ہیں، عربی، فارسی کلام بھی ہے۔ لیکن کم ہے البتہ قطعات، منقبات و تاریخ ان زبانوں میں زیادہ ہیں اور مسلسل کئی کئی شعر تاریخی ہیں، جن کا مولانا کو بہت شوق تھا اور انہیں خاص ملکہ بھی حاصل تھا۔ نعت کے علاوہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے قادری سلسلے کے بعض بزرگوں کی منقبتیں بھی ہیں اور بعض مقامات پر بڑی سنگلاخ زمینیں ہیں مثلاً تنو پشت آئینہ، تنظیر پشت آئینہ، ناز روئے آئینہ، ساز روئے آئینہ لیکن عام طور پر مولانا کے یہاں آسان زمینوں میں مشکل مضامین پائے جاتے ہیں[۱۳] مثلاً

مہر ہے مشعل افروز شبستان کس کا	ماہ ہے پرتوۂ شمسہ ایوان کس کا
سنبل آشفتہ ہے کس گل کے غم گیسو میں	دیدۂ نرگس بیمار ہے حیران کس کا
تو نیاز سبق اشمسیہ ہے شمس منیر	نور آموز ہے یارب یہ دبستان کس کا
آئینہ دار ہے آئینہ مری حیات کا	جلوہ گر دل میں ہے عکس رخ تاباں کس کا
ہمہ تن چشم کی صورت ہے بدن سے پیدا	منتظر ہے یہ الٰہی دل حیران کس کا[۱۴]

شاعری میں ایک انفرادیت آپ کو یہ بھی حاصل ہے کہ چار مختلف زبانوں کا امتزاج نعت شریف کے ہر شعر میں پیش کیا ہے جو یقیناً اوّلیات رضا سے تعلق رکھتا ہے۔ ان چاروں زبان یعنی عربی، فارسی، ہندی اور اُردو کے امتزاج سے بندش اور الفاظ کے در و بست پر جو بار پڑا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں علاوہ ازیں مضمون آفرینی اور شکوہِ الفاظ کے تقاضے اس کے سوا ہیں[۱۵]۔ اس نعتیہ غزل میں چار زبانوں کے التزام کے

باوجود ہر زبان کا ٹکڑا نہایت سلیس اور پرکیف ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں!

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِی نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو، ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ، چو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی، مری شب نے نہ دن ہونا جانا

دنیائے شاعری میں چار مختلف زبانوں کے ساتھ آج تک کسی بھی شاعر کا کلام نہیں ملتا، البتہ دو زبانوں میں عموماً اور تین مختلف زبانوں میں کہیں کہیں کلام مل جاتا ہے۔ اس لحاظ سے امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ فقیہہ اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ بحیثیت شاعر بالکل منفرد مقام کے مالک ہیں۔ اسی طرح شاعری میں ایک بہت ہی مشکل نوع علم ہیئت ونجوم وفلسفہ کی مصطلحات کا استعمال ہے جو اردو شاعری میں بہت کم مستعمل ہے اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان علوم کی اصطلاحات کو استعمال کرنے کیلئے ان علوم کی سمجھ اوران پر دسترس بہت ضروری ہے۔ شاعری کی اس نوع پر امام احمد رضا خان قادری بریلوی سے قبل ملا بدرالدین چاچی (المتوفی) نے البتہ علم ہیئت ونجوم کی اصطلاحات اپنے کلام میں پیش کیں اور اس فن کا اظہار اس نے مسلمان بادشاہ فیروز شاہ تغلق کی شان میں ایک طویل قصیدہ میں کیا ہے لیکن نعت شریف میں ان مصطلحات کا استعمال کہیں نظر نہیں آتا اس لیے کہ یہ نوع شاعری کا سب سے محنت طلب ہے مگر امام احمد رضا خان قادری بریلوی میں خداداد صلاحیت کا مظاہرہ دیکھئے کہ ان مشکل ترین مصطلحات میں بھی آپ نے طویل نعتیہ قصیدہ تحریر فرمایا جو ۱۵۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے اوراس عظیم شاعر کو داد دیجئے۔

خالق افلاک نے طرفہ کھلائے چمن — ایک گل سوسن میں ہیں لاکھوں گل یاسمن
نقطہ پہ خط کھنچے خط سطح کے خط غلط — تن کے میں ہوں فقط جاں کے مٹی ہے تن
سبزہ وگل دل نشین محو تماشا حسین — بانوئے اقلیم چیں دلربا بابل وطن

چشمہ بے آب میں عرض سر موہنیں　　ڈوبنے جائے کہاں شرم کے مارے کرن

امام احمد رضا نے تینوں زبانوں میں شاعری کی ہے یہاں صرف نمونتہً فارسی میں لکھی گئی نعت شریف کے چند اشعار پیش کیے جارہے ہیں تاکہ علم وادب شیدائی امام احمد رضا کی شاعری سے متعارف ہوسکیں۔

بکار خویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ　　پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

گنہ درجانم آتش زد قیامت شعلہ می خیزد　　مددائے آب حیوانم اغثنی یا رسول اللہ

گرفتارم رہائی دہ مسیحائی مومیائی دہ　　شکستم رنگ سامانم اغثنی یا رسول اللہ

رضایت سائل بے پر توئی سلطان لاتنہر　　شہا بہر ازیں خوانم اغثنی یارسول اللہ [۱۹]

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ نے اپنے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خان بریلوی (المتوفی ۱۳۲۶ھ) [۱۹] جو استاد داغ کے خاص تلمیذ بھی ہیں ان کے نعتیہ دیوان "ذوق نعت" کی تکمیل پر بزبان عربی و فارسی منظوم خراج تحسین پیش کیا جو اس لحاظ سے قطعاً منفرد ہے کہ اس منظوم خراج عقیدت کے ہر مصرعہ سے تکمیل کی تاریخ ۱۳۲۶ھ نکلتی ہے۔ خراج تحسین ملاحظہ ہو:-

نعت حسن آمدہ نعت حسن　　حسن رضا بادیزین الاسلام
۱۳۲۶ھ　　۱۳۲۶ھ

انّ من الذوق لسحر ہمہ　　انّ من الشعر لحکمہ تمام
۱۳۲۶ھ　　۱۳۲۶ھ

کلک رضا داد چناں سال آن　　یافت قبول ازشہ راس الانام [۲۰]
۱۳۲۶ھ　　۱۳۲۶ھ

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کو فارسی زبان کی طرح عربی زبان پر بھی بھرپور دسترس حاصل رہی اور عربی زبان میں منظوم اور منثور دونوں نوع میں آپ نے ادب کی خوب خدمت کی۔ آپ نے اپنی ہزار تصانیف میں کم ازکم ۲۵ فیصد رسائل عربی زبان میں تحریر فرمائے ہیں۔ سینکڑوں عربی زبان میں پوچھے گئے استفتاء کا جواب بھی عربی زبان ہی میں دیا ہے اس کے علاوہ ۵۰ رسائل عربی زبان میں جدید علوم یعنی سائنس کے مختلف علوم پر بھی تحریر فرماتے ہیں۔ عربی زبان پر آپ کو اتنا ملکہ حاصل تھا کہ علماء عرب آپکی عربی گفتگو او رتحریر سے ششدر

رہ جاتے۔[21] عربی نثر کے ساتھ ساتھ عربی نظم پر بھی زبردست عبور حاصل تھا۔ ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے جو فتاویٰ رضویہ کے جہازی سائز کے ۱۴۵ صفحات پر مشتمل ہے اس کے ایک مقام پر جب نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تو اس عاشق صادق نے سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ الثناء کی بارگاہ اقدس میں جو منظوم نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ عربی شعر و ادب کا ایک بہترین شاہکار ہے:۔

وکل خیر من عطا المصطفیٰ — صلی علیہ اللہ مع من یصطفیٰ

اللہ یعطی والحبیب القاسم — صلی علیہ القادۃ الاکارم

مانال خیراً من سورہ نائل — کل ولا یرجی لغیر فائل

منہ الرجی منہ العطا منہ المدد — فی الدین والدنیا والاخری الابد[22]

ترجمہ:۔ ہر خیر ہر نعمت ہر مراد ہر دولت دین و دنیا میں، آخرت میں روز ازل سے آج تک آج سے ابد الآباد تک جسے ملی یا ملتی ہے حضور اقدس سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس سے ملی اور ملتی ہے۔ معطیٔ حقیقی اللہ عزوجل ہے اور اس کی تمام نعمتوں کے بانٹنے والے آپ صلے اللہ علیہ وسلم۔ دوسرے سے کوئی نعمت کوئی مراد کسی کو کبھی ملی نہ ملے[23] امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کی عربی نعتیہ شاعری کا ایک اور نمونہ ملاحظہ کیجئے:۔

الحمد للہ المتوحد — بجلالہ المتفرد

وصلاتہ دوما علی — خیر الانام محمد

والآل والاصحاب ھم — ماوی عنہ شدائدی

لاھم قد ھجم العدیٰ — من کل شاء والعد

واجعل بہا احمد رضا — عبداً بحرز السید[24]

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اردو اور فارسی کی طرح عربی زبان میں بھی فن البدیع تاریخ گوئی میں اپنے زمانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے شیخ طریقت و شریعت سید آل رسول احمدی مارہروی برکاتی علیہ الرحمتہ (المتوفی ۱۲۹۶ھ)[25]

کی تاریخ وصال عربی زبان میں منظوم اس طرح قلم بند فرمائی :۔

تواریخ الاولیاء	رضی اللہ عنہ والمحبوب
۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
خذ التاریخ فی التراشیخ نظما	یلوح کانہ البدر المنیر
وخذ من کل قطر مغل سطر	تکن ستا ولیس لہ نظیر
۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
ولی طاھر امام	وصول طیب بدر امیر
۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۹۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
وحیہ طائح بحرامان	ودود طائب بدل اجیر[۲۶]

امام احمد رضا نے اپنے والد گرامی، علامہ، مفتی الشاہ محمد نقی علی خان قادری برکاتی (المتوفی ۱۲۹۷ھ[۲۷]) کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں عربی منظوم کلام میں تاریخ گوئی پیش کی ہے وہ عربی زبان ولغت پر مکمل دسترس کی ایک اعلیٰ مثال ہے :۔

جاء ولی نقی الثواب علی الشان	رضی الاحوال بھی المکان
۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
عواجل محقق الافاضل	شھاب المدققین الاماثل
۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
قمر فی برج الشرف	بریٔ من الخوف والکلف
۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ
افضل سباق العلماء	اقدم حذاق الکرما
۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ	۴۶ ــــــــــ ۱۲ ھ

امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ نے اس وقت کی مروجہ علمی زبانوں میں شاعری کے جو جوہر دکھائے یہاں مختصراً ان کے چند نمونے پیش کیے گئے ہیں، درحقیقت

شعروادب کے حوالے سے امام احمد رضا کی شخصیت کا یہ ادبی پہلو اتنا وسیع ہے کہ اس کے لیے یہ مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ یہاں اعلیٰ حضرت کی بحیثیت سخنور اور سخن گو کے محض چیدہ چیدہ خصوصیات کی نشاندھی مقصود ہے تاکہ قارئین شعروادب میں ان کے مقام کا کچھ ادراک کر سکیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمتہ کی بحیثیت شاعر ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ آپ نے منظوم استفتاء کے جوابات منظوم ہی دیئے ہیں اور جس زبان کا منظوم سوال تھا اسی زبان میں جواب بھی دیا اور یہ مثال برصغیر پاک و ہند میں ان کے ہمعصر فقہا کرام میں کہیں نظر نہیں آتی اگرچہ وہ سخن سنج و سخنور بھی تھے حسن اتفاق کہ منظوم فتاوی نویسی کی مثال ان میں سے کسی کے یہاں بھی نہیں ملتی۔ یہ فضیلت اور انفرادیت بھی امام احمد رضا ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے منظوم استفتاء کا جواب منظوم فتویٰ سے دیکر برصغیر کی فتاویٰ کی تاریخ میں خصوصًا اور عالم اسلام میں عمومًا ایک منفرد مقام حاصل کیا بلکہ یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ ایک فقیہہ عصر اور عالمِ اجل کے لیے ضروری ہے کہ وہ مستفتی کی زبان، اس کے روئے سخن اور طرزِ سخن کو اچھی طرح سمجھتا ہو، اور اسی زبان و بیان میں اس کا جواب دے جس میں سوال کیا گیا ہو۔ فاضل بریلوی کا زبان و بیان اور علم و فضل میں یہ کمال دراصل حضور اکرم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے اور دیکھا جائے تو آپ صحیح معنوں میں وارث علوم نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قارئین کے ذوق کے لیے اردو اور فارسی زبانوں کے ۲ دو نادر نمونے پیش کیے جارہے ہیں جو شعروادب میں ان کے عدیم المثال کمال کے ساتھ ساتھ فقاہت پر بھی دال ہیں، پہلے اردو منظوم فتویٰ ملاحظہ کیجئے:۔

مسئلہ:۔ مسئولہ نواب سلطان احمد خان صاحب، شہر بریلی۔

عالمان شرع سے ہے اس طرح میرا سوال	دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ کی آیت کا پڑھا	تب بھی سجدہ کرنا کیا اس شخص پر واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے	پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے

پس سبکدشی کی اس کے شکل کیا ہو گی جناب
چاہیئے ہے آپ کو دینا جواب با صواب

الجواب :-

ترجمہ بھی اصل سا ہے وجہ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں

آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا
اب زبان سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہو گیا

ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہیئے
نظم و معنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے

تاکہ من وجہ تو صادق ہو سنا قرآن کا
ورنہ اک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو

ہے یہی مذہب بہ یفتی علیہ الاعتماد
شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد

سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی

کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت

یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادا یا توبہ وقت عجز کچھ چارہ نہیں

یہ نہیں معنی کہ ناجائز ہے یا بیکار ہے
آخر اک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے

قُلْتُهٗ اَخْذًا مِّنَ التَّعْلِيْلِ فِيْ اَمْرِ الْقَلَاةِ
وَهُوَ بَحْثٌ ظَاهِرٌ وَالْعِلْمُ حَقًّا لِلّٰهِ

منظوم فتوٰی بزبان فارسی

مسئلہ :- از مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی طالب علم مدرسہ مذکورہ ۲۵ / جمادی الاخریٰ ۱۳۳۶ھ

سزایم برگنہ ہم لازم آمد
پس آنگہ رحمتش نہ با ہم آمد

بگو مفتی خطائے یا صوابم
بسا اسرار اینجا با ہم آمد ۳۱

الجواب :-

مسلماں را سزا لازم کہ کردست
کہ قول اعتزالی ظالم آمد

نوٹ :- ۱ تا ۳ فتاویٰ اور فقہ کی کتابوں کے مشہور نام ہیں۔

وگر یا بد سزا کامل نیابد	کہ عفوش بہر مومن لازم آمد
وگر بالغرض ازو چیزے نہ بخشد	ز نقصاں رحمتش خود سالم آمد
کہ یرحم من یشاء لاکل فرد	یعذب من یشاء ہم قائم آمد
بدنیا رحمتش بر جملہ عام ست	بعقبیٰ خاص خط مسلم آمد
ثوابش بہر مومن منتہی نیست	عذابش بہر کافر دائم آمد
برائے ہر صفت مظہر بکارست	کہ او ذوا نتقام وراحم آمد [۳۲]

واللہ تعالیٰ اعلم

عربی زبان کا مکمل منظوم فتویٰ کافی تلاش کے بعد بھی حاصل نہ ہوسکا البتہ ان کے دیگر فتوؤں میں گاہے گاہے عربی منظوم کلام مل جاتا ہے جیسا کہ پچھلے صفحات میں گذرا۔ فتاویٰ رضویہ کی دو جلدیں اور بعض مجلدات کے کچھ رسائل ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں ممکن ہے ان مجلدات میں عربی منظوم فتاویٰ موجود ہوں۔

شیخ الاسلام حضرت امام احمد رضا کو جہاں بحیثیت شاعر ایک منفرد مقام حاصل ہے وہیں ایک عظیم فقیہ ہوتے ہوئے آپ بحیثیت ادیب بھی منفرد شان کے مالک ہیں اس حیثیت میں آپکی پذیرائی نہ صرف پاک وہند کے ہی علماء نے کی بلکہ عرب وعجم کے متعدد علماء فقہاء نے آپکی ادیبانہ صلاحیتوں کا کھلے دل سے نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ اپنے دور کا ایسا نادر روزگار ادیب [۳۳] قرار دیا ہے جس کا ان کے ہمعصروں میں کوئی ثانی نہیں ہے آپ کسی ایک زبان کے ادیب نہیں بلکہ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں قدرت وکمال کے حوالے سے ایک ہی معیار کے ادیب نظر آتے ہیں۔ آپ نے دنیاوی ادب کے حوالے سے نہ تو کوئی ناول نگاری کی، نہ ہی باقاعدہ قصہ کہانیاں تصنیف کیں، نہ کوئی ڈرامہ نویسی یا افسانہ نگاری کی اس کے باوجود آپکی انشاپردازی کا یہ عالم ہے کہ فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث، تفسیر یہاں تک کہ علم ہیئت ونجوم اور جیومیٹری وغیرہا جیسے ادق اور خشک موضوعات پر بھی جب قلم اٹھاتے ہیں تو ایسی عبارت آرائی کرتے ہیں کہ خشک مضمون میں بھی اپنی

ادیبانا عبارت کی وجہ سے چاشنی پیدا کر دیتے ہیں مثلاً علم ہیئت پر لکھے گئے اپنے مشہور رسالے "فوز مبین در رد حرکت زمین" میں ایک مقام پر رقمطراز ہیں:۔

"..... یہ ہوا کا وزن نہیں زمین سے قریب ہوا میں اجزائے ارضیہ، اجزائے بخاریہ، اجزائے دخانیہ وغیرہا مخلوط ہیں ان کا وزن ہے۔ یہ تو ان کی دلیل کا ابطال ہوا۔ دعوے کے ابطال کی کیا ضرورت ہر شخص اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ اسے اپنے سر پر ماشہ بھر بھی بوجھ نہیں ہوتا، تا کہ ۳۹۲ من انسان تو انسان ہاتھی کی بھی جان نہ تھی کہ اتنا بوجھ سہارے اور سہارنا کیسا، محسوس تک نہ ہوا" ....[۳۴]

اعلحضرت علیہ الرحمتہ کی تحریر میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ بہت ہی پیچیدہ مسئلہ کو بہت ہی آسان اسلوب بیان میں سمجھا دیتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ عبارت تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور زبان و بیان کی شستگی بھی، اس سلسلے میں فتاویٰ رضویہ کے ایک فتویٰ کا حصہ ملاحظہ ہو:۔

"یہ ہوتی ہے سچی نبوت جس کی خبریں سر مو فرق آنا محال ہے۔ قادیانی سے زیادہ تو ان کفار مکہ ہی کی عقل تھی وہ جانتے تھے کہ ایک بات میں بھی کہیں فرق پڑ جائے تو دعوئ نبوت معاذاللہ غلط ہو جائے گا مگر یہ جھوٹا نبی ہے کہ جھوٹ کے پھنکے اڑاتا ہے اور نہ وہ شرماتا ہے اور نہ اس کے ماننے والوں کو اس کا احساس ہوتا ہے بلکہ اور بکمال شوخ چشمی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ ہاں ہاں اگلے چارسو انبیاء کی بھی پیشنگوئیاں غلط ہوئیں اور وہ جھوٹے یعنی پنج آیکا جھوٹا کذاب نبی اگر دروغ گو نکلا کیا پرواہ ہے۔ اس سے پہلے بھی چارسو نبی جھوٹے گذر چکے ہیں (معاذاللہ)۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ جب نبوت اور جھوٹ جمع ہو سکتے ہیں تو انبیاء کی تصدیق شرط ایمان کیوں ہوئی ان کی تکذیب کفر کیونکر ہو گی ولکن لعنۃ اللہ علی الظلمین الذین

یکذبون المرسلین "۔ ۔ ۔ ۔ ۳۵

اعلیٰحضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کی اردو، عربی، فارسی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپکی تحریریں تینوں زبانوں کے ادب کے لیے ایک بہت بڑا سرمایہ ہیں، کیونکہ آپکے نثری شہ پاروں میں نثرنگاری کی تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ مسجّع، مقفّٰی عبارات بھی ہیں، خوبصورت محاورات اور روزمرّہ کے الفاظ و بیان بھی ہیں، سلاست و روانی اور شگفتگی اور شستگی بھی ہے، شوکت الفاظ بھی ہیں اور ندرتِ بیان بھی، دلیل و برہان کی بھرمار بھی ہے اور طنز و مزاح کا شعار بھی، حسنِ خیال بھی ہے اور حسن بیان بھی، شیرینی کلام بھی ہے اور جوشش پیام بھی، ایک طرف ضرب الامثال ہے تو دوسری طرف روز مرہ زبان کا خوبصورت استعمال بھی، جدت طرازی بھی ہے تو وضع داری بھی، غرض زبان و بیان کی کونسی خوبی ہے جو آپکی تینوں زبانوں کی تحریر میں نمایاں نہیں لیکن افسوس ہمارے اردو ادب کے مؤرّخین نے خصوصاً اس طرف سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا اور ان کی سینکڑوں تصانیف میں کوئی بھی انشاپردازی یا دیگر خصوصیات نظر نہیں آئیں یا شاید جان بوجھ کر ان کو نظر انداز کیا ہے۔ دوسری طرف چند دینی اور دنیاوی ادب پر کتابیں لکھنے والوں کی تو ناقدین اردو ادب نے اتنی زیادہ پذیرائی کی ہے کہ محسوس یوں ہوتا ہے کہ ان کے بعد شاید کوئی لکھنے والا پیدا نہ ہو مثلاً اردو ادب کے حوالے سے سر سید احمد خان (المتوفی ۱۸۹۸ء)، مولانا ابو الکلام آزاد (المتوفی ۱۹۵۸ء) مولانا شبلی نعمانی (المتوفی ۱۹۱۴ء)، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی (المتوفی ۱۹۱۲ء) اور مولانا الطاف حسین حالی (المتوفی ۱۹۱۴ء) کو ناقدین حضرات نے نہ صرف اردو ادب کا عناصر خمسہ قرار دیا ہے بلکہ لازمی عنصر بھی۔ ۳۶ مگر تعجب ہے ان نقادوں پر مثلاً ڈاکٹر حامد حسن قادری، ڈاکٹر نسیم قریشی، رام بابو سکسینہ، عبد السلام ندوی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہا جو اردو ادب کے مستند مورخین سمجھے جاتے ہیں کہ ان کی نظر سے ادیب بے بدل مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی کی کوئی بھی تحریر نظر سے نہیں گذری جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنا ان عناصر خمسہ نے ملکر اردو نثر

نگاری کا کام کیا ہے. امام احمد رضا نے تن تنہا ان کے مجموعی کام سے زیادہ تحریریں یادگار چھوڑی ہیں[۳۷] اوران تمام تحریروں میں انفرادیت، یہ ہے کہ عناصر خمسہ کی مجموعہ تحریر میں گنتی کے چند موضوعات کے مدّمقابل فاضل بریلوی نے ستّر سے زیادہ علوم وفنون کے سو سے بھی زیادہ موضوعات پر اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں، اور مجموعی طور پر فاضل بریلوی نے ہزار سے بھی زیادہ رسائل، کتابیں اور مجلّدات یادگار چھوڑی ہیں[۳۸]. یہاں ان کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں اس سلسلے میں راقم الحروف نے ایک دقیق مقالہ بعنوان" اردو ادب کی تاریخ فروگذاشت "، چند سال قبل قلم بند کیا تھا[۳۹] اور اہل ادب کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تھی کہ امام احمد رضا بھی اردو ادب کے ایک عظیم شہسوار ہیں. جو ادب کی تمام انواع پر مکمل دسترس رکھتے ہیں.

امام احمد رضا اردو ادب کے ساتھ ساتھ عربی کے بھی شہنشاہ ہیں اور عربی زبان میں آپکی تصانیف کی تعداد سینکڑوں میں تجاوز کرتی ہے اس کے علاوہ منظوم کلام بھی خاصی بڑی تعداد میں قلم بند کیا ہے. امام احمد رضا کی عربی ادب کی جولانیاں ان کے مختلف فتاوی میں نمایاں ہیں، خاص کر فتاویٰ رضویہ کی مختلف مجلدات میں آپ کے عربی فتاوی دیکھے جاسکتے ہیں عربی ادب سے آپکو اتنا لگاؤ ہے کہ اپنے رسالے کا خطبہ عربی زبان میں ضرور تحریر کرتے ہیں، خواہ وہ رسالہ اردو زبان میں لکھا ہو یا فارسی میں. اور دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر رسالے کا نام اس کے سن تحریر کی مناسبت سے عربی میں ہی قلم بند کرتے ہیں. امام احمد رضا اپنے عربی خطبے میں جیساکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ حمد وثناء اور آل واصحاب پر درود لکھا جائے آپ بھی ہر رسالے میں خطبہ کے اندر حمد وثنا اور آل واصحاب پر درود لکھتے ہیں، لیکن عربی ادب میں اس مقام پر آپ ایک انفرادی نمونہ پیش کرتے ہیں، جو عالم اسلام میں عموماً اور پاک وہند میں خصوصاً ناپید ہے اور آپ اس فن کے خود ہی موجد نظر آتے ہیں وہ اس طرح کہ ہر رسالے کا الگ خطبہ تحریر کرتے ہیں، یعنی رسالہ جس موضوع اور فن پر تحریر کرتے ہیں. آپ خطبے میں حمد وثنا کے صیغے بھی اسی موضوع کی مصطلحات کے ساتھ استعمال کرتے ہیں، اور اصطلاحی الفاظ کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ ایک لڑی میں پروتے ہیں کہ یہ اس استفتاء کا

اجمالی جواب بھی ہو جاتا ہے اور رسالے کا خلاصہ بھی اور ساتھ ہی ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حمد و نعت بھی، جدا جدا صیغوں کے ساتھ اسلوب بیان میں اتنا تسلسل ہوتا ہے کہ عبارت مسجّع اور مقفّیٰ بن جاتی ہے یہ خطبات جہاں آپ کے علمی کمال کے عکاس ہیں وہیں عربی زبان و لغت پر آپکے کامل عبور کے آئینہ دار بھی یہاں نمونتہً دو عربی خطبوں کو پیش کیا جا رہا ہے تاکہ عربی ادب پر آپ ان کی گرفت کو ملاحظہ کر سکیں :۔

سائنسی رسالہ "الموھبات فی المربعات" جو علم مربعات کے سلسلہ میں آپ نے تحریر کیا اس کا خطبہ ملاحظہ ہو :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :۔ الحمد للہ خالق القوی جاعل الظلمٰت والنور والصلوٰۃ والسلام علیٰ من کان نورہ جذر الجذور بہ تنور مربع العناصر ومکعب الکعبۃ والعیون والصدور، ھو الواحد الاحدی بالذات والصفات فکل قواہ فی نفسہ محسور وعلیٰ الہ وصحبہ الذین جذر کل فتنہ مجرور"[۴۰]

ایک اور عربی خطبہ ملاحظہ کیجئے جو امام احمد رضا نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" پر حضور سید العالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے سلسلے میں ۱۳۲۳ھ میں سفر حج کے دوران بغیر کسی کتاب کی مدد کے ½ ۸ گھنٹے میں عربی زبان میں بخار کی حالت میں دو نشستوں میں کعبہ شریف کے سامنے بیٹھ کر اپنے بڑے صاجزادے مولانا مفتی حامد رضا خان (المتوفی ۱۳۶۲ھ) کو قلم بند کرائی تھی[۴۱] اس کا خطبہ ملاحظہ کیجئے :۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم، نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم :۔

"الحمد للہ، علام الغیوب، غفار الذنوب، ستار العیوب، المظھر من ارتضیٰ من رسول علیٰ اسرار المحجوب وافضل الصلوٰۃ و

اکمل السلام علی ارضی من ارتضی واحب محبوب سید المطلعین علی الغیوب، الذی علمہ ربہ تعلیما وکان فضل اللہ علیہ عظیما، فھو علی کل غائب امین، وما ھو علی الغیب بضنین، ولا ھو بنعمۃ ربہ بمجنون، مستور عنہ ما کان او یکون فھو شاھد الملک والملکوت ومشاھد الجبار والجبروت ما زاغ البصر وما طغیٰ افتمرونہ علی ما یریٰ نزل علیہ القرآن تبیانا لکل شئ فاحاط بعلوم الاولین والاخرین وبعلوم لا تنحصر بحد وینحسر دونھا العد ولا یعلمھا احد من العلمین فعلوم آدم وعلوم العالم وعلوم اللوح وعلوم القلم کلھا قطرۃ من بحار علوم حبیبنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لان علوم وما یدریک ما علومہ علیہ صلوٰت اللہ تعالیٰ وتسلیمہ ھی اعظم رشحۃ واکبر غرفۃ من ذلک البحر الغیر المتناھی اعنی العلم الازلی الالھی فھو یستمد من ربہ والخلق یستمدون منہ فما عندھم من العلوم انما ھی لہ وبہ ومنہ وعنہ۔

وکلھم من رسول اللہ ملتمس، غرفا من البحر او رشفا من الدیم

وواقفون لدیہ عند حدھم من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلہٖ وصحبہ وبارک وکرم۔ آمین۔[۴۲]

ان دونوں خطبات کے صیغوں کو ملاحظہ کیجئے کہ دونوں خطبات میں موضوع، علم اور فن کی مطابقت سے اصطلاحات استعمال کی ہیں اور دوسری جانب سائل کے لیے مختصر اور اجمالی جواب بھی ہے۔ یہاں ان خطبات میں اس خوبی کے ساتھ حمد وثنا بیان کی ہے کہ قاری ان خطبات کے لفظوں ہی سے مطمئن ہو جائے۔ امام احمد رضا کے تمام

خطبات دراصل عربی ادب کا لافانی شاہکار ہیں، راقم الحروف نے اس سلسلے میں ایک رسالہ مرتب کیا ہے جس میں اعلیحضرت کی کتابوں، رسالوں اور فتاویٰ سے تمام حاصل خطبات کو جمع کیا تاکہ عربی زبان کا طبقہ عموماً اور علماء اسلام خصوصاً آپکی اس اعلیٰ اور انفرادی صلاحیت سے بہرہ ور ہو سکیں اور بحیثیت عربی نثر نگار اور عربی زبان ولغت پر آپ کی مکمل دسترس کا اندازہ ہو سکے۔

اب نمونتہً ایک عربی کا مختصر فتویٰ بھی ملاحظہ کیجئے:-

مسئلہ:- از لودھیانہ محلہ گرچو منگلی مرسلہ شیخ محمد مقبول صاحب تاجر ۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ ـــــ ما قول الفقهاء الحنفية فی ان الاراضی الهندية التی فی ایدی المسلمین خراجية ام عشرية۔ بینوا توجروا!

الجواب:-

الارض کثیرا ما تکون عشرية کما[1] فتح وقسم بیننا وما[2] اسلم اهله طوعا قبل ان نظفر بهم وعشرية اشتراها ذمی من مسلم فاخذها مسلم بشفعة[3] او ردت علی البائع بفساد[4] البیع او بخیار شرط او رؤية[6] مطلقا او عیب[7] بالقضاء وما احیاه[8] مسلم بقرب العشريات او لتساوی[9] القرب الیها والی الخراجيات علی قول ابی یوسف المفتی به او سقاه بماء عشری وحده او مع خراجی علی قول الطرفین وکالاحیاء جعله داره بستانا او مزرعة وکثیرا ما تکون خراجية کما[1] فتح ومن به علی اهلها او نقل الیه کفار آخر وما فتح[3] صلحا وعشرية[4] اشتراها ذمی من مسلم وخراجية[5] اشتراها مسلم وما احیاه[6] ذمی باذن الامام او رضخ[7] له مطلقا او مسلم[8] بقرب الخراجيات او سقاه بماء خراجی صرفا علی القولین ومثله[9] مسئلة الدار فی المسلم والذمی جمیعا وقد تکون لا عشرية ولا خراجية کما فتحناه وابقیناه لنا الی یوم القیامة او مات ملاکها وآلت لبیت المال علی

نزاع فی ھذا۔ قال فی رد المحتار عن الدر المنتقی شرح الملتقی ھذا نوع ثالث یعنی لا عشریۃ ولا خراجیۃ من الاراضی تسمی ارض المملکۃ واراضی وھو ما مات اربابہ بلا وارث وال لبیت المال او فتح عنوۃ وابقی للمسلمین الی یوم القیامۃ، حکمہ علی ما فی التاتارخانیۃ انہ یجوز للامام دفعہ للزارع باحد طریقین اما باقامتھم مقام الملاک فی الزراعۃ واعطاء الخراج واما باجارتھا لھم بقدر الخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا وفی حق الاکرۃ اجرۃ لا غیر لا عشر ولا خراج اھ باختصار وقال فی الدر المختار المشتراۃ من بیت المال اذا وقفھا مشتریھا فلا عشر ولا خراج شرنبلالیہ معزیا للبحر وکذا لو لم یوقفھا کما ذکرتہ فی شرح الملتقی اھ

قال الشامی لم یذکر فی البحر العشر وانما قال بعد ما حقق ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودھا الی بیت المال بموت ملاکھا فاذا اشتراھا انسان من الامام ملکھا بلا خراج لان الامام قد اخذ بدلھا للمسلمین وتمامہ فی التحفۃ المرضیۃ اھ نعم ذکر العشر فی تلک الرسالۃ فقال انہ لا یجب ایضا لانہ لم یرفیہ نقلا قلت ولا یخفی ما فیہ لانھم قد صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول وبانہ یجب فیما لیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان الملک غیر شرط فیہ بل الشرط ملک الخارج ولان العشر یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملک الارض وعدمہ سواء کما فی البدائع ولا یلزم من سقوط الخراج لسقوط العشر علی انہ قد بینا زرع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج او سقیت بمائہ الخ ملتقطا و بواقی المسائل معروفۃ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغرو ارض الھند علی سعتھا لا یبعد ان یوجد

فیها تلک القصور کلها او جلها فالمصیر الی التبیین فای ارض ثبتت فیها صورۃ اجری علیها حکمها من کونها خراجیۃ او عشریۃ او لا ولا سبیل الی الجزم بحکم واحد من دون تحقیق وما یتوهم من ان القاسم بن الثقفی افتتحها عنوۃ سنۃ ثلث وتسعین کما فی الفتح والبنایۃ ولم یعلم قسمتها بین المسلمین فوجب کونها خراجیۃ فلیس بمغن ولا مجد کیف وان قاسما لم یفتح منها الا شیئا نزرا یسیرا من احدی نواصیها مما یلی ملتان والافتتاح عنوۃ لا تستلزم الخراجیۃ کما علمت وکما لم یعلم قسمتها بیننا کذلک لم یثبت المن بها علی اهلها فکیف یحکم بایجاب الخراج علی المسلمین مع عدم ثبوت موجبه الا یمکن ان تکون الارض مما بقی للمسلمین بل لعله الظاهر من صنع السلاطین فاذن لا تکون فی اصل الوضع عشریۃ ولا خراجیۃ وما کان منها بایدی الناس یتملکونها ویتوارثونها یحکم بانها مملوکۃ لهم ویحمل علی ان منها ما کان مواتا فاحییت ومنها ما انتقل الیهم بوجه صحیح من بیت المال وبعد هذا لا تکون خراجیۃ قطعا لانها لم تکن فی بدء امرها منها ولا یوضع الخراج علی مسلم بدأ وتکون عشریۃ علی ما حققه فی رد المحتار وفارغۃ الوظیفتین فی الصورۃ الثانیۃ علی ما فی التحفۃ المرضیۃ وغنیۃ ذوی الاحکام والدر المختار۔

قال ابن عابدین عدم ملک الزراع غیر معلوم لنا الا فی القری والمزارع الموقوفۃ او المعلوم کونها لبیت المال اما غیرها فنراهم یتوارثونها ویبیعونها جیلا بعد جیل فی الخیریۃ اذا ادعی واضع الید الذی تلقاها شراء او ارثا او غیرها من اسباب الملک انها ملکه فالقول له وعلی من یخاصمه فی الملک البرهان اھ وقد قالوا ان وضع الید و

التصرف من اقوی مایستدل بہ علی الملک ولذا القح الشہادة بانہ ملکہ
وفی رسالة الخراج لابی یوسف لیس للامام ان یخرج شیئًا من ید احد الابحق
ثابت معروف اھ

والائمة اذا قالوا فی الکنائس المبنیة للکفرانها کانت فی بریة فاتصلت
بہا عمارة المصر فاولی ان یقولوا ببقاء تلک الاراضی بید من ھی تحت
ایدیہم باحتمال انہا کانت مواتا فاحییت او انہا انتقلت الیہم
بوجہ صحیح اھ ملتقطا الی آخر ما اطال واطاب واوضح الصواب اماما
قال فی آخرہ والحاصل فی الاراضی الشامیة والمصریة ونحوھا ان ما
علم منہا کونہ لبیت المال بوجہ شرعی فحکمہ ماذکرہ الشارح عن
الفتح (ای سقط الخراج والماخوذ اجرة) ومالم یعلم فہو ملک لاربابہ
والماخوذ منہ خراج لا اجرة لانہ خراجی فی اصل الوضع اھ فقد
ابان ان الوجہ کونہا خراجیة فی بدء الامر لماقدم فی ھذا البیان
مستند للامام الثانی ان ارض العراق والشام ومصر عنویة خراجیة
ترکت لاھلہا الذین قہروا علیہا اھ وقال قبلہ قال ابویوسف فی کتاب
الخراج ان ترکہا الامام فی ایدی اھلہا الذین قہروا علیہا فہو حسن
فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئًا من
ذلک بل وضع عمر رضی اللہ تعالی عنہ علیہا الخراج ولیس فیہا خمس اھ
فہذا ماقال انہ خراجی فی اصل الوضع اما ما نحن فیہ اذ لم یثبت ذلک
لایمکن جعلہا خراجیة بالاحتمال وایجابہ علی المسلمین الذین لیسوا من
اھلہ بتصریح ذوی الکمال فہذا ما ظہر لی واللہ تعالی اعلم بحقیقة
الحال۔ ثم رأیت فی الفتاوی العزیزیة نقل عن رسالہ مولنا الشیخ
الجلیل جلال التہانیسری قدس سرہ السری ما نصہ بالعجمیة۔

زمین ہندوستان درابتدائے فتح مانند سواد عراق کہ در عہد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال است و زمینداران را بیش از تولیت و زراعت وحفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعارے بآں می کند و تغیر و تبدل زمینداری وعزل ونصب زمینداران واخراج بعضے از آنہا و اقرار بعضے وعطائے بعض اراضی با فغانان و بلوچان وسادات و قدوائیاں بصیغۂ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان مملوک بیت المال گشت و بعقد مزارعت علی النصف او اقل منہ در دست زمینداران۔ الخ

فہذا صریح فیما استظہرناہ من ان الفاتحین لم یقسموھا ولم یمنعوا بھا اہل البقوھا ملکا للمسلمین والحکم فیہ مابیناہ وماذکر رحمۃ اللہ تعالیٰ فی سواد العراق فمختار الائمۃ الشافعیۃ کما بینہ فی رد المحتار اما عندنا فمنعون بھا علی اھلھا ولایضرنا الکلام فی التمثیل فعلی ھذا ما بایدی المسلمین من الاراضی لاتجعل الاعشریۃ مالم یثبت فی شیٔ منھا کونہا خراجیۃ بوجہ شرعی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ [۴۳]

علماء حرمین شریفین اور علماء اسلام نے جب مولانا احمد رضا کے عربی فتاویٰ اور رسائل مطالعہ کیے جس میں قابل ذکر رسائل " الکفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراھم" (۱۳۲۴ھ)، "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" (۱۳۲۳ھ)، "المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد" (۱۳۲۰ھ)، "فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین" (۱۳۱۷ھ)، النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ" (۱۳۲۴ھ) وغیرہا ہیں تو ان کتب اور رسائل کو علماء کرام نے بہت زیادہ سراہا اور "مجدد عصر حاضر" [۴۴] جیسے خطابات سے نوازا اور آپکی تحریر کو زبردست خراج تحسین پیش کیا، یہاں صرف نمونے کے طور پر ایک حوالہ پیش کر رہا ہوں تاکہ قارئین کرام اعلیٰحضرت کی علمی اور ادبی

شخصیت سے آگاہ ہو سکیں :۔

علامہ شیخ ابوالخیر احمد میرداد علیہ الرحمۃ المستند والمعتمد پر تقریظ لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

" امّا بعد فالعلامۃ الفاضل، الذی بتنویر البصارہ یحل المشاکل والمعاضل المسمّٰی باحمد رضا خان قد وافق اسمہ مسماہ ، و طابق الفاظہ جوھر معناہ ، فھو کنز الدقائق المنتخب من خزائن الذخیرۃ ، و شمس المعارف المشرقۃ فی الظھیرۃ ، کشاف مشکلات العلوم فی الباطن والظاھر، یحق لکل من وقف علی فضلہ ان یقول کم ترک الاول للآخر ؎

وانی وان کنت الاخیر زمانہ — لآت بما لم تستطعہ الاوائل

ولیس علی اللہ بمستنکر — ان یجمع العالم فی واحد

خصوصًا بما ابداہ فی ھٰذہ الرسالۃ، لحریۃ بالقبول والتعظیم و الجلالۃ المسماۃ بالمعتمد المستند من الادلۃ والبراھین [۴۵]

علامہ شیخ ابوالخیر کے علاوہ سینکڑوں علماء کرام اور مفتیان عظام نے امام احمد رضا کی تصنیفات کو اور ان کے علمی معیار کو سراہا ہے اور جس کسی نے بھی اعلحضرت کی تصانیف دیکھی ہیں وہ یہی رائے قائم کرتے ہیں کہ مولانا اپنے زمانے کے زبردست عالم اور ادیب تھے چنانچہ موجودہ دور کے ایک عربی اسکالر شیخ عبدالفتاح ابو غدہ اعلحضرت کے عربی فتاویٰ پر نظر ڈالنے کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں اس کو ملاحظہ کیجئے :۔

ترجمہ :۔ " میرے ایک دوست کہیں سفر پر جا رہے تھے ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی جلد موجود تھی میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتویٰ کا مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب و سنت و اقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران و ششدر رہ گیا اور ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے

قائم کرلی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے"۔[۴۶]

عربی ادب کی طرح فارسی ادب پر بھی امام احمد رضا کو مکمل دسترس حاصل تھی اور آپ نے متعدد فتوے فارسی زبان میں تحریر فرمائے ہیں اور متعدد بیسیوں علوم و فنون پر فارسی زبان میں رسائل قلم بند کیے ہیں، لیکن افسوس کہ آپکی فارسی ادب کی خدمات کو صحیح معنوں میں ابھی تک پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ اس کی ایک وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ کا فارسی زبان کا مواد طبع نہیں ہو سکا۔ اگرچہ فتاوی رضویہ میں کئی استفتاء کا جواب فارسی زبان میں دیا ہے اور کئی رسائل فارسی زبان میں تحریر کیے ہیں مگر سائنسی رسائل جو عموماً فارسی اور عربی زبان میں ہیں۔ زیور طبع نہ ہو سکے۔ اس کے پیش نظر راقم الحروف نے اعلیحضرت کے تمام فتاویٰ اور رسائل بزبان فارسی جمع کیے ہیں اور ایک مجموعہ فتاویٰ بزبان فارسی مرتب کیا ہے جو انشاء اللہ جلد ہدیہ ناظرین کیا جائے گا تاکہ افغانستان ایران اور روس میں ترکستان، بخارا اور تاشقند اور کاشغر وغیرہا کے اہل علم و بصیرت خاص کر اور دیگر بلاد کے علماء عموماً آپکے فارسی ادب سے مستفیض ہو سکیں، یہاں نمونتہً فارسی فتویٰ پیش کیا جارہا ہے۔

مسئلہ:۔ از شہر چاٹگام موضع نیا پارہ مرسلہ مولوی قدرت اللہ صاحب آخر ربیع الاوّل ۱۳۲۱ھ:

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخصے وفات یافت یک زوجہ و والدہ ویک خواہر حقیقی ویک اخت علاتی ویک برادر اخیافی ویک ابن العم گزاشت وجمیع مال وصیت برائے ابن العم کردہ بود پس حکم وصیت چیست وتقسیم ترکہ چساں بینوا توجروا۔

الجواب:۔

" برتقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر بعد ادائے مہر زوجہ وہر چہ دین ذمہ متوفی باشد از باقی ماندہ یک ثلث بے اجازت ورثہ وبیشتر ازاں بشرط اجازت وارثان مانعین باخذا لتصرف با بن العم وصیتہ دہند و دو ثلث مابقی یا کم ترازاں ہرچہ ماند

بر پانزدہ بخش قسمت کردہ سہ سہم بزوجہ و دو بوالدہ و شش بخواہر عینیہ و دو باخت علاتیہ و دو برادر اخیافی رسانند ایں در صورتیست کہ ہمہ ورثہ اصحاء عاقلین زیادت بر ثلث تا حدے معین کم از کل مال روا داشتہ باشند۔ واگر ہیچ وارث اجازت ندارد آنگاہ بعد ادائے دیون بیش از ثلث با بن العم ندہند و دو ثلث باقی تمام و کمال بر ہمہ حساب بوارثہ بخشش نمایند واگر ہمہ ہا اجازت وصیّت در جمیع مال دادند پس بعد اخراج دیون ہرچہ ماند جملہ با بن العم رسانند واگر بعض اجازت تمام وصیّت دانند وبعض نے یا بعض نابالغ باشند آنگاہ حصۂ اجازت دہندگان ہم با بن العم دہند واگر اجازت بعض در زیادہ بر ثلث بہر تمام وصیت نبود مثلاً در دو ثلث تنفیذ نمایند آنگاہ حصّہ رسد از سہام مجیزان کم کنند۔ ابن العم اینجا اگرچہ اہل میراث ست و وارث را وصیّت بے اجازت دیگر ورثہ روا نبود فاما از انجا اہل فرض چیزے برائے عصبہ نگذاشتند بلکہ مال برایشان نیز تنگ آمد کہ حاجت بعول ابن العم وارث بالفعل نماند و وصیّت کہ ممنوع ست برائے وارث بالفعل ست نہ برائے ہر آنکہ مجرد اہلیت ارث دارد کما یرشد الیہ صدر الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ آیا نہ بینی کہ وصیت برائے محجوب بالاجماع رواست حالانکہ محجوب نیز از اہلیت و استحقاق ارث برکران نیست ہمیں تقدم دیگرے بر او را محجوب نمودہ است در تبیین للحقائق و رد المحتار وغیرہما است اوصی لاخیہ وھو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ الخ۔ در شریفیہ فرمود الاخوۃ مع الاب لا یجعلون کالموتی وان کانوا لا یرثون معہ لان اھلیۃ الارث ثابت لھم وانما لم یرثوا فی ھذہ الحالۃ لفقدان الشرط وھو عدم الاب بلکہ حجب عصبہ بجہتان کہ اصحاب فرائض ہیچ نگذاشتند و دخل در اخراج او از زمرۂ ورثہ است بہ نسبت حجب وارث اقرب زیرا کہ انجا فقد شرط است و اینجا فقدان محل کہ عصبہ را محل وراثت نیست مگر مالیکہ از ذوی الفرائض باقی ماند در سراجیہ فرمود

العصبة کل من یاخذ من الترکۃ ما ابقتہ اصحاب الفرائض الخ ھٰذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"۔ ۴۷

ایک اور فارسی کا فتویٰ ملاحظہ کیجئے:۔

مسئلہ:۔ از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ۔

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ہذہ المسئلۃ در رسالہ طہارت کبریٰ نوشتہ است زنے میگزارد ہم در اثنائے صلاۃ حائضہ شد نماز قطع کند پس اگر نماز فرض بود بعد طہارت قضائش واجب نبود و اگر نفل بود قضا واجب آید۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔

درین رسالہ اگرچہ بسیار جا خطا سر زدہ ست اما ایں مسئلہ درست نوشتہ است فمثلہ فی البحر والدر وغیرھما من الاسفار الغرّ وجہش آنچہ کہ ایں وقت بخیال میرسد آنست کہ نماز اگرچہ نفل باشد بشروع واجب گردد و اگر قبل از اتمام فسادے رونماید قضا لازم آید اما ایں حکم شروع قصدی ست پس اگر کسے مثلاً نماز ظہر گزاردہ فراموش کرد و باز عقدش بربست پیش از فراغ بیادش آمد ہمچناں بشکست قضا برو لازم نیست کہ ایں شروع بربنائے ظن غلط بود ہمچناں چوں زن را حیض رسید پیدا شد کہ نماز ایں وقت برو واجب نبود و ظن وجوبے کہ بربنایش آغاز کردہ بود غلط برآمد زیرا کہ نزد ما اعتبار مر آخر وقت راست کما نصوا علیہ پس قضا لازم نیاید بخلاف نفل کہ شروع دروے نہ بظن وجوب بود و نہ عروض حیض در آخر وقت مانع تنفل در اول ست پس شروع دروے صحیح بود چوں فاسد شد قضا واجب آمد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ ۴۸

امام احمد رضا نے فارسی زبان میں کئی رسائل تحریر فرمائے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کی مجلدات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان میں چند معروف نام ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں

تاکہ قاری حضرات آپکی فارسی ادب پر گہری نظر سے واقف کار ہوسکیں اور آپ کے قلمی شاہکار سے مستفیض ہوسکیں، یہ رسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) رسالہ "نعم الزاد لروم الضاد" (۲) "تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب" (جلد سوم) (۳) الحجۃ الفائحہ لطیب التعیین والفاتحہ" ۱۳۰۷ھ (جلد چہارم)

اس حقیقت سے ایک منصف مزاج قاری ہرگز انکار نہیں کرے گا کہ امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی اپنے زمانے کے تینوں زبانوں کے نہ صرف بلند پایہ شاعر تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ تینوں زبانوں کے بلند پایۂ ادیب بھی تھے جس کی جھلک کے چند نمونے پیش بھی کئے گئے ہیں اور ان کی ادیبانہ صلاحیت ان کے مجموعہ فتاویٰ رضویہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ایسی نادر مثالیں تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں کہ کسی ایک شخصیت کے اندر فقیہانہ کمالات کے ساتھ ساتھ شعر و ادب کا حسن و جمال بھی اکٹھا ہو جائے اور باکمال فقیہہ ایک بلند پایۂ ادیب بھی ہو، یہ اعزاز صرف آپ کو حاصل ہے کہ بیک وقت فقیہہ بھی ہیں اور شاعر و ادیب بھی۔ آخر میں دورِ حاضر کے اردو ادب کے بزرگ اسکالر اور شیخ طریقت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان سابق صدر شعبہ اردو جامعہ سندھ کے خیالات پیش کر رہا ہوں جو امام احمد رضا کی ادبی حیثیت کو سمجھنے کے لیے بہت مناسب ہیں۔

"وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا؟ وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔ شعر و ادب میں بھی ان کا لوہا ماننا پڑتا ہے اور میرا تو ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ اگر صرف محاورات، مصطلحات، ضرب الامثال اور بیان و بدیع کے متعلق تمام الفاظ ان کی جملہ تصانیف کے یکجا کر لیے جائیں تو ایک ضخیم لغت تیار ہو سکتی ہے۔" [۴۹]

مآخذ و مراجع

۱؎

۲؎ امام احمد رضا خان قادری "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۵۱۴، بیربھائی کمپنی لاہور

۳؎ حکیم عبدالحی ندوی "نزہتہ الخواطر" الجزالثامن ص ۴۱ مکتبہ خیر کثیر کراچی ۱۳۹۶ھ

۴؎ شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی دردیروی (تقریظ) الدولۃ مکیہ ص ۲۹۲، المکتبہ کراچی۔

۵؎ ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری "صحیح البخاری" جلد ۱ باب ۵۲ ص ۱۲۸، حامد اینڈ کمپنی لاہور۔

۶؎ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی "فقیہہ اسلام" ص ۴۵۱ — ۴۶۴، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی۔

۷؎ مجید اللہ قادری "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا" ص ۱۴، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۹ء

۸؎ مفتی محمد اعجاز ولی قادری رضوی "المعتمد المستند" معہ ضمیمہ ص ۲۶۶، مطبوعہ لاہور۔

۹؎ محمود احمد قادری "تذکرہ علماء اہلسنت" ص ۱۷۶، مطبوعہ کانپور انڈیا۔

۱۰؎ امام احمد رضا خاں قادری "فتاویٰ رضویہ" جلد سوم ص ۴۲۸ مکتبہ نعیمیہ سنجل مرادآباد انڈیا۔

۱۱؎ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی "حدائق بخشش کا ادبی جائزہ" ص مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۱۲؎ امام احمد رضا خان قادری "حدائق بخشش" حصہ اول ص ۸۴ ازہر بک ڈپو کراچی۔

۱۳؎ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق "اردو میں نعتیہ شاعری" ص ۳۸۰، اردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۷۶ء

۱۴؎ ایضاً " " ص ۳۸۱،

۱۵؎ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی "حدائق بخشش کا ادبی جائزہ" ص ۱۳۸، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

۱۶؎ امام احمد رضا خان قادری "حدائق بخشش" حصہ اول ص ۱۵، ازہر بک ڈپو کراچی۔

۱۷؎ ایضاً حصہ سوم ص ۴۳ — ۵۱، مطبوعہ انڈیا۔

۱۸؎ ایضاً حصہ دوم ص ۶۲ — ۶۳، ازہر بک ڈپو کراچی۔

۱۹؎ محمود احمد قادری "تذکرہ علماء اہلسنت" ص ۸۷ مطبوعہ کانپور انڈیا۔

۲۰؎ امام احمد رضا خان قادری "حدائق بخشش" ص ۸۵، مطبوعہ انڈیا۔

۲۱؎

۲۲؎ امام احمد رضا خان قادری "فتاویٰ رضویہ" جلد اوّل ص ۵۳۵، رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ۱۴۰۵ھ

۲۳؎ ایضاً

۲۴؎ ایضاً "حدائق بخشش" حصہ سوم ص ۲ ـ ۳ مطبوعہ انڈیا۔

۲۵؎ عبدالمجتبیٰ رضوی "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" ص ۳۷۶، اکیڈمی مشائخ قادریہ رضویہ بنارس انڈیا۔

۲۶؎ امام احمد رضا خان قادری "حدائق بخشش" حصہ سوم ص ۸۵ ـ ۸۶، مطبوعہ انڈیا۔

۲۷؎ مولوی رحمان علی "تذکرہ علماء ہند" ص ۵۳۰ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی۔

۲۸؎ امام احمد رضا خان قادری "حدائق بخشش" حصہ سوم ص ۸۷ مطبوعہ انڈیا۔

۲۹؎ امام احمد رضا خان قادری "فتاویٰ رضویہ" جلد سوم ص ۶۵۴، مکتبہ نعیمیہ سنبھل مراد آباد انڈیا۔

۳۰؎ ایضاً ص ۶۵۵

۳۱؎ 〃 〃 〃 〃 جلد نہم ص ۲۱ مکتبہ رضویہ کراچی۔

۳۲؎ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۳؎ السید اسمٰعیل بن خلیل (تقریظ برکتاب حسام الحرمین) ص ۵۱ مکتبہ نبویہ، لاہور۔

۳۴؎ امام احمد رضا خان قادری "فوز مبین در رد حرکت زمین" ص ۱۵۹ ادارہ سنی دنیا بریلی انڈیا۔

۳۵؎ 〃 〃 〃 "فتاویٰ رضویہ" جلد نہم ص ۱۰۷ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۱۱ھ۔

۳۶؎ ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اردو" ص ۶۳۶، اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔

۳۷؎ مجیداللہ قادری "اردو ادب کی تاریخ فروگذاشت" معارف رضا شمارہ ہفتم ۱۹۸۷ء ص ۱۶۲،
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی۔

۳۸؎ مفتی محمد اعجاز ولی "المعتمد المستند" مع ضمیمہ ص ۲۶۶، مطبوعہ لاہور۔

۳۹؎ مجیداللہ قادری "اردو ادب کی تاریخ فروگذاشت" ص ۱۵۹ ـ ۱۷۸، معارف رضا شمارہ ہفتم

۴۰ امام احمد رضا خان قادری "الموھبات فی المربعات" ص ۱ قلمی فوٹو اسٹیٹ۔
۴۱ ایضاً "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ص ۲۳۹، مکتبہ رضویہ کراچی۔
۴۲ ایضاً " ص ۶ـ۷
۴۳ ایضاً "فتاویٰ رضویہ" جلد چہارم ص ۴۵۱ ـ ۴۵۳، سنی دار الاشاعت مبارکپور ۱۹۶۷ء
۴۴ شیخ اسمٰعیل بن سید خلیل تقریظ بر کتاب "حسام الحرمین" ص ۵۱، مطبوعہ لاہور۔
۴۵ شیخ ابوالخیر احمد میرداد مکتوب بنام امام احمد رضا خان "الاجازات المتینہ لعلمأ بکۃ والمدینہ ص مکتبہ نبویہ لاہور۔
۴۶ مولانا یٰسین اختر مصباحی "امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں" ص ۱۹۴ مکتبہ رضویہ کراچی۔
۴۷ امام احمد رضا خان قادری "فتاوی رضویہ" جلد نہم ص ۳۱۵ ـ ۳۱۶، مکتبہ رضویہ ۱۴۱۱ھ کراچی
۴۸ ایضاً جلد دوم ص ۲۳ مطبوعہ انڈیا۔
۴۹ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان "اعلحضرت کی اردو شاعری" معارف رضا شمارہ سوم ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۳ء۔
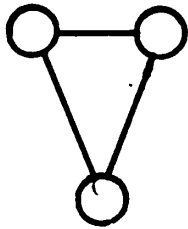
از، مولانا شہاب الدین (بمبئی انڈیا)

حضرت مولانا شاہ فضل حسن صابری علیہ الرحمۃ شاہ فاروق حسن صابری قدس سرہ کے فرزند ارجمند تھے، رام پور شریف میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی، تصوف و سلوک کی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں اور شیخ العرفاء حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہٗ سے عقیدت و محبت رکھتے تھے، بیعت و ارادت والد ماجد سے رکھتے تھے، اعلیٰحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی سے دوستانہ قدیم گہرے تعلقات و روابط تھے، رام پور کی سرزمین پر دین و ملت کی وہ خدمات جلیلہ انجام دیں جو ناقابل فراموش ہیں، اسی بناء پر امام احمد رضا بریلوی نے شاہ صابری کو محب العلم والسنن کا خطاب عطا فرمایا، نواب رام پور کے حکم پر فاروق حسن صابری نے ایک ہفت روزہ اخبار دبدبۂ سکندری کا اجراء کیا۔ اوّلاً فاروق حسن صابری ایڈیٹر رہے ان کے انتقال کے بعد شاہ صابری نے اس کی ساری ذمہ داریاں سنبھالیں اور ۹۸ سال تک اس اخبار کو بحسن و خوبی نکالتے رہے، دبدبۂ سکندری میں وہ مضامین جو شاہ صابری نے امام احمد رضا کی حیات میں ان کی شخصیت پر لکھے، جو حقائق پر مبنی ہیں۔ راقم السطور نے ان ہی مضامین کو جدید ترتیب دے کر ہدیۂ ناظرین کر رہا ہے۔ م

آج جبکہ بیسویں صدی کا دور دورہ ہے، نئے نئے پراگندہ خیالات اہل دنیا کے منہ و قلم سے نکلتے ہیں جن کو ملاحظہ فرمانے کے بعد انحطاط عالم کی سچی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے افراد دنیا کسی زمانے میں اخلاق و کرم کے سچے نمونے تھے، ان میں احساس قومی و مادہ ہمدردی کافی سے زائد موجود تھا ـــــــ ان کی بات دلوں میں گھر کر لیتی تھی، ان کی زبان تسخیر کا سچا عمل تھی ان کا عمل الید نقش حب کا کام دیتا تھا ـــــــ غرضیکہ سب کچھ تھا جو خدا نے اپنے راست باز بندوں کو دے رکھا تھا، اب کیا نہیں ہے ؟ سب کچھ ہے ! وہی دن ہے، وہی رات ہے، وہی مذہب ہے۔ سب کچھ وہی ہے مگر وہ لوگ بادِ فنا کے سنسنی خیز جھونکوں کے ہاتھوں قبروں میں جا سوئے ـــــــ جہاں سے واپس آنا خلافِ عقل و محال۔

اب زمیں اس مردم خیزی کے جواب میں ایسا حسرت ناک نقشہ پیش کرتی ہے کہ انگشت بدنداں ساکت و خاموش ہونا پڑتا ہے ـــــــ مگر جب ہم اپنے رفیع الشان مالک و مختار حضرت رب العزت جلّ وعلاٰ کے حضور یہ عرض کرتے ہیں کہ ہماری ہستی اور ہمارے مذہبی قصر کا کوئی بھی محافظ ہے۔ تو اس کا جواب ہمیں اپنے دینی مقتداء حضرات کی پیروی میں ملتا ہے۔ ـــــــ آج جبکہ دنیائے اسلام پر دہریت، نجدیت کی بلاؤں کے طوفان آرہے ہیں، ہماری آنکھیں اگر کسی شمع بزم ہدایت محمدی پر پڑتی ہیں۔ تو ہمارا دل نہایت عجز و انکساری سے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجددِ مأتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ جناب تقدس مآب مولانا مولوی مفتی حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قبلہ محمدی سنی قادری حنفی برکاتی بریلوی مدظلہم الاقدس کی ذاتی وجاہت اور علمی حسن لیاقت اور اخلاقی علومرتبت کے رُوبرو سرِ تسلیم خم کرنے کی ہدایت فرماتا ہے ـــــــ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

اس ملائک صفات بشر کی سچی حالت کی تصویر، قلم ہیچمدان مطلق نہیں کھینچ سکتا۔ اپنے سچے جذبات کی جائز خواہش پر جو بھی صفحۂ کاغذ پر گل فشاں کرے، اسے غور سے پڑھیئے۔

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی مدظلہم الاقدس کا جو رتبہ ہے اسے قدر آنکھ والوں سے پوچھئے، نابینا ہرگز کسی بات کو نہیں دیکھ سکتا ـــــــ اور نہ یہ بتا سکتا ہے کہ کسی کے قصرِ فضل و کمال کا کون سا درجہ کس صنعت و دست کاری سے بن سنور کر مرتب ہوا ہے، بلکہ وہ تو ساری دنیا

کو اپنا ہی مثل جانتا اور سمجھتا ہے ـــــــ ہم دیکھ رہے ہیں کہ چند چشمانِ عقل کے اندھے اس ملائک صفات بشر کے علو مرتبت میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اعلیحضرت فاضل بریلوی کی اس میں معاذ اللہ کسی طرح کی مرتبت واقع نہیں ہوتی، بلکہ علو کمال میں بھی چار چاند لگ جاتے ہیں۔ ـــــــ وہ تو وہی ہیں مگر ہم ان کے پایۂ کمال کو نہیں جان سکتے، ہم سے اچھے اچھوں نے ان کے مراتب کا لوہا مانا ہے۔

اگر انصاف کی دُوربین عینک سے ملاحظہ فرمایا جائے تو عرضداشت ہذا کا ہر فقرہ منصف کور باطن کے لیے سُرمۂ ضیاء و قدرتی بینائی ثابت ہوگا۔

حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان مدرس حرم شریف مدظلہم اپنی تقریظ حسام الحرمین میں فرماتے ہیں۔

شَهِدَ لَهُ علماء بَلَدِ الحَرَامِ بانه السيّد الفردُ الإمام

یعنی ان کے لیے علماء مکہ معظمہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سردار اور بے نظیر امام ہیں ماشاء اللہ و بارک اللہ جس ارضِ مقدس کی خدائے کریم قسم فرمائے، وہاں کے ایک شیخ عالی مقام اعلیحضرت مدظلہم الاقدس کی نسبت السیّد الفرد الامام فرمائیں تو ہمارا کیا منہ ہے۔ ـــــــ کہ ہم ایسے بے نظیر امام کی قدر و منزلت جان سکیں۔

اور ملاحظہ فرمایئے اعلیحضرت مدظلہم الاقدس نے رسالہ مبارکہ علم غیب مسمٰی بہ اسم تاریخی الدولة المكية بالمادة الغيبيه تالیف فرمایا ـــــــ اور علماء مکہ معظمہ میں اس رسالے کا شہرہ ہوا تو وہاں کے معظم عظیم القدر شیخ حضرت مولانا احمد ابوالخیر میرداد نے فرما بھیجا کہ میں اس رسالے کا مشتاق ہوں، اور خود آپ کی زبان مبارک سے سننا چاہتا ہوں اور پاؤں کی معذوری کے سبب سے حاضر نہیں ہو سکتا ـــــــ اعلیحضرت مدظلہم الاقدس تشریف لے گئے اور ایک جلسے میں رسالہ حضرت ممدوح کو سنایا، حضرت موصوف نے بے حد تعریف فرمائی اور صدہا دعائیں دیں ـــــــ وقت رخصت اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے جب اس مقدس نورانی عالم کی تعظیم کے لیے جس کی عمر پاک ستّر سے متجاوز ہے، قدم لینا چاہے تو انہوں نے فرمایا۔

انا اقبّل ارجلكم انا اقبّل نعالكم

یعنی میں آپ کے پاؤں چوموں، میں آپکی نعلین کو بوسہ دوں۔

جب ہم اس بیان تک پہنچتے ہیں تو ہماری مسرت کی حد نہیں رہتی ـــــــــ حضرت شیخ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ نہایت درست فرمایا، اور سچ تو یہ ہے کہ اہل فضل کی قدر و منزلت اہل فضل ہی خوب جانتے ہیں۔

کیا آج کوئی ہندوستانی عالم اس جید فاضل کے امتیاز کی نظیر رکھتا ہے؟ غالبًا اس سوال کا جواب نفی میں ملے گا۔ ہاں یہ ضرور امتیاز حاصل ہوا کہ اپنے خبثِ باطنی و ظاہری کی تکمیل اس دیار مقدس میں کی ـــــــــ اور علماء مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ زادھما اللہ تعالٰے شرفًا و تعظیمًا نے کفر کے فتوے پر رجسٹری فرماکر کہیں کا نہ رکھا۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی ذات سے ہم کو یہ فخر کیا کم ہے کہ اشرافِ مکہ معظمہ آپ کی نعلینِ مبارک کو بوسہ دینے کی تمنا رکھتے ہیں ـــــــــ مسلمانو! یاد رکھو یہ اسی عزت و احترام کا صدقہ ہے جو اس عاشقِ محبوب ربانی کو مل رہا ہے ـــــــــ جس نے تن، من، دھن، سب خدا کے محبوبِ جمیل کی عزت کے لیے وقف کر دیا ہے اور مجھ سے اگر کوئی پوچھے تو میں ایمانًا ہر لحظہ یہ کہنے کے لیے تیار ہوں کہ خدا کا ملنا آسان ـــــــــ مگر حضرت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کا دامِ رحمت ہاتھ آگیا تو اس نے دنیا و مافیہا حتی کہ خدائے جل و علا کو بھی پالیا ـــــــــ پھر خدا تک رسائی آسان، اور اس کی ساری کائنات تابع فرمان۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس اس مثال کے بلا شبہ سچے نمونہ ہیں، ان کے ہر قول، ہر فعل ہر عمل سے سُنّیت ظاہر ہوتی ہے۔ ـــــــــ وہ اس بات سے کبھی ہراساں نہ ہوتے کہ زید بکر ان کی ذاتی وجاہت پر بدنما دھبہ لگائیں۔ وہ تو دل سے یہ چاہتے ہیں کہ مصطفٰے پیارے کے نام پر اپنی، اپنے اہل و عیال کی، اپنے خاندان کی عزت و حرمت نثار ہو تو قیامت تک روح قبر میں بھی مزے لے لے کر وجد کرے ـــــــــ اور زبان حال اس شعر کو ادا فرماتے۔ ؎

دل جلا کر رُخِ محبوب کا جلوا دیکھا
ہم نے گھر پھونک کے کیا خوب تماشا دیکھا

اس پُر آشوب زمانے میں حضرت تقدس مآب مولانا فضل الرحمٰن صاحب نقشبندی گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ ایک بے مثال بزرگ ہوئے، جن کی عظمت ہند سے لیکر عرب تک

قلوب میں عزت کے ساتھ متمکن ہے ـــــــ اور اب وہ شیخ العرب والعجم لکھے جاتے ہیں، یہ مراتب ہیں اس میں اللہ والوں کی ذات کے لیے مجمع کیا، ہر زندہ دل کو سرِ تسلیم خم کرنے کے لیے مجبور ہونا پڑے گا ـــــــ اس شیخ العرب والعجم نے اس ذاتِ اقدس کا وہ احترام کیا ہے کہ آج ہم عصر و ہم پایہ سے محال و ناممکن۔

رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ کا مبارک مہینہ ہے کہ اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس گنج مرادآباد تشریف لائے اور ایک جگہ قیام فرما کر اپنے دو ہمراہیوں کو شیخ علیہ الرحمۃ کی خدمت مبارک میں بھیجا۔ اور تاکید فرمادی کہ صرف اتنا کہنا۔

"ایک شخص بریلی سے آیا ہے ملنا چاہتا ہے"۔

حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے معاً فرمایا

وہ یہاں کیوں آئے ہیں، ان کے دادا اتنے بڑے عالم ـــــ ان کے والد اتنے بڑے عالم ـــــ اور وہ خود عالم ـــــ فقیر کے پاس کیا دھرا ہے۔

پھر نرم ہو کر بکمالِ لطف فرمایا،

بلائیے ـــــــ تشریف لائیں

بعد ملاقات اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے مجلس (میلاد) شریف کی نسبت حضرت شیخ علیہ الرحمۃ سے استفسار کیا،

ارشاد فرمایا:

تم عالم ہو ـــــ پہلے تم بتاؤ

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا:

مستحب جانتا ہوں۔

فرمایا۔

آپ لوگ اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں، اور میں سنت جانتا ہوں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جہاد کو جاتے تھے، تو کیا کہتے تھے؟ یہی نہ کہ مکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر قرآن اتارا، انہوں نے یہ معجزہ دکھائے، اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ فضائل دیئے، اور مجلس میلاد شریف میں کیا ہوتا ہے؟ یہی بیان ہوتے ہیں جو صحابہ کرام اس مجمع میں کرتے تھے، فرق

اتنا ہے کہ تم اپنی مجلس میں لڈو (لڈو) بانٹتے ہو، وہ اپنی مجلس میں موڑ (یعنی سر) بانٹتے تھے۔

غرض حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو بکمالِ اعزاز و اکرام، باصرارِ تمام تین روز ٹھہرایا ——— ۲۱ ر رمضان مبارک کو رخصت کیا جب عید سر پر آگئی ——— اور وقت رخصت فرش مسجد کے کنارے تک تشریف لائے۔

اعلیٰ حضرت نے درخواست کی کہ مجھے کچھ وصیت کیجئے، فرمایا!

"تکفیر میں ——— جلدی نہ کرنا۔"

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے دل میں یہ خیال کیا کہ

"میں تو ان کو دل میں کافر کہتا ہوں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ انور میں گستاخی کرتے ہیں۔"

یہ خیال لاتے ہی معاً حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے فرمایا:

"ہاں جو ادنیٰ حرف گستاخی کا شان اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں بکے ضرور کافر کہنا بے شک وہ کافر ہے۔"

پھر حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے فرمایا:۔

"ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے موڑ کی پٹیا تمہارے موڑ پر دھر دیں، اور تمہارے موڑ کی اپنے موڑ پر دھر لیں۔"

اعلحضرت مدظلہم الاقدس نے برائے ادب سر جھکا لیا، حضرت شیخ علیہ الرحمتہ نے اعلحضرت مدظلہم الاقدس کی کلاہِ مبارک اپنے سرِ مقدس پر رکھ لی ——— اور اپنی کلاہِ مقدس اعلحضرت مدظلہم الاقدس کے سرِ مبارک پر رکھ دی ——— جو آج تک بطور تبرک محفوظ کی گئی ہے، اس روایت کا نتیجہ ظاہر ——— کھلی و صاف بات پر خامہ فرسائی بے کار ——— کیا کوئی اس عزت کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔؟

حضرت شیخ علیہ الرحمتہ کے لائق و اہل سجادہ نشین حضرت قبلہ و کعبہ مولانا شاہ احمد میاں صاحب قبلہ مدظلہم العالی سے مجھے خاص طور سے شرفِ قدم بوسی حاصل ہے، جن کے افضال و کرم کی انتہا نہیں ——— اور میں بحمد اللہ اس شیخ الوقت علیہ الرحمتہ کے حالاتِ مقدس سے بھی واقف ہوں ——— وہاں تک رسائی مشکل تھی لیکن بمصداق ؎

ہر کجا چشمۂ بود شیریں ——— مردم و مرغ و مور گرد آیند

مخلوقِ خدا آکر اپنی امیدوں کی جھولیاں پھیلاتی تھی، اور شیخ علیہ الرحمتہ کو دُرِ شہوار سے ان کو بھرتا ہوتا تھا ——— مراد یہ ہے کہ مخلوقِ خدا چار طرف آکر گھیرتی تھی، اور انہیں مجبور ہونا پڑتا تھا، پھر ان کی زندگی کے کارنامے صدہا تو اہلِ قلم بند فرمائے ——— رہے سبھی لوگوں کی زبانوں پر رہی۔

تو کہنا یہ ہے کہ کیا انہوں نے یہ انفضال واکرام کسی دوسرے عالم فاضل، یا درویش صوفی پر بھی فرمائے یا نہیں؟ بے شک یہ عزت اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کو حاصل ہوئی، یہ معلوم کرکے ہمارے ہم وطن متعصب افراد اور زائد اپنے ہی طیش کی آگ میں جلنے لگے ——— اور شک وتعصب کئی گنا بڑھ جائے گا مگر ہم کہتے ہیں کہ الحمدللہ ہمیں ایسی صورت کا گرویدہ اور والہ وشیدائی بنایا ہے ——— جن کی نعلین کو بوسہ دینے کے متمنی علماء مکہ معظمہ اور صرف یہی نہیں بلکہ انہیں ایک بے نظیر امام بھی جاننے اور ماننے والے ہیں اور طبقۂ صوفیاء کے ممتاز وسربرآوردہ شیخ ان سے ٹوپیاں بدلنے والے ——— اور انہیں ایک پیشوا عالم وفاضل سمجھنے والے ہیں۔

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس کی عادتِ شریف تھی کہ جب پیلی بھیت تشریف لے جاتے تو حضرت جناب تقدس مآب حاجی میاں محمد شیر صاحب نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ سے ضرور ملنا ہوتا ——— ایک روز اعلیٰ حضرت بعد مغرب تشریف لے گئے، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمتہ نے ایک آہِ سرد بھری ——— جس کی وجہ اعلیحضرت مدظلہم الاقدس نے دریافت فرمائی، تو فرمانے لگے کہ

"فیض ——— بند ہو گیا ہے۔"

اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے فرمایا۔

"کیا ——— باعث؟"

ارشاد فرمایا

"ایک دفعہ دل میں بیٹھے ——— بیٹھے یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ کہیں کوئی بات شاید ان وہابیوں کی بھی حق ہو، یہ خیال آتے ہی فیض کا دروازہ بند فرما دیا گیا ہے، آپ ذکر شریف حضور پرنور محبوب اکرم سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کیجئے۔ اس سے فیض جاری ہو جائے گا۔"
چنانچہ اسی وقت مجلس مبارک غوثیت ترتیب دی گئی ——— بعد نماز عشاء نصف شب تک اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ذکر اقدس سے حاضرین کو بہرہ یاب فرمایا اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہزاروں دعائیں دیکر رخصت فرمایا ———
——— اب تو غالباً رشک وحسد کا آسمان کور باطنوں پر ٹوٹ پڑے گا ———
اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس نے ایک ایسے پیر کامل کا فیض جاری کرادیا، ہم کہتے ہیں کہ یہ معمولی بات ہے، اعلیٰ حضرت مدظلہم الاقدس خدا کے محبوب بندے ہیں ——— اور خدا کے محبوب عظیم علیہ التحیۃ والتسلیم کی کچھ شانِ کریمی بھی معلوم ہے ؟ پڑھیے کلام قدسی

كُلُّهُمْ يَطْلُبُوْنَ رِضَائِیْ اَنَا اَطْلُبُ رِضَاكَ يَا مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی سب ہماری رضا چاہتے ہیں، اور ہم آپ کی رضا جوئی چاہتے ہیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم
اور پڑھیے قرآنِ کریم و برہان عظیم میں فرمایا جاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

یعنی فرما دیجئے اگر تم خدا کی محبت رکھتے ہو تو میری راہ پر چلو کہ اللہ تم کو چاہے۔
تو گزارش یہ ہے کہ جو ایسے محبوبِ اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فدائی ہو ——— اور اس کے اس مقدس نام پر جو ابو البشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے لیے وسیلۂ رستگاری ہو، اپنا تن من نثار کرے، تو ظاہر ہے کہ وہ کیا ہو سکتا ہے ——— رہی یہ بات کہ بدعقل یہ بہت جلد کہہ بیٹھتے ہیں کہ

"مولانا کو کفر کا فتویٰ خوب یاد ہے اور بہت جلد کافر بنا دیتے ہیں۔"

اب کوئی ان سے یہ پوچھے کہ حضرت! شریعت تو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا آئین مقدس ہے ——— مولانا کے گھر کی شریعت نہیں ——— وہ جو بھی فرماتے ہیں شریعت کی اتباع سے فرماتے ہیں، تو یہ مولانا پر اعتراض نہیں، مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر (معاذ اللہ) ہے بلکہ عین خدائے جل وعلا پر ——— بھلا اس حماقت کی حد بھی ہے۔
خیر مفہوم معروض تحریر میں دم بدم طوالت پذیر ہے۔
التماس صرف یہ ہے کہ اگر اس ملائک صفات بشر کی قدر نہ کی تو ——— بہت ہی نادم و پشیمان ہونا پڑے گا۔ اور یاد رکھیئے کہ ایسی صورت پھر نظر نہ آئے گی۔ خدائے کریم اہلسنت کے سپہ سالار کی عمر مبارک میں بہت سی ترقی عطا فرمائے ——— بعد کو

آسمانِ اہلسنّت پر خدا جانے کیسے کیسے غمناک بادل اُمنڈ آئیں گے ـــــــ اور دنیائے اسلام ان کی رنج و الم میں آٹھ آٹھ آنسو بہائے گی، لیکن پھر کچھ نہ ہوگا ـــــــ اللہ کریم ہمیں عقلِ سلیم دے، اور ہم سمجھیں کہ اعلیٰ حضرت کیا ہیں ؟ اور ان کا صحیح مصرف کس طرح ہے ؟ ۳؎

۴ / اپریل ۱۹۱۸ء کے مشرق گورکھپور نے اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں علمائے دیوبند کا ذکر کرتے ہوئے ہمارے واجب الاحترام، بلکہ اہل سنت کے امام، اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی پر ایک ناروا حملہ کیا ہے، حکیم برہم صاحب قبلہ ایڈیٹر مشرق ایک مشاق اور تجربہ کار اخبار نویس ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جس قدر ملکی خدمات انجام دیں ہیں، ان سے آپکی اصابت رائے کا کافی ثبوت ملتا ہے ـــــــ لیکن میں افسوس کے ساتھ دیکھتا ہوں کہ اکثر معاملات مذہب میں مداہنت روا رکھی جاتی ہے اور آپ اصابت رائے سے منزلوں دور ہٹ جاتے ہیں ـــــــ کہنے کو چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب قبلہ نے مولوی اشرف علی صاحب پر جو قلم اٹھایا اور کفر و کافر تک نوبت پہنچائی، اس کی حسن اور تمیز بلحاظ عالم جید مذہب و ملت ہونے کے آپ سے زیادہ ہے ـــــــ یا کم، اگر کم سے کم تو اس کا بطلان نہ ایک میں بلکہ مرے ساتھ وہ منصف دل و دماغ والے حضرات جن کو عقل و شعور سے بھی حصّہ ملا ہے کریں گے، کیونکہ حضرت برہم کوئی باضابطہ عالم نہیں ـــــــ ہاں ایک کہنہ مشق اخبار نویس ہیں جو ہمیں بھی تسلیم ہے، اگر فرمایئے زیادہ تو یہ بھی محض یاوہ گوئی ہے، کیونکہ فاضل بریلوی مدّظلہٗ کو علمائے حرمین طیّبین تک نے اپنی اپنی تقاریظ میں بلحاظ علم و عمل اپنا امام مانا ـــــــ اور ان سے سندیں حاصل کیں، آپ کو صرف اخباری طبقہ میں محدود شرف قبول حاصل ہے۔ مولانا کے نام پر جان دینے والے اب بھی ہزاروں ہیں ـــــــ آپ کو اخباری برادری اور ناظرین اخبارات کے سوا لوگوں سے کم تعارف کی عزت حاصل ہے۔

فاضل بریلوی کے ذاتی حالات سے ہم سے زیادہ کم لوگ واقف ہوں گے، کیونکہ ہمارے تعلقات ان کے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ کے وقت سے اس دم تک وابستہ رہتے آئے ہیں، میری ناچیز رائے سے علماء کا معاملہ، علماء ہی کے لیے چھوڑ دیا جائے تو انسب ہے۔ وہ لاحول

پڑھیں تو ان کے منہ سے اچھی معلوم ہو گی ــــــ ہمارا صرف منہ چڑانا ہے۔
فاضل معاصر کو یہ ناگوار ہے کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی پر کیوں قلم اٹھایا ــــــ بے شک کسی عالم دین کی ہتک کوئی غیور دل نہ پسند کرے گا۔ لیکن خدا کے فضل سے حکیم برہم صاحب گورکھپور کے آنریری مجسٹریٹ ہیں غالباً محاکمہ کی عزت حضرت کو ضرور حاصل ہو گی ــــــ انصاف فرمائیے کہ جس شخص کے یہ اقوال ہوں اسے آپ کیا فرمائیں گے۔

(۱) ــــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی کیا خصوصیت ہے ایسا علم تو زید، عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ (حفظ الایمان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۲۵ھ)

(۲) ــــــ خدا سے ہم کو کام ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں (البسط البنان ص ۷)

میں نے مشتے نمونہ از خروارے صرف دو اقوال نقل کیے ہیں، کیا مشرف فرمائیے گا کہ اس عقیدہ والے کو آپ مسلمان سمجھیں گے ؟ ــــــ جبہ و دستار کی توہین و ہتک سے نہ صرف مسلمان کی دل آزاری ہے بلکہ اسلام کی ذلت ہے ــــــ ہم کسی کا نام کیوں لیں آپ ہی نہ پوچھیں کہ جس کو خدا سے کام ہو اور حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو اس کو آپ کیا فرمائیں گے ؟ ــــــ حضور کے علم غیب کی عزت جس نظر میں ہر صبی و مجنون بلکہ معاذ اللہ جمیع حیوانات و بہائم کی اس کے لیے آپ کا کیا فتویٰ ہے ؟ ــــــ اب کفر کا فر تک نوبت آنا بر محل ہے یا محض قلم کا اٹھان ہے۔ ؎

مولیٰ تعالیٰ کا حکم ہے وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ، اپنے رب کریم کی نعمت کا خوب چرچا کرو، ۱۲ ربیع الاول شریف یوم یک شنبہ کو وقت مغرب اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، مجدد مأتہ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا حاجی قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب حنفی سنی قادری برکاتی بریلوی مدظلہم الاقدس مسجد میں تشریف فرما تھے، خادمہ دولت خانہ میں روشنی کی فکر میں تھی ــــــ اور گھر میں بھی لوگ نماز و وضو میں تھے، مٹی کے تیل کا پیلپا بھرا ہوا سر بھر دالان میں رکھا تھا ــــــ اور اس کے برابر تین پلنگ کتابوں سے بالکل بھرے کہ بعض رسائل کی تصنیف میں اعلیٰحضرت

کو بہت کتب بار بار درکار تھیں ـــــــــ وہ نکلوا کر رکھی تھیں، خادمہ نے
اس کی مہر کہ رانگ سے بند تھی کھولنے کیلئے ایک جلتی ہوئی لکڑی اس پر رکھ دی، مُہر تو
کھل گئی اور آگ بھڑکنے لگی آواز چھت تک پہنچی کہ وہاں سے سن کر لوگ آئے ـــــــــ
جب تک پیپے کے پاس پہنچیں رحمت کے ہاتھ نے اسے ٹھنڈا کر دیا تھا۔

قیاس میں آنے کی بات نہ تھی کہ مٹی کے تیل کا بھرا پیپا اس درجہ بھڑکے اور دفعتاً بغیر
کسی نقصان کے خود بخود سرد ہو جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ دراصل یہ حمایتیں ہیں ہمارے آقا
و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ـــــــــ اپنے سچے مخلص و
فدائی اعلیٰ حضرت مدظلہ کے لیے۔ کسی کتاب پر داغ آیا، نہ تیل ہی کا نقصان ہوا، امید واثق
ہے کہ وہ اپنے غلاموں کے لیے گزر صراط کی دقت آتش دوزخ کو سرد فرما دیں گے، انشاءاللہ
الکریم والحمدللہ رب العالمین۔ ۵

اگر چاہتے ہو کہ دنیا کو مسخر کر لوں تو اخلاق سیکھو، جب تم عمل اخلاق کے عامل ہو جاؤ
گے تو پھر تمہیں دنیا کے دل میں صرف آسانی سے نہیں بلکہ عزت سے جگہ ملے گی ـــــــــ
اور یوں ہر انسان کو مسخر کر لو گے، دنیا میں اخلاق سے بہتر کوئی شئے نہیں، تخلقوا
باخلاق اللہ خود حکم اقدس ہے، یہ قول ایک مقبول الٰہی نفس مقدس کا ہے ـــــــــ
جس میں ہمیں حکم دیا گیا کہ عمل اخلاق کے عامل بنیں، آج جبکہ نئی نئی تہذیبوں کا چرچا ہے
تو ہمیں اس کی پرواہ نہیں رہی ہے کہ اخلاق کیا چیز ہے؟ ـــــــــ اور اس
کے صحیح معنی کیا ہیں، ہم میں ایک قدسی صفات بشر آج بھی موجود ہے جو نہ صرف اخلاق
بلکہ ہزارہا انسانی خوبیوں کا مجسمہ ہے جس کے عشق و محبت کی دھوم ادبی دنیا کے گوشے گوشے
میں مچی ہوئی ہے ـــــــــ جو حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی ذات اقدس
سے وابستہ ہے اور وہ عاشق ہمارے اعلیٰحضرت جناب اقدس حاجی قاری مولانا مولوی
احمد رضا خان صاحب قبلہ ہیں، جن کی نسبت خاص کا ذکر گذشتہ کسی اشاعت میں میں
نے کر دیا ہے ـــــــــ اور وہ حرمین طیبین تک ایسا مقبول ہوا کہ لوگوں نے مجھے
لمبے چوڑے شکریہ کے خطوط لکھے اور اس مضمون پر کمال مسرت ظاہر کی، اس کے علاوہ
ذاتی طور پر مجھے خود اس مضمون کے سلسلہ میں حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ

عنہ کی زیارت کا شرف مولانا کی شبیہہ میں عالم خواب میں یہ شعر سنتے ہوئے حاصل ہوا ؎

انا الجیلی محی الدین اسمی　　　　واغلامی علی رأس الجبالی

سچ یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی پایا اخلاق ہی سے پایا۔ ؎

اخلاق سب سے کرنا تسخیر ہے تو یہ ہے

خاک آپ کو سمجھنا اکسیر ہے تو یہ ہے

جو لوگ نادانی بلکہ حماقت سے مولانا سے خلاف کر بیٹھے ہیں وہ نہ صرف غلطی میں مبتلا ہیں بلکہ جادہ ہدایت سے ہٹے ہوئے ہیں ــــــــ انہیں اپنے حال کی اصلاح سوچ سمجھ کر کرنا چاہیئے، جو لوگ مولانا کو حقانیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے فضل و کمال واقعی کے معترف ہوتے ہیں، وہ گویا ایک ایسا فرض ادا کرتے ہیں جس میں متانت و صداقت کے پہلو مضمر ہوتے ہیں ــــــــ حال میں ہمارے مکرم جناب حکیم برہم صاحب ایڈیٹر و مالک اخبار مشرق گورکھپور بریلی تشریف لائے تھے اور مولانا ہی کی امامت میں نماز عید الفطر ادا کی تھی ــــــــ جس کو آپ نے ۲۴ ستمبر کی اشاعت مشرق میں "بریلی اور ہم" کے زیر عنوان لکھا ہے ــــــــ جناب مولانا برہم کو صرف ایک مرتبہ مولانا کی زبان سے خطبہ ہی سننے کا موقع ملا ہے۔ اس پر انہوں نے ایسے زبردست الفاظ مولانا کے لیے لکھے ہیں، جن کو پڑھ کر مسرت ہوئی وہ لوگ جنہیں خصوصیت سے مولانا کی خدمت میں بارہا حاضر رہنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے ــــــــ وہ مولانا کے جیسے فدائی ہیں اس کا اندازہ ان کے مذاق سلیم سے کیجئے، مولانا حکیم برہم لکھتے ہیں۔

> ہم کو بہت مسرت اور خوشی کا موقع ملا کہ جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب قبلہ کی امامت میں نماز عید ملی، اور مقدس و بزرگ مولانا کی زبان فیض ترجمان سے خطبہ سننا ایسا دل چسپ اور دل ہلا دینے والا خطبہ ہم آج تک ہندوستان کے کسی عالم صاحب کا نہیں سنا تھا، ہم کو نہیں معلوم تھا کہ ابھی ہمارے ملک میں ایسے ادیب، اور ایسے فصیح البیان اصحاب موجود ہیں، ادب اور فصاحت اور عربیت کو ہم علیحدہ کر کے جب خطبے کے جوشیلے

مگر جذبات گوناگوں کا خیال کرتے ہیں، تو ہمارا دل کہتا ہے کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فدا) سے اگر محبت و سچی الفت. بزرگ اور فرشتہ صورت مولانا کو نہ ہوتی تو یہ جذبات بھی نہ ہوتے پس خطبے میں جو باتیں اہل ظاہر کی اعتراض کی ہوں وہ اہل ظاہر ہی تک رہیں گی، ایک عشق و محبت میں ڈوبے ہوئے اور رسر منہ الفت پر اعتراض نہیں ہو سکتا، عید کا دن تھا وقت کم تھا اس لیے ہم حضرت مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے، مگر خدا سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ایسی ذات بابرکات کو بہت دنوں دنیا میں رکھے، جس کے فیض سے ایک عالم فائدہ اٹھاتا ہے۔ ٦

اخبار صحیفہ. بجنور کے خریدار ۳۲۳ دریافت کرتے ہیں کہ انہیں کسی صاحب کشف و کرامت یا عامل عمل تسخیر کا پتہ دیا جائے ــــــ آج کل اخبارات ہر قسم کی مشکلکشائی کا آلہ ثابت ہو رہے ہیں، لیکن عامل تسخیر کی تلاش ایک نئی خدمت ہے جو ہماری برادری کے صحیفہ کی معرفت پہنچا رہی ہے ــــــ چونکہ مخاطبہ تلاش عالم ہے اس لیے میں کچھ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں.

تسخیر کے لغوی معنی رام کردن و فرمانبردار کردن کیے گئے ہیں ــــــ اور اہل طریقت کا اجتہاد ہے کہ یہ موقوف ہے مؤکلات کے اثرات پر معلوم ہوا کہ عامل تسخیر ایک بڑے ذی مرتبہ شخص کو کہتے ہیں ــــــ جس کا پتہ ملنا آسان نہیں، ہاں اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قبلہ بریلوی اس فن خاص میں ایسے عظیم المرتبہ ہیں کہ اگر چاہیں تو زہرہ فلک سے اتر سکتی ہے ــــــ لیکن ان حضرات کے پہچاننے کو آنکھیں چاہئیں۔ ے

دیدہ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے۔ ے

مآخذ و مراجع

۱ـ مولانا شاہ فضل حسن صابری رام پوری کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی از مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری الجامعۃ الاسلامیہ، رضوی غفرلہٗ

۲ـ استاذ گرامی مولانا سید شاہد علی رضوی رام پوری فرماتے ہیں کہ اس وقت امام احمد رضا بریلوی کی عمر شریف صرف بیس سال کی تھی اور حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی چوراسی سال، یعنی امام احمد رضا کی صغر سنی اور حضرت شیخ کی کبر سنی، ۱۲ رضوی غفرلہٗ

۳ـ ہفت روزہ اخبار دبدبۂ سکندری رام پور، ۱۲ ربیع الآخر / یکم اپریل ۱۹۱۲ء / ۱۳۳۰ھ بروز دوشنبہ ص ۳ تا ۶، شمارہ نمبر ۱۵، جلد نمبر ۴۸۔

۴ـ ہفت روزہ اخبار دبدبۂ سکندری، رام پور، ص ۸، بابت ۸ اپریل ۱۹۱۸ء شمارہ نمبر ۳۵ جلد نمبر ۴۵۔

۵ـ 〃 〃 〃 〃 ص ۵، بابت ۲۴ فروری ۱۹۱۳ء شمارہ نمبر ۱۱ جلد نمبر ۴۹، کالم ۲۔

۶ـ 〃 〃 〃 〃 ص ۵/۶ بابت ۳۰ ستمبر ۱۹۱۲ء شمارہ نمبر ۴۱، جلد نمبر ۴۸۔

۷ـ 〃 〃 〃 〃 ص ۵ بابت ۱۴ اپریل ۱۹۱۷ء شمارہ ۲۳، جلد نمبر ۵۳۔

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہِ دوسرا جانا

اَلْبَحْرُ عَلَا وَالْمَوْجُ طَغٰی من بے کس و طوفاں ہوشربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

یَا شَمْسُ نَظَرْتِ اِلٰی لَیْلِیْ چو بطیبہ رسی عرضے بکنی!
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی مری شب نے نہ دن ہونا جانا

لَکَ بَدْرٌ فِی الْوَجْہِ الْاَجْمَلْ خط ہالۂ مہ زلف ابر اجل
تورے چندن چندر پرو کنڈل رحمت کی برن برسا جانا

اعلیٰ حضرت

مجدّد دین وملّت کے دور کا مذہبی ماحول

از: مولٰنا عبد المجتبیٰ رضوی بنارس (انڈیا)

ا ـــــ امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ مسلمانانِ عالم کے دل کی دھڑکن ہیں۔ سلوک و معرفت کی راہ پر گامزن مسلمانانِ عالم اسلام کی رہنمائی کی ہے۔ خدا و رسول پر ایمان رکھنے والوں کے لیے محبت و عشقِ رسول کا لافانی شاہکار چھوڑا ہے اور قادری، چشتی نقشبندی، سہروردی سلسلوں میں داخل افراد کا سر فخر سے اونچا کر دیا ہے اور اپنی متاعِ عزیز قربان کر کے قیامت تک کے لیے ہر دریدہ دہن انسانوں کو دلائل سے مبرہن جواب دے کر ہمیشہ ہمیش کے لیے خاموش اور ناطقہ بند کر دیا ہے اور پندرہ سو سالہ خانقاہی نظام کو ہر تیرہ دستیوں سے محفوظ و مامون کر دیا ہے۔

بیان سے پہلے آیئے اس عاشق صادق رسول (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مختصر سوانح سنتے چلیں! ـــــ فاضل بریلوی نسبتاً پٹھان، مسلکاً حنفی اور مشرباً قادری تھے۔ والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ (۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء) اور جدامجد مولانا رضا علی خان علیہ الرحمۃ (م ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵ء) عالم اور صاحب تصنیف بزرگ گزرے ہیں۔ فاضل بریلوی کی ولادت ۱۰ر شوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء کو بریلی شریف انڈیا میں ہوئی۔ محمّد نام رکھا گیا اور تاریخی نام المختار ۱۲۷۲ھ پایا۔

آپ بلند پایہ شاعر اور ادیب، تاریخ ساز انشاء پرداز تھے رضا تخلص کرتے، علوم و فنون کے کوہ گراں تھے، قریب ستّر علوم پر کامل عبور و دسترس رکھتے تھے اور ہر فن میں کتابیں تصنیف کی ہیں، ایک اندازے کے مطابق ان کتابوں کی تعداد ہزار سے زائد ہے، قرآن مجید کا بے غبار ترجمہ پیش فرمایا جس کی مثال تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے انگریزوں اور اسکی حکومت کے تادمِ حیات مخالف رہے سیاسی سوجھ بوجھ حیرت انگیز تھی، حضرت مجدد الف ثانی کی طرح آپ دو قومی نظریہ کے سخت ترین حامی اور ایک قومی نظریہ کے پوری زندگی مخالف رہے۔ وقت کی رفتار دیکھ کر آنے والے بیشمار خطراتِ دینی، ملی، معاشی سے برسوں پہلے مسلمانوں کو آگاہ فرما دیا تھا۔ آپکی زندگی میں ہی آپکی تصنیفات ہند وسندھ، مکہ و مدینہ شریف، مصر، افغانستان، چین و افریقہ تک پھیل چکی تھیں۔

۔ اساتذہ میں والد ماجد مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ (۱۲۹۷ھ ۱۸۸۰ء)

شیخ احمد بن زین دحلان مکّی (۱۲۹۹ھ ۱۸۸۱ء)

شیخ عبدالرحمٰن مکّی (۱۳۰۱ھ ۱۸۸۳ء)

شیخ حسین بن صالح مکّی (۱۳۰۲ھ ۱۸۸۴ء)

شیخ ابوالحسین احمد النوری (۱۳۲۴ھ ۱۹۰۶ء)

رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں ــــــــ ۱۳ سال کی مختصر عمر میں جملہ علوم سے فراغت حاصل کی۔

پہلا حج ۱۲۹۶ھ ۱۸۷۸ء میں اور دوسرا حج ۱۳۲۲ھ ۱۹۰۵ء میں ادا کیا۔ الدولۃ المکیۃ اور کفل الفقیہ الفاھم دوران حج مکّے ہی میں آپ نے تحریر فرمائے جس کو پڑھ کر علمائے حرمین بے حد متاثر ہوئے۔ علمائے حرمین آپکی بڑی عزت کرتے اور بڑے بھاری بھرکم القابات سے یاد فرمایا ہے۔ امام شافعیہ شیخ حسین بن صالح فرماتے ہیں۔ "بے شک میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں"۔ حافظ کتب حرم شیخ اسمٰعیل خلیل اللہ فرماتے ہیں، "اگر یہ کہا جائے کہ یہ اس زمانے کا مجدد ہے تو بے شک حق اور صحیح ہے"۔ آپ کے

بے شمار خلفاء و تلامذہ ہوئے ہیں جو اپنے دور کے زبردست عالم و فاضل، فقیہہ و مفسر اور تاریخ ساز مدبرین کر چکے ہیں۔ جو آپ کے روحانی و علمی تحریک کو پورے عالم اسلام میں پھیلایا اور اس کی نشر و اشاعت کی ہے ——— آپ کے دو صاحبزادے حضرت حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا (۱۳۶۲ھ ۱۹۴۳ء) محدّثِ وقت تھے اور دوسرے صاحبزادے حضرت شاہ مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند (۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء) ہند کے زبردست فقیہہ گزرے ہیں ——— فاضل بریلوی (۱۲۹۴ھ/۷۷-۱۸۷ء میں والد گرامی کے ہمراہ مارہرہ شریف بھارت میں حضرت شاہ آل رسول مارہروی (۱۲۹۶ھ/۷۹-۱۸۷ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے اور ۱۳ سلسلوں میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء میں وصال فرمایا۔

۲ ——— اب آیئے فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے روحانی کڑی کو سمجھنے کے لیے ہندوستان کی سنہری روحانی تاریخ کا ایک ہلکا سا خاکہ پڑھتے چلیں تاکہ خانقاہی نظام اور اس کی لافانی خدمات بھی واضح ہو جائے۔ اور یہ اظہر من الشمس ہے کہ دور آخر میں فاضل بریلوی نے اسی نظام مذہبی کو اپنے ۵۵ علوم سے زندہ فرمایا ہے چنانچہ عالم اسلام کا جو نقشہ تھا اس کو خلیق نظامی نے اس طرح پیش کیا ہے:۔

"جس زمانہ میں ایلتتمش بغداد میں تھا مشاہیر بزرگ وہاں موجود تھے، ہندوستان آنے والا روحانی قافلہ ابھی بغداد ہی میں قیام کر رہا تھا بغداد اس وقت ایک زبردست روحانی مرکز بنا ہوا تھا، جگہ جگہ خانقاہیں قائم تھیں جن سے فیضان الٰہی کے چشمے اُبل رہے تھے، مسجد کنکری، مسجد ابو اللیث سمرقندی، مسجد جنید بغدادی میں صوفیہ و مشائخ کے جمگھٹے لگے رہتے تھے کسی خانقاہ میں سعدی کا مرشد شہاب تزکیۂ نفس اور تجلیہ باطن کے درس دے رہا تھا تو کسی مسجد میں ہندوستان کا روحانی سلطان خواجہ معین الدین چشتی معرفت و حقیقت کے دریا بہا رہا تھا۔ مولانا عماد الدین، شیخ اوحد الدین کرمانی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دیگر اکابر صوفیہ

کے فیضان صحبت سے ہزاروں تشنگان معرفت سیراب ہو رہے تھے۔"

اسلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۱۰۳

چنانچہ اس روحانی ماحول نے بادشاہ کو بہت زیادہ متاثر کیا اور حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہترین عابد و زاہد ہوا، یہ وہ دور تھا کہ خانقاہوں میں ایسے ایسے اولیاءِ باکمال تھے کہ جن کی زبان میں قدرت نے بیحد تاثیر بخشی تھی، ایک مرتبہ کچھ پیسے لیکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں بادشاہ حاضر ہوا اور باادب بیٹھ کر بٹوہ سے پیسے نکال کر حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے فاتحہ پڑھی اور ارشاد فرمایا:

"من در چہرۂ ایں شخص انوار سلطنت لامع می بینم"۔ ——— مجھے اس شخص کے چہرہ پر انوارِ سلطنت درخشاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صوفیائے کرام ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ ایلتتمش ہاتھ میں کمان لیے ہوئے اس طرف سے گزرا، ان بزرگوں کی نظر ان پر پڑی فوراً حضرت خواجۂ ہند قدس سرہٗ نے فرمایا ——— ایں کودک بادشاہ دہلی خواہد شد ——— یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ ہوگا۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ ایلتتمش (م ۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء) صوفیائے کرام کے قدیم طریقۂ ایصال ثواب، قرآن خوانی اور تقسیم طعام کا بھی عامل تھا۔ چنانچہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی وفات شریف پر انہوں نے قاضی حمید الدین ناگوری کی خانقاہ میں کھانا بھیجا تھا اور بعدہٗ پھر جب اس بادشاہ کا بڑا لڑکا ناصر الدین محمود کا انتقال ہوا تو ایصال ثواب کے لیے ختم قرآن کیے تھے اور بہت صدقات بھی تقسیم کیے گئے۔

یہ وہ عمل ہائے قدیم ہیں جس کا اہتمام فاضل بریلوی نے پوری زندگی کیا اور پھر وصال سے کچھ دیر پہلے جو وصایا آپ نے لکھوایا اس میں غرباء، فقراء کے لیے ایصال ثواب کے ذریعے ایک حصہ مقرر فرما گئے، جس کو آج غیر مقلدین وہابیہ بدعت اور نا معلوم کیا کیا کہتے ہیں ——— ناصر الدین محمود (م ۱۲۶۶ء) کو رسول پاک صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑی عقیدت و محبت تھی اور نام پاک نبی علیہ السلام کا اس درجہ احترام کرتا تھا کہ بغیر وضو کے کبھی نام پاک کو اپنی زبان سے ادا نہیں کیا، چنانچہ واقعہ اس طرح ہے کہ ناصر الدین کا ایک مصاحب تھا جس کا نام محمّد تھا۔ ایک دن اس کو بادشاہ نے تاج الدین کہہ کر پکارا جس کی وجہ سے اس نے خیال کیا کہ شاید بادشاہ مجھ سے ناراض ہیں اور پھر کئی روز تک اسی رنج میں دربار میں حاضر نہ ہوا۔ بادشاہ نے غیر حاضری کی وجہ پوچھی تو جواب دیا ــــــ "اے شہنشاہ مجھے کبھی محمّد کے سوا کسی نام سے نہیں پکارتے تھے۔ اس روز خلاف عادت تاج الدین کہہ کر مخاطب کیا میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ مزاج سلطانی میں خاکسار کی طرف سے کوئی تبدیلی ہو گئی ہے۔"

چنانچہ بادشاہ نے قسم کھا کر اس کو یقین دلایا کہ اس وقت وہ بے وضو تھا اس لیے مجھے شرم آئی کہ بغیر وضو نام محمّد صلی اللہ علیہ وسلم زبان پر لاؤں۔

بادشاہوں کی یہ تربیت کہاں ہوئی تھی، اسی خانقاہ کے روحانی تاجداروں نے یہ سبق پڑھایا جس سبق نے وقت کے تاجدار و شہنشاہ کو بھی یہ درجہ دیا کہ اولیاء میں ان کا شمار ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اکبری عہد کا ماحول بیان کرتے ہیں۔

"قبر او مطاف و مزار عموم خلق است۔"

اور علامہ عبدالقادر بدایونی فرماتے ہیں کہ:

"قبر او در دہلی مشہور است چنانچہ ہر سال در و مجمع عظیم می شود۔"

اور شیخ نور الحق کا بیان ہے کہ:

"سائر مردم دہلی بزیارت قبر تبرک می جویند و مطاف و مزار عموم خلائق است۔"

آج اہلسنت کو الزام لگانے والو! ہند کے اولیائے کرام کی تاریخ پڑھو اور ان خانوادوں کے پروردوں کی زندگی کا مطالعہ کرو کیا انہیں بھی تم معاذ اللہ قبر پجوا کہو گے، یہ وہ تاریخ ہے جس کو جھٹلانے والا خود ہی جھوٹا ہو سکتا ہے، تاریخ اہلسنت بفضلہ تعالیٰ تابندہ و درخشندہ ہے۔ آیئے بلبن کا دور دیکھیں۔

غیاث الدین بلبن (م ۱۲۸۴ء) ہند کا یہ بادشاہ بھی حنفی مذہب کا تھا، بڑا نمازی، پرہیزگار صوفیائے کرام کی از حد تعظیم کرتا۔ فیروز شاہی کا بیان ہے:۔

نماز جمعہ کے بعد بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کے لیے جاتا تھا، اگر سادات میں سے کوئی بزرگ یا کوئی شیخ یا عالم رحلت کر جاتا تو اس کے جنازہ میں شرکت کرتا تھا۔ اس کی نماز جنازہ ادا کرتا تھا اور سوئم میں جاتا تھا اور متوفی کے بھائیوں اور بیٹوں کو کپڑے دیتا تھا اور نوازش کرتا تھا" تاریخ فیروز شاہی ص ۴۶، ۴۷)

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک خواجہ سرا دہلی میں حاضر ہوا جس کا نام کافور تھا وہ دو تنکے میرے پاس لایا میں نے قبول کر لیے۔ اس نے کہا:۔

"مجھے حکم ہے کہ ہر جمعہ کے دن سلطان غیاث الدین بلبن کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے کچھ خیرات کروں۔" (سیر الاولیاء ص ۵۰۶)

یہ وہ طریقے ہیں جو قدیم ہیں جس پر خانقاہ، اور خانقاہ سے منسلک پورا طبقہ عامل رہا، آج تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں، کیا ہے کسی میں ہمت جو ان نفوس قدسیہ کے معمولات کو شرک یا کفر کہے یہ تو وہی کہے گا جو انگریز کا سچا نمک خوار ہوگا۔

آیئے اور آگے چلیں اور تاریخ خانقاہ کا مشاہدہ اپنی کھلی آنکھوں سے کریں۔

علاء الدین خلجی (م ۱۳۱۶) کا دور بھی اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے بہت مشہور ہے اس نظام مذہبی کو فاضل بریلوی نے انیسویں صدی میں اپنا خون جگر دیکر سینچا ہے چنانچہ اس دور کا نقشہ خلیق نظامی نے یوں کھینچا ہے:۔

"روحانی دنیا میں جس چراغ کو خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید گنجشکر اور شیخ بہاء الدین زکریا نے باد مخالف کے تیز و تند جھونکوں کے درمیان روشن کیا تھا اس کی ضیا پاشیوں نے ہزاروں تیرہ و تاریک زندگیوں میں اُجالا کر دیا تھا، شیخ نظام الدین اولیاء کی خانقاہ سے حقیقت و معرفت کے چشمے ابل رہے تھے، محلات شاہی میں اگر مسلمانوں

کے جاہ وجلال اور شان وشوکت کے نظارے دکھائی دیتے تھے تو غیاث پور
میں وہ شاہنشہ بے سریر و بے تاج جلوہ افروز تھا جس کے جمال جہان آرا
نے دہلی کو بقول برنی رشکِ بغداد، غیرت مصر، ہمسر قسطنطنیہ، موازی
بیت المقدس بنادیا تھا۔" (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۱۶)

چنانچہ اس اجالے سے علاء الدین خلجی نے بھرپور روشنی حاصل کی وہ صوفیہ ومشائخ کا بڑا معتقد تھا، مشکلات کے وقت وہ اکثر بزرگوں کی روحانی امداد کا طالب ہوتا تھا۔

(اعجاز خسروی ج ۴ ص ۱۱۶ وشاہانِ دہلی، ص ۲۶۷)

بادشاہ کے معمولات دینیہ نے اور مذہب سے والہانہ لگاؤ نے ولی صفت بنا دیا تھا چنانچہ حمید قلندر جامع ملفوظات شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی بادشاہ کے متعلق اپنا ایک مشاہدہ یوں نقل فرماتے ہیں۔

"ایک شخص نے کہا لوگ اس کی قبر پر زیارت کو جاتے ہیں اور اپنی مراد کی ریسماں باندھتے ہیں۔ اور ان کی حاجتیں پوری ہوجاتی ہیں۔ بندہ کو اس موقع پر ایک قصہ یاد آیا، وہ بیان کیا ان ہی دنوں میں بندہ سلطان علاء الدین کے مزار کی زیارت کے لیے گیا تھا نماز کے بعد زیارت کی اور وہاں پہنچا جہاں لوگ کلاوہ باندھتے ہیں، اگرچہ میری کوئی حاجت نہیں تھی لیکن میں نے اپنے دستارچہ میں سے ایک ڈورا کھینچا اور وہاں باندھ دیا، رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص پکارتا ہے کہ وہ کون ہے جو سلطان علاء الدین کی قبر پر کلاوہ باندھ گیا ہے؟ اس کے چند بار پکارنے کے بعد میں آگے بڑھا اور کہا میں نے باندھا ہے ——— کہا! تیری کیا حاجت ہے بیان کر، میں نے کہا میری کوئی حاجت نہیں کیا بیان کروں اور دل میں گزرا کہ مجھے جو حاجت ہے وہ تو روضۂ شیخ پر عرض کردی، شیخ کافی ہے غیر سے کیا چاہوں اسی حال میں بیدار ہوگیا۔" (خیر المجالس ص ۲۴۱/۲/۲۴۲)

اور اجالے میں آئیں اور دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیں کہ اولیاء کا عتاب کیسا ہوتا ہے۔
قطب الدین مبارک خلجی (م ۱۳۲۱ء) سے حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے تعلقات انتہائی خراب تھے، بعض بے بنیاد شبہات کی وجہ سے سلطان ان سے بدظن ہوگیا تھا اور کھلے الفاظ۔ انکے متعلق نامناسب الفاظ ادا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ ایذائیں اور تکلیفیں پہنچانے کے نت نئے موقع تلاش کرتا۔ مشہور واقعہ ہے کہ جب سلطان کی جامع مسجد تیار ہوئی تو اس نے تمام مشائخ وعلماء کو حکم بھیجا کہ اسی مسجد میں پہلی نماز جمعہ ادا کریں۔ یہ حکم جب شیخ کو سنایا گیا تو آپ نے جواب دیا۔
"ہمارے قریب ہی مسجد ہے اس کا ہم پر زیادہ حق ہے، ہم اسی جگہ نماز پڑھیں گے" (سیر الاولیاء ص ۱۵۰)
یہاں تک کہ حضرت کے چند احباب نے فرمایا کہ حضرت بادشاہ جوان اور عاقبت نااندیش ہے مصلحت اسی میں ہے کہ آپ تشریف لے چلیں اور ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ حضور! حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی روح سے رجوع کریں تاکہ فتنہ و فساد کا اندیشہ ختم ہو جائے۔ تو شیخ نے جواب دیا۔

"مجھے شرم آتی ہے کہ اس معاملہ میں ان کی طرف رجوع کروں مجھے بہت سے دینی کام درپیش ہیں (اتنی فرصت کہاں کہ) یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھوں، لیکن تم یقین رکھو کہ سلطان قطب الدین کسی طرح مجھ پر کامیابی نہ حاصل کریگا۔" (سیر الاولیاء ص ۷۷)

درباری جب یہ سن کر واپس ہوا تو بادشاہ کو خوب نمک مرچ لگا کر شیخ کی بات کہہ دی، نتیجہ یہ ہوا کہ غصہ میں آکر بادشاہ نے کہا کہ میں جس طرح بھی ہو اس کو بلوا کر ہی دم لوں گا ——— شیخ نے جب اس کا یہ جواب سنا تو کوئی جواب نہ دیا اور نہایت خاموشی سے اپنی والدہ ماجدہ کے مزار شریف پر حاضر ہوئے اور ان کی روح کو مخاطب ہو کر کہا ——— اگر اگلے مہینے کی پہلی تاریخ تک بادشاہ کا کام تمام نہ ہوا تو میں آپکے مزار کی زیارت کو نہ آؤں گا (سیر الاولیاء ص ۱۵۱) آپکی والدہ ماجدہ کا روحانی فیض ہوا اور جس رات کو چاند دکھائی دینے والا تھا اسی رات کو سلطان کے محبوب خسرو خاں نے اس کا سر کاٹ کر قصر ہزار ستون کے نیچے ڈال دیا ———

اور حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا بیان ہے کہ جس رات کو سلطان کا قتل ہونے والا تھا
اودھ کا ایک مجذوب یہ کہتا ہوا بازاروں میں گھوم رہا تھا۔

وہ ترا ملک کیا ہوا ؟ اور وہ ترا چتر کیا ہوا ؟ اور وہ ترا تخت کیا ہوا ؟

(بالآخر) دوسروں کے قبضہ میں چلا گیا۔ (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۲۹۷)

دیکھا آپ نے اولیاء اللہ سے عداوت و دشمنی خدا سے جنگ و لڑائی ڈھونڈنے کے مترادف ہے
آیئے اور آگے بڑھیں اور تاریخ کا وہ بھی گوشہ دیکھیں جو تغلق دور کا تھا

محمد بن تغلق (م ۱۳۵۱ء) علم دوست اور تصوف و روحانیت کا زبردست قائل تھا
علم دین کے فروغ میں بھی نمایاں کام انجام دیا۔ چنانچہ قلقشندی کی اطلاع کے بموجب صرف
دہلی میں ایک ہزار مدرسے تھے، ان میں سے ایک شافعی مذہب کا تھا باقی سب حنفیوں
کے تھے اور اس کو حسن اتفاق ہی کہا جائے گا۔ کہ علمائے احناف نے ہندوستان میں وہ کام
انجام دیا کہ شاید ہی کوئی اس کا انکار کرے اور عالم اسلام کا پورا نظام علمائے احناف کی
روشن تاریخ سے پُر ہے دور اخیر میں فاضل بریلوی نے اس نظام کو اوج ثریا پر پہنچا دیا اور
سب سے بڑی حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ فاضل بریلوی کی عمر شریف کو دیکھیں اور ان کے
حیرت انگیز تصنیفات کو تو عقل کبھی باور نہیں کرتی کہ اتنی قلیل عمر میں اتنا زیادہ کوئی کیسے
لکھے گا۔ بلکہ اتنا لکھنے کے لیے اسے پوری صدی چاہیئے۔ مگر فاضل بریلوی کی یہ عظیم کرامت
ہے کہ صدیوں کا کام آپ نے مہینوں میں کیا ہے اور یہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ آپ کی تصانیف
اس کی بہترین مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مخالف اعتراف کرتا ہے کہ اگر ہندوستان
میں امام احمد رضا پیدا نہ ہوتا تو حنفیت مٹ جاتی ______

فاضل بریلوی نے اپنے بزرگوں کے روحانی چراغ کو بڑی تیز و تند دور میں روشن کیا۔
اور اپنے بزرگوں کے روحانی فیضان کو تاحیات روشن کرتے رہے جس کے زبردست
مخالف اسمٰعیل دہلوی تلمیذ محمد بن عبدالوہاب نجدی، رشید احمد گنگوہی، محمود الحسن دیوبندی
قاسم نانوتوی، سید احمد بریلوی، اشرف علی تھانوی، اور حسین احمد مدنی وغیرہ تھے، ان تمام

لوگوں کا سرا انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی سے ملتا ہے یہ تمام کے تمام انگریز کے تنخواہ دار تھے جو دو حصوں میں بٹ گئے ایک نے اپنے کو غیر مقلد وہابی کہا اور دوسرے نے مقلد وہابی بن کر ہندوستان سے حنفیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کی باقاعدہ تحریک چلائی۔

اور آج دن کے اجالے میں ہر شخص مشاہدہ کر سکتا ہے بلکہ تاریخ سے اب وہ پردے بھی اٹھ رہے ہیں ——— حیرت ہے ان بزرگوں کے سجادہ نشینوں پر جنہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ سوائے چندے وصول کرنے کے میرے ذمے اب کچھ نہیں رہا، سجادہ نشینو! اٹھو! اپنی خانقاہ میں ایک اشاعت گھر رکھو، اور اولیاء ہند کے تحریکات کو قوم کے سامنے کتابی صورت میں پیش کر کے اپنے بزرگوں پر لگائے گئے پردے کی تار و پود کو اکھیڑ دو۔ کل قیامت میں تمہیں جواب دینا ہے اور آنے والا مورخ کبھی تمہیں نہیں بخشے گا۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا کہ محمد بن تغلق بزرگوں کا بھی بڑا معتقد تھا۔ متعدد بزرگانِ دین کے مزارات کی تعمیر بھی اپنے دور حکومت میں کی۔ مثلاً بدایوں میں میراں ملہم دہلی میں حضرت شیخ نظام الدین اولیاء، ملتان میں شیخ رکن الدین ملتانی اور اجودھن میں شیخ علأالدین کا مزار خود ہی بنوایا۔ میر ملہم شہید بدایوں کے قدیم ترین بزرگوں میں تھے ان کا شمار حضرت سید سالار مسعود غازی کے رفیقوں میں ہوتا تھا سلطان نے ان کا مزار شریف از سر نو تعمیر کرایا تھا اور اس پر یہ کتبہ لگایا۔

"اتممت عمارۃ جدید فی عہد سلطان الاعظم ابوالمجاہد
فی سبیل اللہ محمد بن تغلق شاہ السلطان ناصر امیر المؤمنین
خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ المعمار
محمد سلطانی یوم احدی الثامن ربیع الآخر ۷۲۸ھ"

یہی نہیں بلکہ جب حضرت شیخ علاؤالدین کا انتقال ہوا تو لوگوں نے اجودھن سے کشمیر تک

از غایت محبت و اعتقاد مقامہا ساختہ۔۔۔۔ وقبرہا کردہ۔

اس کے بعد محمد بن تغلق نے اجودھن میں ان کے روضہ پر ایک عالی شان گنبد تعمیر کرایا۔

(سیر الاولیاء ص ۱۹۶)

حضرت سید سالار مسعود غازی کے مزار شریف کی حاضری کا حال برنی نے اس طرح لکھا ہے

"بہرائچ گیا اور سید سالار مسعود شہید کے مزار کی جو سلطان محمود سبکتگین کے غزاۃ میں سے تھے زیارت کی اور مجاوروں کو بہت سے صدقات دیئے۔"

(تاریخ فیروز شاہی، ص ۴۹)

آیئے اپنی تاریخ کے اور بھی تابناک دور کا مشاہدہ کیجئے اب میں آپ کو دورِ فیروز شاہی میں لے چل رہا ہوں ——— فیروز شاہ تغلق (م ۱۲۸۸ء) فیروز شاہ تغلق خانقاہی نظام کو درست کرنے پر بہت زیادہ توجہ دیا۔ اس کا یہ کارنامہ بقول خلیق احمد نظامی کے سوکھی ہوئی کھیتی کو پانی دینے کے مترادف تھیں۔ چنانچہ برنی نے لکھا ہے۔

"سلطان نے شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر، شیخ بہاءالدین زکریا، شیخ رکن الدین ابوالفتح، شیخ نظام الدین اولیاء، شیخ جمال الدین وغیرہ کے خاندانوں اور خانوادوں کو کثرت سے گاؤں وظائف اور باغات تقسیم کیے اور ان خانقاہوں میں جہاں خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، اور تسبیح و تہلیل کے ہنگامے پھر گرم ہو گئے اور شہروں اور قرب وجوار کی خانقاہیں جو برسوں سے خراب حالت میں پڑی تھیں اور جہاں پرندہ تک پر مارنا پسند نہیں کرتا تھا اور جہاں پیاسے کو پانی بھی نہیں ملتا تھا، سلطان فیروز شاہ کی فیاضی سے آستانہ داروں، صوفیوں، زاہدوں، قلندروں، حیدریوں، مسافروں اور مسکینوں سے بھر گئیں۔" (تاریخ فیروز شاہی ص ۵۶۰)

فیروز شاہ تغلق اجودھن جاکر حضرت بابا فرید گنجشکر کے مزار شریف پر حاضر ہو کر فاتحہ پڑھی تھی۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء اور دیگر بزرگوں کے مزارات پر اس کی حاضری کا متعدد جگہ تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ اور کسی مہم پر جانے سے پہلے دہلی کے سلاطین اور مشائخ کی قبروں پر فاتحہ کے لیے حاضر ہوتا تھا، یہاں تک کہ جب تتہ کی مہم پر روانہ ہوا تو اثنائے راہ میں چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی قبروں

پر خصوصیت سے گیا، شیخ الاسلام صدر الدین اس کے ہمراہ تھے انہوں نے شکایت کی کہ

"شہر ملتان کے مشائخ کو نظر انداز کر دیا اور شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی زیارت کے لیے نہیں گئے"

یہاں تک کہ واپسی پر فیروز نے سہروردیہ سلسلہ کے مشائخ کے مزارات پر بھی حاضری دی۔ فیروز شاہ اپنے عہد حکومت میں متعدد مزارات تعمیر کرائے اور بے شمار مزارات کی مرمت کرائی اس سلسلہ کی کچھ تعمیرات کا ذکر انہوں نے خود ہی اپنی فتوحات میں کیا ہے، لکھتا ہے کہ سلطان معز الدین سام کے مقبرے کی مغربی دیوار اور دروازے کے تختے پرانے اور فرسودہ ہو گئے تھے، ان کی تجدید کرائی گئی اور بجائے لکڑی کے صندل استعمال کیا گیا۔ سلطان ایلتمش کے مقبرہ کے، جو ستون گر گئے تھے ان کی جگہ بہتر ستون بنوائے گئے مقبرہ کا صحن پختہ کرایا گیا اور گنبد کے نیچے ایک سنگ تراشیدہ زینے کا اضافہ کیا گیا ملک پور میں سلطان معز الدین پسر سلطان شمس الدین کا مقبرہ بالکل منہدم ہو چکا تھا اس کی از سر نو تعمیر کرائی گئی، گنبد، چبوترہ اور احاطہ بنوایا گیا ——— سلطان رکن الدین کے مقبرہ کا احاطہ اور گنبد بنوایا گیا اور ایک خانقاہ وہاں تعمیر کی گئی، جلال الدین خلجی کے مقبرہ پر ایک نیا دروازہ لگایا گیا۔ علاؤ الدین خلجی کے مقبرہ میں صندل کے دروازے لگوائے گئے اور آبدار خانہ اور مسجد کی دیواریں درست کرائی گئیں، نیز خلجی شہزادوں خضر خاں، شادی خاں، فرید خاں، سکندر خاں، سلطان قطب الدین اور شہاب الدین وغیرہ کے مقبرے بھی ٹھیک کرائے گئے، ملک کافور کا مقبرہ جو زمین میں دھنس گیا تھا از سر نو تعمیر کرایا گیا، دارالامان میں جہاں تغلق سلاطین کی قبریں تھیں صندل کے دروازے بنوائے گئے اور خانہ کعبہ کے دروازوں کے پردے سائبان کے طور پر لگائے گئے۔ سلاطین کے مقابر کے علاوہ اس بادشاہ نے مشائخ کے مزارات بھی کثیر تعداد میں تعمیر کرائے تھے، حضرت شیخ نظام الدین اولیاء کے مقبرہ کے دروازے اور جالیاں صندل کی بنوائی گئیں اور سونے کی قندیلیں سونے کی زنجیروں سے باندھ کر چاروں کونوں پر

لٹکادی گئیں اور ایک جماعت خانہ نیا تعمیر کرایا گیا، حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کا مزار بھی فیروز شاہ نے تعمیر کرایا تھا مزار کے دروازے پر یہ کتبہ ہے۔

بسم اللہ تیمنا بذکرہ عمارۃ ایں گنبد درعہد همایوں الواثق باللہ ابوالمظفر فیروزشاہ سلطان خلداللہ ملکہ سال ہفصد ہفتاد وپنج ازتاریخ ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بود،

(آثارالصنادید ص ۱۹)

فیروز فقراء ومشائخ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا اس نے اس کا تذکرہ خود فتوحات میں کیا ہے۔

"خدا کی مہربانی سے میرے دل میں فقراء ومساکین کی خاطرداری اور ان کی تالیف قلوب کا جذبہ پیدا ہوا حتی کہ جہاں کہیں مجھے کوئی فقیر یا گوشہ نشین ملتا ہے میں اس کی ملاقات کے واسطے جاتا ہوں اور دعا کے ذریعہ اس کی مدد حاصل کرتا ہوں تاکہ (وہی امیر سب سے بہتر ہے جو فقیر کے دروازہ پر جاتا ہے) کی فضیلت حاصل کروں"۔ (فتوحات فیروزشاہی، ص ۱۷)

فیروز شاہ کے دور میں وحدۃ الوجود پر صوفیائے کرام نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے مسئلہ وحدۃ الوجود تو ایک قدیم نظریہ ہے مگر خاطر خواہ اس پر روشنی نہیں ڈالی گئی تھی اور حضرت ابن عربی نے فصوص الحکم تصنیف فرماکر اس کی جانب خاص توجہ فرمائی، ہندوستان کے ماہرین وحدۃ الوجود کے جلیل القدر اولیاء کاملین گزرے ہیں جن میں چند کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری، مسعود بک، میر سید امیر ماہ، شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شیخ حسن طاہر، شیخ علی ہمدانی، ابوالمحاسن شرف الدین دہلوی، سید محمد گیسودراز، حضرت ابراہیم ایرجی، حضرت نظام الدین شاہ بھیکہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ اور آپ کا پورا خاندان، شاہ خوب اللہ الہ آبادی

علامہ فضل حق خیر آبادی، امام احمد رضا خان بریلوی وغیرہم نے فصوص الحکم کی شرح لکھ کر وحدۃ الوجود کے تصورات کو عام کر دیا شیخ علی مہائمی تو صرف حضرت ابن عربی کے افکار کو سمجھانے کے لیے یمن تک گئے تھے ـــــــــ صوفیہ کرام اور اہل عرفان لاموجود الا اللہ کے قائل ہوتے ہیں۔"

امام احمد رضا خاں اپنی زندگی بھر وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد رہے۔ اور اکثر تصانیف میں اس نظریہ کی وضاحت بھی فرمائی ہے چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

" مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے، وحدتِ وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود و ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو زید و عمرو ہر شئی خدا ہے۔ یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہلِ توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں۔
(کشف حقائق و اسرار دقائق)

مگر اس مسئلہ کو سمجھنے میں مورخین کو سخت دھوکا اور مغالطہ ہوا ہے اور اس کی کڑی کافروں سے جوڑ دیا ہے ـــــــــ فاضل بریلوی ہندوستان میں دور اخیر کے پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے اس نظریہ کی پوری وضاحت فرمائی ہے اور ایک دوسری جگہ نظریہ وحدۃ الوجود کو مزید تفصیل اور اس کے تین فرقوں کو اس طرح واضح کرتے ہیں۔

" ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں ـــــــــ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے ـــــــــ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی ـــــــــ ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی ـــــ

بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی ـــــ کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی،
یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے. ورنہ وہ صورت جس
کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلّی ان
سے منزّہ ہے ـــــ ان کے الٹے بھونڈے، دھندے ہونے سے اس میں
کوئی قصور نہیں ہوتا ـــــ و لہذا المثل الاعلیٰ ۔
اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوتے ہیں۔
اوّل : ناسمجھ بچے انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس
بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ ـــــ ہاں یہ ضرور ہے
کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ چلتا ہے سب
چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی ـــــ
مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم ـــــ یہ سب اسی کے عکس ہیں۔ اگر اس سے جواب
ہو جائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہو جائیں گے ـــــ ہو کیا جائیں،
اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں، حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے باقی
سب پرتو کی نمود ہے۔
دوم : اہل نظر و عقل کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک
وجود میں ایک بادشاہ کے لیے ہے، موجود ایک ہی ہے، یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد
ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا
ہے؟ ـــــ حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں ـــــ اور جب یہ اپنی
ذات میں معدوم و فانی ہیں اور بادشاہ موجود یہ اس نمود میں اس کے محتاج ہیں اور وہ
سب سے غنی ـــــ یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ
سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام
سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ لاجرم یہ نہیں

کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے ـــــــ اور یہ صرف اس تجلی کی نمود ـــــــ یہی حق و حقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم: عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے، ان نا سمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی ـــــــ جو حرکت وہ کرتا ہے، یہ سب بھی ـــــــ تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل و دانش کو بیٹھ دیکھ بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص جو نقصانِ قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا مورِد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے، کا جو عین ہے قطعًا انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظلمون علوًّا کبیرًا۔

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک، وہاں جسے آئینہ کہیئے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینہ میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثلاً کلام و سمع و بصر و علم و ارادہ و حیات و قدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا، لیکن وجود حقیقی عزوجلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا ـــــــ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت ہوئی وہ سمجھ لیے کہ ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انہوں نے صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں۔

(۱) حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لیے خاص ہے اور (۲) ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے۔

اور حاشا یہ تقسیم اشتراکِ معنیٰ نہیں، بلکہ محض موافقت فی اللفظ ـــــــ یہ ہے حق حقیقت

وعین معرفت و للہ الحمد (فتاویٰ رضویہ ج ۶ ص ۱۳۲/۱۳۴، امام احمد رضا اور تصوف ص ۱۷/۲۱)

آیئے ہم پھر اسی جگہ پر آجائیں کہ وحدۃ الوجود ایک ایسا نظریہ ہے جس پر بے شمار اولیاء کاملین کا عمل رہا ہے اور ہے اور اس کی مخالفت سوائے ابن تیمیہ یا وہابی ذہن رکھنے والوں کے کسی نے نہیں کی ہے۔

اب آیئے لودی دور کا ایک جائزہ لیں۔

بہلول لودی (م ۱۴۸۸ء) یہ دور بھی تصوف و خانقاہ کا تابناک دور تھا، ہر طرف بزرگوں سے عقیدت، دین سے فدائیت کا بھرپور پتہ ملتا ہے، چنانچہ بہلول لودی پر سلطان حسین شرقی نے ایک بڑی فوج لے کر دہلی پر چڑھائی کی تو بہلول نے تمام رات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر ننگے سر کھڑے ہو کر دعائیں مانگیں، کہتے ہیں کہ صبح کے وقت ایک مرد غیب سے نمودار ہوا اور ایک لکڑی اس کے ہاتھ میں دیکر کامیابی کی بشارت بھی دی (سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۴۲)

حضرت شیخ سماء الدین سہروردی سے بہلول لودی نے اولیاء کرام سے عقیدت کا اظہار اس طرح خود بیان کیا ہے۔

"حضرت مخدوم باوجود اتنی تقصیرات کے اپنے دل میں لمحہ بہ لمحہ درویشوں کی محبت زیادہ پاتا ہوں، مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ محبت فقراء کی برکت سے مجھے نجات عطا فرمائے گا۔"

یہاں تک کہ سلطان کے اس اظہار عقیدت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے اور اپنا ایک خاص مصلّٰی عنایت فرمایا، جس کو بڑے ہی احترام سے سر پر رکھ کر بہلول لودی خانقاہ سے واپس ہوا —— پھر جب بہلول کا انتقال ہو گیا تو ایک دن حضرت شیخ سماء الدین اسی کے مزار پر تشریف لے گئے اور کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد فرمانے لگے:

سبحان اللہ! اس آدمی نے اگرچہ اس دنیا میں اپنی عمر کامرانی اور سلطانی

میں گزاری لیکن اس محبت اور اعتقاد کی وجہ سے جو اس کو دوستان خدا سے تھا، اس نے اس جہان میں بھی اعلیٰ مرتبہ پایا (سیر العارفین ص ۱۷۹)

جلال الدین اکبر (م ۱۶۰۵ء) کا دور مسلمانان ہند کے لیے خصوصاً اور مسلمانان عالم اسلام کے لیے عموماً بڑا ہی تاریک اور پرفتن دور تھا اس دور کا نقشہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی کی زبانی سنیئے۔

"مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند دا قرن ماضی کفار برملا و بطریق استیلاء اجرائے احکام کفر در دار اسلام میکردند و مسلمانان از اظہار احکام اسلام عاجز بودند و اگر میکردند بقتل میرسیدند، واویلا ـــــ وا مصیبتا ـــــ وا حسرتا ـــــ وا حزنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کہ محبوب رب العالمین است مصدقان او ذلیل و خوار بودند و منکران او بعزت وا عتبار مسلمانان باد لہامی ریش در تعزیت اسلام بودند و معاندان بسخریہ و استہزا بر جراحتہائے ایشان نمک پاشیدند، آفتاب ہدایت در تشق ضلالت مستور شدہ بود و نور حق در حجب باطل منزوی ـــــ (مکتوب ج ۱، ۴۶، ج ۱ مکتوب ۴۷)

غربت اسلام تا بحدے رسیدہ است کہ کفار برملا طعن اسلام و ذم مسلمانان می نمایند و بے تحاشا اجراء احکام کفر و مداحی اہل آں در کوچہ و بازار میکنند و مسلمانان از اجراء احکام اسلام ممنوعہ اند در اتیان شرائع مذموم و مطعون۔ ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سبحان اللہ وبحمدہ "الشرع تحت السیف" گفتہ اند و رونق شریعت را بسلاطین وابستہ اند قضیہ منعکس گشتہ است و معاملہ انقلاب پیدا

کردہ است۔ واحسرتا ـــــ واندامتا ـــــ واویلا ـــــ

کفار ہند بے تحاشی ہدم مساجد می نمایند و در آنجا تعمیر معبد ہائے خود می سازند ـــــ (مکتوب ۶۵ ج ۲ و مکتوب ۹۲ ج ۱)

دَور اکبری کا سب سے بے باک، نڈر مورخ حضرت شاہ عبدالقادر بدایونی جن کی حیثیت اکبری دَور کی تاریخ کے لیے گھر کے بھیدی کی ہے وہ اس دور کا صحیح نقشہ منتخب التواریخ میں کھینچا ہے لکھتے ہیں۔

دریدہ دہن پادری اکبر کے دربار میں قرآن، اسلام اور بانی اسلام کو علی الاعلان بُرا کہتے تھے اور وہ علماء کے ساتھ مناظروں میں دجّال کی تمام صفات (نعوذ باللہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک میں ثابت کرتے تھے ـــــ (منتخب، ص ۲۶۰، ج ۲)

اس نے احمد، محمّد اور مصطفیٰ جیسے نام رکھنے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔

(جلد ۲، ص ۲۶۹)

اور حضور پاک کے نام نامی کلمہ طیّبہ سے حذف کر دیا اور یہ کلمہ پڑھا جاتا۔

لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ ـــــ (منتخب ج ۲ ص ۲۷۳)

ملا شیری اپنے شعر میں کہتے ہیں۔

بادشاہ امسال دعوٰی نبوت کردہ است

گر خدا خواہد پس از سال خدا خواہد شدن (منتخب ج ۲ ص ۳۰۹)

ان ایام میں اکبر سے حج پر جانے کے لیے رخصت طلب کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا ـــــ (منتخب ج ۲ ص ۲۳۹)

ارکان دین کے ہر رکن اور عقائد اسلام کے ہر عقیدہ چاہے وہ اصولی ہو یا فروعی جیسے نبوت، کلام، رویت، تکلیف، تکوین، حشر و نشر پر ہر طرح سے شبہات نے آگھیرا اور برملا اس کا مذاق اڑایا جاتا، (منتخب ج ۲ ص ۳۰۷)

دین کی بنیاد عقل پر رکھی نہ کہ قرآن وحدیث پر (منتخب ج ۲ ص ۲۱۱)

اس بھیانک دور سے مسلمانان ہند کتنا پریشان اور دل برداشتہ ہوا ہوگا وہ بتلانے کی بات نہیں ــــــ مجدّدین کا گروہ اسی کام کے لیے قیامت تک آتا رہے گا۔ چنانچہ اکبری دور کے ان تمام گندگیوں کو اگر ہندوستان سے کسی نے صاف کیا ہے تو وہ واحد ذات اور اس کا سہرا حضرت مجدّد الف ثانی کے سر پر ہے میرا یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ بارود کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر آپ نے روحانیت کا صور پھونکا اور مسلمانانِ ہند کے عظیم مسیحا بن کر اسلام کی وہ عظیم خدمت انجام دی ہے جن کے احسان سے برصغیر کے ہر مسلمان کا سرخم ہے شیخ کی خدمات و تعلیمات نے اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو ہمیشہ ہمیش کے لیے روشن و منوّر کر دیا۔ اور آج بھی ان کا روحانی فیض جاری وساری ہے۔ ادھر خانقاہوں کا سر فخر سے بلند ہے۔

۳ ــــــ اب آیئے آپ فاضل بریلوی کے دور کا ایک سرسری جائزہ لیں کہ اس دور میں ہندوستان کی حالت کیا تھی۔ کونسا فتنہ سر ابھارے ہوا تھا، یہ وہ دور تھا کہ سارا زور نظام خانقاہی کو بیخ وبُن سے اکھاڑ دینے پر صرف کیا جا رہا تھا، اور وہ سارے الفاظ پھر سے دہرائے جانے لگے تھے جس کا نقشہ دورِ اکبری میں پڑھ چکے ہیں۔ شکوک وشبہات کی ایک منظم تحریک انگریزوں کے اشارے پر رچائی گئی اور اتحادِ اسلامی کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔ انگریز تو چاہتا ہی تھا کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" اسی کا یہ نقشہ ہند میں اسمٰعیل دہلوی کے ہاتھوں مرتب ہوا اور عرب کو اپنا زرخرید غلام بنا کر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذریعے سارے نظام کو درہم برہم کر دیا جس سے آج تک عالم اسلام خون کے آنسو رو رہا ہے ــــــ

ــــــ اب آیئے ان کتابوں کے حوالے پیش کر رہا ہوں اور اس کا موازنہ دورِ اکبری سے کرتے ہوئے جائزہ لیں کہ اگر فاضل بریلوی اس کی گرفت نہ کیے ہوتے تو یہ فتنہ کتنا مہلک ہوتا وہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں، نقل کفر، کفر نہ باشد۔

"اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے ــــــ (ایک روزہ ۱۷/ جہد المقل ۴۱)

ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے
(ص ۱۳ تقویۃ الایمان)
جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ (ص ۲۸ 〃 〃 〃)
انبیاء اولیاء ذرۂ ناچیز سے بھی کمتر ہیں ـــــ (ص ۳۸ 〃 〃 〃)
(حضور علیہ السلام) گنوار کی بات سن کر مارے دہشت کے بے حواس ہو گئے
(ص ۳۹، تقویتہ الایمان)
انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے سو اس کی بھائی کی سی تعظیم کی جائے ـــــ (ص ۴۲، تقویتہ الایمان)
یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں (〃 〃 〃 〃)
انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتا ہے بلکہ بڑھ جاتا ہے۔
(تحذیر الناس، ص ۵)
اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اس زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔ (تحذیر الناس، ص ۲۴)
پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہیں یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے ـــــ
(حفظ الایمان، ص ۸)
الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا

شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے، شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ (براہین قاطعہ، ص ۵۵)

زنا کے وسوسہ سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے (صراط مستقیم ص ۱۲۶)

زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے ——— (رسالہ امداد ۳۵)

پھر بھی یہ کہتا ہوں اللھم صل علی سیدنا و نبینا ومولانا اشرف علی ——— (ص امداد ۳۵)

فتاویٰ رشیدیہ کے سوالات وجوابات

سوال:۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا کچھ اور کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں، ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد یا حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں ؟۔

جواب:۔ درست ہے ——— (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۸۸)

سوال:۔ ہندو جو پیاؤ پانی کی لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کر کے، مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ اس پیاؤ سے پانی پینا مضائقہ نہیں ہے۔ (ص ۴۹۸)

اب دوسرا رخ انہوں کے ساتھ دیکھیں۔

سوال :۔ محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت بیان کرنا مع اشعار بروایت صحیحہ یا بعض یا بعض ضعیفہ بھی و نیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ محرم میں ذکر شہادت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کرنا اگرچہ بروایت صحیحہ ہو یا سبیل لگانا، شربت پلانا یا چندہ سبیل و شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۴/۱۴۸)

سوال :۔ جس عرس میں صرف قرآن شریف پڑھا جائے اور تقسیم شیرینی ہو جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ کسی عرس اور مولود میں شریک ہونا درست نہیں اور کوئی سا عرس اور مولود درست نہیں۔ (ص ۱۴۷)

سوال :۔ انعقاد مجلس میلاد بدون قیام بروایت صحیح درست ہے یا نہیں۔

جواب :۔ انعقاد مجلس مولود ہر حال ناجائز ہے، تداعی امر مندوب کے واسطے منع ہے (ص ۱۴۸)

مذکورہ بالا عبارتوں اور اقوال کی تردید سوائے کسی مجدد وقت کے کرنا بعید از قیاس تھا، اسی کام کے لیے قدرت نے آپکو مجدد بنا کر بھیجا فاضل بریلوی نے اپنی خداداد طاقت سے باطل کی تاریکی چاک کر کے حق کا بول بالا کیا اور ہندوستان کی تمام خانقاہیں جو اس حملوں سے پریشان تھی فاضل بریلوی نے ۵۵ علوم سے نظام خانقاہی کو زندہ فرمایا، جس کی بنیاد عشق خدا و رسول ہے، عظمت انبیاء و اولیاء ہے، اخوت و مروت ہے اور اتحاد و اتفاق ہے اسی بنیادی اساس پر خانقاہی نظام قائم ہے۔ چنانچہ ایک مؤرخ خواجہ حسن نظامی جو آپ کے معاصر ہیں اس بات کا برملا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ :

"بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب، جن کو ان کے معتقد مجدد مائتہ حاضرہ کہتے ہیں۔ درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں انہوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھی ہیں جو سالہا سال سے فرقۂ وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں، اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی و شافی نہیں دیئے گئے تھے ان کی

تصنیفات وتالیفات کی خاص شان اور خاص وضع ہے یہ کتابیں بہت زیادہ
تعداد میں ہیں اور ایسی مدلّل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کے تبحر علمی کا جید سے
جید مخالف کو اقرار کرنا پڑتا ہے، مولانا احمد رضا خان صاحب جو کہتے ہیں
وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی
چاہیئے۔ ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی
بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگادیتے ہیں، مگر شاید ان
لوگوں نے مولانا اسمٰعیل شہید اور ان کے حواریوں کی دل آزار کتابیں نہیں پڑھیں۔
جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے۔ ان کتابوں میں جیسی
سخت کلامی برتی گئی ہے اس مقابلہ میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا
خان صاحب نے اب تک بہت کم لکھا ہے، جماعت صوفیا علمی حیثیت سے
مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف
یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے ——— (مشائخ قادریہ رضویہ ص ۴۸۵)

مگر افسوس کہ آج فاضل بریلوی کے مشن سے بیشتر خانقاہیں ہٹ چکی ہیں اور اپنا
رشتہ انہیں لوگوں سے جوڑ چکی ہیں جو کسی زمانے میں نہیں بلکہ آج بھی خانقاہ کے
شدید ترین دشمن ہیں ——— اگر آج بھی فاضل بریلوی کو اپنا امام وسیف اللہ
مان کر ہندوستان کی ساری خانقاہیں متحد ہو جائیں اور امام احمد رضا کے اصولِ خانقاہ
کو اپنا دستور بنائیں اور اس خاکہ پر پوری ایمانداری سے قائم رہیں تو آج بھی وہ دور پھر
لوٹ آئے، جسے ہم روحانی دور کہتے ہیں ——— فاضل بریلوی کی حیات میں ہند کی
ساری خانقاہیں متحد تھیں۔ بہار ہو یا بنگال ساری خانقاہوں کا ایک دستور العمل
ایک طریقۂ کار، ایک نصب العین اور ایک مقصد حیات پر گامزن، سارے خانوادے
متحد الخیال اور ایک دوسرے کی عزت وحرمت کرنے والے تھے۔ مگر آج ہائے افسوس۔
اہلسنت اور خانقاہوں کا مخالف آج سب سے زیادہ ہے، وہابیہ مقلد اور

غیر مقلدین کی طرح اُردو ادب کے مورخین و تنقید نگار بھی کسی طرح کم نہیں، سبھوں کی متعدد تاریخیں دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور سبھی مورخین و ناقدین نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ سے اپنا رشتہ جوڑا ہے اور قاری کو گمراہ کرنے میں کوئی کور کسر نہیں چھوڑا ہے ساتھ ہی یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شاہ صاحب کا مسلک و مشرب وہی تھا جو اسمٰعیل دہلوی کا تھا، پھر غلط خطوط اور فرضی کتابیں شاہ صاحب کے نام منسوب کر کے چھپوا بھی دیا ہے اور پھر اس کے حوالے سبھوں نے مل کر اتنے دیئے ہیں کہ اگر ماضی کی تاریخ قاری نہ دیکھے تو اس کو حقیقت کا پتہ چلانا بہت ہی مشکل ہو جائے، چنانچہ اس فریب دہی کو آج ہر شخص بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہے اور تاریخ سے وہ تمام پردے اُٹھ رہے ہیں جو یاروں نے بڑے خوبصورت طریقے پر سجا کر رکھے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپکے تلامذہ سبھی مسلک اہلسنت پر قائم تھے قدیم خانقاہی نظام کے سخت عامل تھے (جس کی پوری تفصیل ان کے تلامذہ کی تصانیف میں اور خود شاہ صاحب کی تصانیف میں موجود ہے) صرف اسمٰعیل دہلوی اور اسحٰق دہلوی کو بنیاد بنا کر شاہ ولی اللہ کے ساتھ جو گھناؤنی سازش کی گئی ہے اور امام احمد رضا کے مسلک و مشرب کو بدنام کرنے کی کوششِ ناکام کی گئی ہے اس کو آنے والا مؤرخ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ انہوں نے جس بیدردی سے ہندوستان کے ایک ہزار سال سے زائد خانقاہی نظام کو بدنام کیا ہے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ساری خانقاہوں کو کفر و شرک کا مرکز قرار دیا ہے جس کو اہل علم بخوبی جانتے ہیں، مگر کیا کسی خانقاہ سے احتجاج بلند ہوا، اس کے خلاف اپنے اسلاف کی اصل مشن کو عام کیا ؟ الا ماشاء اللہ اور یہ قرض سارے سجادگان کی گردن پر قائم ہے اور اولیائے کرام کے مشن کا عام کرنا پہلی فرصت میں ضروری ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کے عقیدہ و مسلک کی نشاندہی انہیں کے مکتوب سے کریں اور ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کے خانوادے کے خوشہ چیں کسی مسلک و مشرب پہ قائم تھے۔ حضرت مفتی صدرالدین آزردہ (جو وہابیہ کے عقائد باطلہ پر سخت تنقید کی ہے)

کی وجاہت علمیہ کا اس طرح اعتراف کیا ہے۔

دریں ولا مولوی صدرالدین صاحب کہ از فضلائے نامداراین بلدماہولہ اندو دراکثر فنون عقلی ونقلی از عربیت وادب واصول وفقہ وکلام و ہم فنون فارسی مہارت تمام دارند واکثر مراجعت تحقیقات نفسیہ علوم درفقیرخانہ نمودہ اندومعہذارسنّت ارادت واتحاد بافقیرموروثی دارندوجدامجدالیشاں ازفضلائے معتبرومخلص اصحاب وتلامذہ درجناب حضرت والدماجدفقیر دارند۔	مولوی صدرالدین صاحب (آزردہ) جو اس شہر (دہلی) کے نامور فاضل ہیں اکثر علوم عقلی ونقلی، عربی ادب، اصول، فقہ کلام، فنون فارسی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں اور فقیر کے یہاں اکثر علوم نفسیہ انہوں نے حاصل کئے ہیں اس طرح ان کی ارادت اور تعلق فقیر کے ساتھ موروثی ہے ان کے دادا معتبر فاضل اور میرے والدماجد (شاہ ولی اللہ) کے خاص دوست اور شاگرد تھے۔
(فضائل صحابہ واہل بیت ص ۲۷۹/۲۷۸) از شاہ عبدالعزیز دہلوی پاک اکیڈمی کراچی ۱۹۶۵۔	(ص ۳۲۴)

اسی خط میں آگے ان کی خاطرداری کے لیے اس طرح حکم صادر کرتے ہیں۔

" اس وقت (مفتی صدرالدین) چند معاملات کی وجہ سے کلکتہ آرہے ہیں انشاءاللہ تعالیٰ آپ سے ملاقات ہوگی ان کے معاملات کے متعلق، ملاقات اور اعزازوکرام میں جس قدر ممکن ہوسکے رعایت کیجئے۔" (ص ۳۲۴)

شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہما اپنے والدماجد کے مشن وتعلیمات پر بھرپور روشنی ڈالی ہے رئیس الخوارج ابن عبدالوہاب نجدی واسمٰعیل دہلوی وغیرہم کے نظریات سے بالکل الگ جمہور علماء اہلسنّت وجماعت واولیائے ملت کے قدیم مسلک ومشرب پر تاحیات قائم رہے ایک دوسرے خط میں فرماتے ہیں۔

" اکثر صوفیوں اور مشہور علماء نے اسی طریقہ (وحدۃ الوجود) کو اختیار کیا ہے اور اس بارے میں رسالے اور کتابیں لکھی ہیں ان میں سے قابل اعتماد یہ

حضرات ہیں جو سلسلۂ قادریہ کے شیخ اکبر محی الدین بن العربی و شیخ صدر الدین
قونوی و شیخ عبدالکریم جیلی و شیخ عبدالرزاق جھنجانوی و شیخ امان پانی پتی
و از کبر و یہ مولانا جلال الدین رومی و شمس الدین تبریزی و از سہروردیہ شیخ
فریدالدین عطار و از چشتیہ سید محمد گیسو دراز و سید جعفر مکی و از نقشبندیہ
حضرت خواجہ عبیداللہ احرار و ملا نورالدین جامی و ملا عبدالغفور لاری و حضرت
خواجہ باقی باللہ کابلی و علیٰ ھذا القیاس شیخ عبدالرزاق کاشی و شمس الدین فناری
و قیصری و سعیدالدین فرغانی وغیرہ ہوئے ہیں اور ان بزرگوں کی تصانیف موجود
اور مشہور ہیں ——— (فضائل صحابہ و اہل بیت، ص ۲۷۰)

اس مذکورہ بالا خط کے علاوہ مندرجہ ذیل مکتوب سے بھی ان کے مسلک و مشرب پر
روشنی پڑتی ہے فرماتے ہیں۔

پرانے بزرگوں اور اولیائے کرام مثلاً غوث اعظم قدس سرہ اور دوسرے
بزرگوں سے مغفرت کے وعدے، متبعین اور مریدوں کے لیے رحمت
اور ان کے طفیل سے تمام مخلوق پر نظر رحمت کی روایات منقول ہیں اور
وہ سب وعدے سچ ہوئے، مشہور حدیث میں آیا ہے کہ اس امت میں
چالیس ابدال ہیں کہ ان سے کوئی زمانہ خالی نہیں ہوتا۔ بھم یمطرون
اھل الارض وبھم ینصرون وبھم یرزقون کہ دنیا والوں
کے لیے ان کے طفیل سے بارش ہوتی ہے نصرت اور رزق حاصل ہوتا ہے۔
بس کیا تعجب ہے کہ ان مراتب میں سے چند مرتبے میر سید احمد کو بھی حاصل
ہو گئے ہوں۔ اور ان میں سے ان کے معاصرین کو بھی کچھ اثر پہنچا ہو غرض
کہ اس کا انکار اچھا نہیں ہے الخ ——— (ص ۱۴۳ پاک اکیڈمی کراچی)

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور
آپ کے تلامذہ اسی مسلک و مشرب پہ قائم تھے جن کی اشاعت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز

نے تاحیات فرمائی اور نظام خانقاہی کو، جو کفر شرک کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اس کا دندان شکن جواب دیکر اپنے اسلاف کے عزت وعصمت کی حفاظت فرمائی۔ چنانچہ ایک جگہ عالم اسلام کے اندر رائج معمولات پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کتاب تحفۂ اثنا عشریہ سے حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں

حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او را تمام امت بر مثال پیراں و مرشداں می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند وفاتحہ و درود وصدقات و نذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ با جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است فاتحہ و درود، نذر و عرس و مجلس"۔ (فتاویٰ افریقہ ص ۸۰)

مذکورہ حوالے سے بھی بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے مسلک پر تھے وہابیوں نے شاہ صاحب کی تصانیف میں کتر بیونت کر کے اپنے مطلب کی باتیں لکھ دیں مگر وہ ملمع سازی دیر پا نہ رہ کر تار عنکبوت کی طرح مٹ گئے اور امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تعلیمات آج بفضلہ تعالیٰ پوری تابانی کے ساتھ قائم اور جلوہ ریز ہے اور ہمیشہ ضیا بار رہے گی۔ فاضل بریلوی حضرت شاہ ولی اللہ کے خانقاہی عمل و کردار کی نشر و اشاعت کرتے رہے چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

شاہ صاحب کے شیخ و استاذِ حدیث مولانا ابو طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث پڑھی اور ان کے شیخ و استاذ والا مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاسی اور ان کے استاذ مولانا احمد شناسی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیر و مرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں شیخ معمر ثقہ کہا اور اعیان مشائخ طریقت سے گنا اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور

ان کے شیخ مولانا عبد المالک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ شادی
کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر و مرشد مولانا
وجیہہ الدین علوی شارح ہدایہ و شرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث
گوالیاری علیہم رحمۃ الملک الباری، یہ سب اکابر ناد علی کی سندیں لیتے اور اپنے
تلامذہ اور مستفیدین کو اجازتیں دیتے اور **یا علی یا علی** کا وظیفہ کرتے
و للہ الحجۃ السامیہ" (انوار الانتباہ ص ۲۸/۲۹)

ایک جگہ بڑے ہی احترام سے شاہ رفیع الدین صاحب کی کتاب "نذور" سے اس طرح
حوالہ پیش کرتے ہیں۔

"شاہ رفیع الدین صاحب برادر مولانا شاہ عبد العزیز صاحب محدث
دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں ـــــ نذر کہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنیٰ
شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند نذر و نیاز میگویند"
(فتاویٰ افریقہ ص ۷۲)

فاضل بریلوی چشتی بزرگانِ دین پر لگائے گئے الزامات کی صفائی اس طرح فرماتے ہیں
"بعض جہال بدمست یا نیم ملا ہوس پرست کہ معاذ اللہ اس کی تہمت
محبوبانِ خدا اکابر سلسلۂ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں، نہ
خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں، حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی و
مولائی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم وعنا بہم
فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں ـــــ للہ انصاف!
ان امام جلیل خاندان عالی چشت کا ارشاد مقبول ہوگا یا آجکل مدعیان خامکار
کی تہمت بے بنیاد ظاہر العناد ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
(مقال عرفان ص ۳۸)

یہ بھی اقتباس ملاحظہ فرمائیں کہ کس قدر اعتماد اور عقیدت سے بھرا ہوا ہے فرماتے ہیں۔

"صوفیائے کرام کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا قول وفعل معاذ اللہ کچھ وقعت نہیں رکھتا بہت سخت بات ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے واتبع سبیل من اناب الیّ جو میری طرف جھکے ان کی راہ کی پیروی کر، صوفیہ کرام سے بڑھ کر اور کون دیندار ہے؟ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہٗ کی عوارف سے سند لانی جائز نہ ہونا چاہیے کہ وہ بھی صوفی تھے۔"

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ نصف آج ص ۱۸۲)

ہندوستان میں اس وقت اولیاء کے ہر قول وفعل پر حملے ہو رہے تھے فاضل بریلوی ہر سوال اور ہر الزام کو اولیاء کرام کے ملفوظات و مکتوبات سے مبرہن کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے اور اولیاء کرام کے فعل کو اپنے لیے سند مانتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"پان بے شک حلال ہے حضرت محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان سے پہلے سے اولیاء کرام نے اس کا استعمال فرمایا ہے حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ نے اس کی مدح فرمائی ہے ـــــ (فتاویٰ رضویہ نصف آج ج ۱ ص ۱۸۴)

ہندوستان میں علم حدیث کو پھیلانے والے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہیں جو زبردست خانقاہی شخص تھے اور تصوف کا رنگ ازحد آپ پر غالب تھا، شیخ کے لگائے ہوئے باغ سے انکار حدیث کا فتنہ اٹھا ہے اور وہی حدیث کو معتبر کہا جاتا ہے جس کو ابن تیمیہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہو یا عبد الوہاب نجدی یا اسمٰعیل دہلوی نے، فاضل بریلوی نے اپنے اسلاف کی جو عزت و تعظیم کی ہے وہ بیان سے باہر ہے ایک جگہ شیخ محقق کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

"سیدنا الشیخ المحقق عبد الحق المحدث البخاری الدھلوی قدس سرہ المعنوی من اجلۃ العلماء واکابر الاولیاء ملاء ذکرہ الاسماع والبقاع وطاب بطیب نشرہ البلاد والبقاع ولا یدان سادا تنا علماء مکۃ ایضاً عالمون بجلالۃ شانہ ورفعۃ مکانہ لہ قدس سرہ مصنفات جلیلۃ الوقع جزیلۃ

النفع فی الدین والشرع ۔ (الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ ص ۱۴۷/۱۴۸)

ترجمہ:۔ ہمارے سردار شیخ محقق عبدالحق محدث بخاری دہلوی قدس سرہ المعنوی جواجلہ علماء اور اکابر اولیاء سے ہیں ان کی شہرت سے کان اور مکان بھرے ہوئے ہیں اور ان کی خوشبو کی مہک سے شہر اور میدان مہک اٹھے اور ضروری ہے کہ ہمارے سردار علماء مکہ بھی ان کی جلالت شان اور رفعتِ مکان سے آگاہ ہیں شیخ قدس سرہ کے بے تصنیفیں ہیں جن کی وقعت عظیم اور دین و شرع میں نفع کثیر ہے۔

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک چونکا دینے والا حوالہ پیش فرمایا ہے اور اولیاء کرام کے روحانی تصرفات کو شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے حوالے سے قلم بند فرمایا ہے لکھتے ہیں

> شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک مرید کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ صاحبِ فراش تھے، رات کو جب سو رہے تھے انہیں پیاس لگی اور کپڑا اوڑھنے کی ضرورت ہوئی۔ کوئی پاس نہ تھا۔ ان کے ایک بزرگ کی روح ظاہر ہوئی اس نے پانی پلایا اور کپڑا اوڑھایا۔ الخ۔ (فتاوی رضویہ ج نہم ص ۱۰۴)

اس طرح اولیاء کرام اور ائمۂ خانقاہ کے متعلق امام اہلسنت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے موتی بکھیرے ہیں اور اپنے اسلاف کی عزت و ناموس کے لیے خود سپر بن گئے ہیں۔

گونڈل کاٹھیاوار سے عبدالستار بن اسمٰعیل نے ایک سوال بھیجا کہ:

بعض متصوفہ زندیقہ جو زید عمر بکر یہ وہ سب کا خدا ہی خدا کہتے ہیں۔ وہ دلیل لاتے ہیں کہ اس وجہ سے منصور نے دی انا الحق کا کیا۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی لیے سبحانی ما اعظم شانی فرمایا اور شمس تبریزی نے اسی وجہ سے قُم بِاِذْنِیْ کہہ کر مردہ کو زندہ کیا۔ اب عرض یہ ہے کہ کیا واقعی یہ کلمات اوپر کے بزرگوں سے صادر ہوئے ہیں۔ الخ

امام اہلسنت قدس سرہٗ نے کس ادب کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے وہ آپ ہی کا حق ہے اور اولیاء کرام پر الزام لگانے والوں کو کس طرح جواب دیا ہے ملاحظہ

فرمائیں!

"ان زنادقہ کا یہ قول کفر صریح ہے اور ان کے قول کی صحت کا شک واقع ہونا سائل کے ایمان کو مضر ہے، تجدید اسلام چاہیئے، وہ تینوں حضرات کرام اکابر اولیائے عظام سے ہیں قدسنا اللہ باسرا ھم، حضرت شمس تبریزی قدس سرہ سے یہ کلمہ ثابت نہیں اور ثابت ہو تو معاذ اللہ اسے ادعائے الوہیت سے کیا علاقہ ایسی اضافات مجازیہ شائع ہیں۔ حضرت منصور "انا الحق" نہیں کہتے تھے ـــــ بلکہ انا الاحق ابتلائے الٰہی کے لیے سامعین کی فہم کی غلطی تھی، ان کی بہن اکابر اولیائے کرام سے تھیں۔ ہر روز اخیر شب میں جنگل کو تشریف لے جاتیں اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوتیں۔ ایک روز حضرت حسین منصور کی آنکھ کھلی اور بہن کو نہ پایا، شیطان نے شبہ ڈالا، دوسری رات قصداً جاگتے رہے جب وہ اپنے وقت معمول پر اٹھ کر باہر چلیں یہ آہستہ پیچھے ہو لیے وہ جنگل میں پہنچیں اور عبادت میں مشغول ہوئیں۔ یہ پیڑوں کی آڑ میں چھپے دیکھتے تھے، قریب صبح انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اترا اور وہ ان کی بہن کے دہن مبارک کے پاس آگیا انہوں نے پینا شروع کیا، یہ بے چین ہوئے اور چلا کر کہا۔ بہن تمہیں خدا کی قسم تھوڑا میرے لیے بھی چھوڑ دو۔ انہوں نے صرف ایک جرعہ ان کے لیے چھوڑا جس کے پیتے ہی ان کو ہر شجر و حجر و در و دیوار سے آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ احق ہے کہ ہمارے راہ میں قتل کیا جائے۔ یہ اس کا جواب دیتے انا الاحق، بے شک میں احق ہوں ـــ لوگوں نے کچھ سنا اور جو منظور تھا واقع ہوا۔

حضرت سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سوال کا خود جواب ارشاد فرما دیا۔ فرمایا میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا زیبا ہے، سائلوں نے اس پر دلیل چاہی۔

فرمایا تم سب ایک ایک خنجر ہاتھ میں لے کر بیٹھ جاؤ اور جس وقت مجھے ایسا کہتے سنو بے تامّل خنجر مارو کہ ایسے قائل کی سزا قتل ہے، انہوں نے ایسا ہی کیا، جب حضرت پر حالت وارد ہوئی اور وہی کلمہ نکلا ان سب نے بے مہابا خنجر مارے، جس نے جس جگہ کے قصد پر خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا، جب حضرت کو افاقہ ہوا ملاحظہ فرمایا کہ وہ سب گھائل پڑے ہیں۔ فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ کہتا ہے جس کا کہنا بجا ہے سیدنا موسیٰ کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کوہ طور پر اس درخت میں سے ندا سنی کہ یا موسیٰ اِنّیْ انا اللّٰہ رب العٰلمین، کیا یہ درخت نے کہا تھا۔ حاشا بلکہ رب العٰلمین نے درخت پر تجلی فرمائی اور حضرت کلیم کو اس میں سے ندا مسموع ہوئی۔ کیا وہ ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور بایزید پر نہیں؟ کیا محال ہے کہ بایزید پر تجلی کرے اور سبحانی ما اعظم شانی اور لوگوں کو ان میں سے ندا آئے ....
کیا تمہارے نزدیک رب عزوجل ایسا نہیں کرسکتا کلام اس کا ہے اور زبان بایزید کی۔ بایزید شجرۂ موسیٰ ہیں اور متکلم وہ جس نے فرمایا انی انا اللّٰہ رب العٰلمین ۝ الخ

(فتاویٰ رضویہ ص ۹۹/۹۸ ج نہم، مکتبہ رضا بیسلپور بریلی بھیت انڈیا)

غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ایک غیر معتبر اور موضوع واقعہ کی تردید فرماتے ہیں اور من گھڑت روایت کی بیخ کنی کرتے ہیں ـــــ واقعہ یوں تھا کہ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید کا انتقال ہوگیا، موتی کا لڑکا حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور حضرت سے عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، لڑکے کے رونے چلانے کی وجہ سے حضرت کو رحم آگیا اور آپ نے وعدہ فرمالیا اور لڑکے کی تسکین کے لیے اس کی تسلی بھی فرمائی بعد حضرت عزرائیل علیہ السلام کو مراقب ہو کر روکا، جب حضرت عزرائیل علیہ السّلام رُکے آپ نے دریافت کیا کہ ہمارے مرید کی روح تم نے قبض کی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ روح ہمارے مرید کی چھوڑ دو، عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے بحکم رب العٰلمین روح قبض کی ہے بغیر حکم نہیں چھوڑ سکتا اس پر جھگڑا ہوا آپ نے

پتھر مارا حضرت کے پتھر سے عزرائیل علیہ السلام کی ایک آنکھ نکلی اور آپ نے ان سے زنبیل چھین کر اس روز کی تمام روحیں جو کہ قبض کی تھیں چھوڑ دیں ، اس پر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے رب العلمین سے عرض کیا وہاں سے حکم ہوا کہ ہمارے محبوب نے ایک روح چھوڑنے کو کہا تھا تم نے کیوں نہیں چھوڑی ہم کو ان کی خاطر منظور ہے (معاذاللہ) ملخصاً۔

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے مذکورہ بالا واقعہ کے متعلق فرماتے ہیں ۔

...... (یہ) روایت ابلیس کی گھڑی ہوئی ہے اور اس کا پڑھنا اور سننا دونوں حرام، احمق جاہل بے ادب نے یہ جانا کہ وہ اس میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعظیم کرتا ہے حالانکہ وہ حضور کی سخت توہین کر رہا ہے الخ۔

(فتاوی رضویہ ج نہم ص ۱۰۰)

فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے طریقت و روحانیت کے ہزار ہا ہزار مسائل اور من گھڑت روایتوں کی خبر لی ہے اسی قبیل سے ایک مندرجہ ذیل روایت بھی ہے کہ :

حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب دیکھا کہ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب ضعیف ہوا جاتا ہے لہٰذا تم (کو) میرے مذہب میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ہو جائے گی۔ اسی لیے حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حنفی سے حنبلی ہو گئے۔ (معاذاللہ)

امام اہلسنت قدس سرہٗ کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

"یہ روایت صحیح نہیں، حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے، اور بعد کو جب عین الشریعت الکبریٰ تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتویٰ دیا کہ حضور محی الدین اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں۔ لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کو تقویت فرمائی۔ ملخصاً"

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۲۹ ج نہم)

گھڑی ہوئی روایتوں میں ایک یہ بھی ہے اس کی تلخیص اس طور پر ہے۔

جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے، بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ سے مدینہ منورہ میں چند اولیاء کے ہمراہ بیعت کی ہے، یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لیے مزار انور سے دستِ مبارک نکلا تھا اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومۂ بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ ملخصًا۔

فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا واقعہ پر پوری شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے اور ایک مکمل رسالہ طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی (۱۳۳۶ھ) تحریر فرمایا جس میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضان اور آپکے تفوق کو ایسا مبرہن فرمایا ہے کہ پھر کسی کو قیل وقال کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ بہجۃ الاسرار کے حوالے سے ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

" حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرداران مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں۔ جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اور احوال روشن اور افعال خارق عادات اور انفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اور نہایت نورانی دل اور ظاہر تر سر اور بزرگ تر مرتبہ والے۔ یونہیں دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ و مناقب سامیہ و کرامات بدیعہ و فضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کا روضۂ انور سید اطہر صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور یہ اشعار عرض کرنا۔ ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا

تقبل الارض عنی وھی نائبتی

زمانہ دوری میں، میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا، وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی۔

وھذہ نوبۃ الاشباح قد حضرت
فامدد یمینک کی تخطی بہا شفتی

اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے، حضور دستِ مبارک بڑھائیں کہ میرے لب سعادت پائیں"۔
اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستِ مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا
اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور و ماثور ہے۔ ۔ ۔ ۔ راویوں
نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار حاضر سرکار مدینہ نور بار ہو
کر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے، اس پر حضور اقدس اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا دست انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا
اور تعدد سے کوئی مانع نہیں۔
حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ پانچ سو نو میں فرمایا جب عمر شریف اڑتیس[۳۸]
سال تھی۔ حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سفر میں ہم رکاب تھے۔ حضرت
سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے۔ حضرت کو
گیارھواں سال تھا، ممکن ہے کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگاہ عرش جاہ میں
عرض کئے اور ظہور دست اقدس و بوسہ و مصافحہ سے مشرف ہوئے، جب حضرت سید
رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انہوں نے
بھی وہ اشعار عرض کیے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پردہ
نقرۂ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین، غوث العارفین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت
رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب محض و افتراء خالص و دروغ بیفروغ
ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین و آسمان ہل
جائیں۔ قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین ہ ملخصاً"۔

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۳۲/۱۳۱ ج نہم)

اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے معمولات و شجرہ خوانی پر ایک معترض نے

اعتراض کیا اور کہا کہ شجرہ خوانی دام تزویر ہے اور اس پر بہارستانِ مولانا جامی کی عبارت پیش کیا۔

امام اہلسنت قدس سرہٗ آئمہ و خانقاہ کے امین بن کر اس طور پر ارشاد فرماتے ہیں۔

"یہ قول (شجرہ خوانی دام تزویر ہے) محض باطل ہے اور اس میں ہزارہا اولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی، ساختہ ہے، اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کا لفظ کہیں نہیں اور بس خدائے عزوجل سے اخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے، بہارستان میں نہیں" الخ

(فتاوی رضویہ ص ۱۹۲ ج نہم)

سلاسل اولیاء کو بدنام کرنے کے لیے بہت سے جاہل، فریبی نے بھی پیری مریدی کرنا شروع کر دیا۔ اس بدنام زمانہ میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو فاسق و فاجر تھا، ولایت کا مدعی تھا۔ قطب ارشاد اپنے کو خود کہتا، کسی پیر سے اجازت نہیں لی تھی، توجہ میں بڑا اثر تھا اور پکا گمراہ تھا۔ فاضل بریلوی قدس سرہ سے بیعت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے پوری وضاحت سے ارشاد فرمایا۔

"ایسے شخص کو بیعت لینا جائز نہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ______ یہ جو ظاہری ذوق و (شوق) لوگوں میں دیکھا جاتا ہے قابل اعتبار نہیں شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے ______ صحابۂ کرام واکابر اولیاء عظام سے ایسا کبھی منقول ہوا، ان سے زیادہ تاثیر و برکت کس کی ہوسکتی ہے مگر صادقین سے برکت ہوتی ہے اور کاذبین سے حرکت ______ شیطان کے دھوکے اس سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں۔ حضرت سیدی ابوالحسن جوسقی خلیفہ حضرت سیدی علی بن ہیتی فیض یافتہ بارگاہ سرکار غوثیت رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے ایک مرید کو اعتکاف بٹھایا۔ ایک شب حجرہ سے زار، زار رونے کی آواز آئی، دروازہ پر تشریف لے گئے حال پوچھا عرض کی شبِ قدر میرے پیش نظر ہے آفاق نور سے روشن ہیں درو دیوار حجر و شجر سجدے میں گرے ہیں میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں سینے میں ایک لوہے کی سلاخ ہے کہ جھکنے نہیں (دیتی) اس پر روتا ہوں، فرمایا اے فرزند

یہ لوہے کی سلاخ وہ سر ہے جو میں نے تیرے سینے میں القا کیا ہے وہ بجھے جھکنے نہیں دیتا یہ شب قدر نہیں شیطان کا شعبدہ ہے، یہ فرماکر دونوں دستِ مبارک پھیلائے اور آہستہ آہستہ انہیں قریب لاتے گئے جتنا ہاتھ سمٹتے گئے وہ نورتاریکی سے مبدل ہوتا تھا جب دونوں ہاتھ مل گئے۔ واویلا اور فریاد کی آواز آئی۔ فرمایا :۔۔۔۔۔۔ اب تومیرے مریدوں کو اغوا نہ کرے گا۔ یہ فرماکر چھوڑ دیا۔ وہ جھوٹا کرشمہ سب باطل ہو گیا۔ اس کے دھوکے اس سے بھی سخت تر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ الخ ملخصًا :

(فتاویٰ رضویہ ص ۱۹۹/۱۹۸ ج نہم)

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے جہاں بے شمار کتابوں میں اولیاء کرام اور سلاسل طریقت کی تعلیمات ونظریات کو نثر میں پیش فرمایا ہے۔ وہیں آپ نے سلاسل طریقت کی بارگاہ میں نظم کا دامن بھی خالی نہیں چھوڑا، حدائق بخشش سے چند اشعار بلا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے — سب ادب رکھتے ہیں دل میں میرے آقا تیرا
تجھ سے اور دہر کے اقطاب سے نسبت کیسی — قطب خود کون ہے خادم تیرا چیلا تیرا
بقسم کہتے ہیں شاہان حریفین وحریم — کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف — کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا
کس گلستاں کو نہیں فصلِ بہاری سے نیاز — کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام — باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مزرع چشت و بخارا و عراق واجمیر — کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

بخارا و عراق و چشت واجمیر — تری لو شمع ہر محفل ہے یا غوث
ملک کے کچھ بشر کے کچھ جن کے ہیں پیر — تو شیخ عالی و سافل ہے یا غوث
یہ چشتی، سہروردی، نقشبندی — ہر اک تیری طرف مائل ہے یا غوث
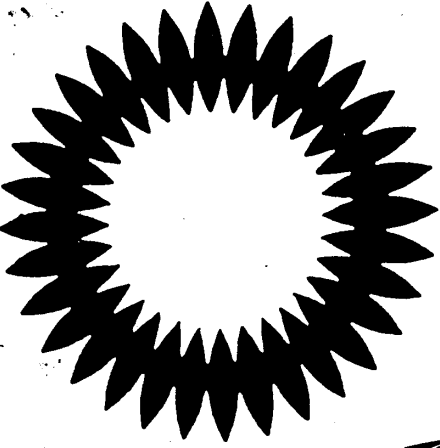
امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد

تحریر: اقبال احمد اختر القادری (کراچی)

اسلامی تمدّن کے دورِ عروج میں مسلمانوں نے جہاں نئے نئے فنون ایجاد کیے اور پرانے علوم و فنون میں موشگافیاں کیں، وہیں فرسودہ علوم کو بھی بڑا عروج بخشا ــــــ تاریخ کے مطالعے سے مسلمان مفکرین و سائنسدانوں کا ایک شاندار سلسلہ نظر آتا ہے ــــــ مشہور صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے خالد بن یزید کے شاگرد، جابر بن حیان (م ۱۹۸ھ / ۸۱۷ء) غالباً اسلام کے پہلے سائنسدان تھے جنہوں نے ایک کیمیائی لیبارٹری قائم کی ۱ جبکہ ابو اسحاق ابراہیم بن جندب (م ۱۵۷ھ / ۷۶ء) نے اس سے بھی قبل دُوربین (TELESCOPE) ایجاد کی ــــــ

- ــــــ عبد الملک اصمعی (م ۲۱۳ھ / ۸۳۱ء) علم حیوانیات اور نباتات پر سب سے پہلے لکھی جانے والی پانچ کتابوں کا مصنف۔
- ــــــ حکیم یحییٰ منصور (م ۲۱۴ھ / ۸۳۲ء) دنیا کی پہلی رسدگاہ (OBSERVATORY) کا صدر اور ASTRONOMICAL TABLES کا موجد۔
- ــــــ محمد بن موسیٰ خوارزمی (م ۲۳۲ھ / ۸۵۰ء) الجبرا کا موجد اور الجبرا و مقابلہ

اور علم الحساب کا مصنف۔

- ـــــ احمد بن موسیٰ شاکر (م ۲۴۰ھ/ ۸۵۸ء) دنیا کا پہلا میکنیکل انجینئر اور علم میکانیت پر پہلی کتاب کا مصنّف۔
- ـــــ ابو عباس احمد بن محمد کثیر (م ۲۴۳ھ/ ۸۶۳ء) زمین کا صحیح محیط (CIRCHMFERENCE) معلوم کرنے والا پہلا سائنسداں۔
- ـــــ ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی (م ۲۵۴ھ/ ۸۷۳ء) مسلمانوں کا پہلا فلسفی جس نے مغرب کو حیرت زدہ کر دیا۔
- ـــــ ابو بکر محمد زکریا رازی (م ۳۰۸ھ/ ۹۳۲ء) ابتدائی طبی امداد، میزان طبعی اور الکحل کا دریافت کرنے والا۔
- ـــــ حکیم ابو نصر محمد بن فارابی (م ۳۳۸ھ/ ۹۵۰ء) علم اخلاق (E.THIC) کا بانی اور علم نفسیات کا عظیم ماہر۔
- ـــــ ابو علی حسن ابن الہیثم (م ۴۳۰ھ/ ۱۰۲۱ء) علم نور (LIGHT) کا عظیم ماہر، انعطافِ نور کے نظریے کا دریافت کنندہ، آنکھ کی پتلی کا محقق اور کیمرہ کا حقیقی موجد۔
- ـــــ احمد بن محمد علی مسکویہ (م ۴۲۱ھ/ ۱۰۳۲ء) نباتات میں زندگی حیوانات میں قوتِ حس اور دماغی ارتقا کی دریافت کرنے والا۔ علم سماجیات (SOCIALOGY) نفسیات اور اخلاقیات کا عظیم محقق۔
- ـــــ شیخ حسین عبد اللہ بن علی سینا (م ۴۲۸ھ/ ۱۰۳۸ء) علم طبیعات، (PHYSICS) علم الامراض والادویہ کے فنون کا مجدّد، دنیا بھر کے سائنسدانوں میں سب سے زیادہ کتب کا مصنف۔
- ـــــ ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی (م ۴۳۹ھ/ ۱۰۴۸ء) پہلا عظیم جغرافیہ داں، ماہر آثار قدیمہ وارضیات، برصغیر کا پہلا مورخ اور سیاح، دھاتوں کی کثافتِ اضافی معلوم کرنے والا پہلا سائنسداں۔

● ـــــــ امام محمد بن احمد الغزالی (م ۵۰۵ھ/ ۱۱۱۱ء) علمِ دین کے مجدد، جدید فلسفۂ اخلاق کے بانی، علمِ نفسیات و فلسفہ کے عظیم محقق۔ [۲]

● ـــــــ عمر خیام (م ۱۱۲۳ء) مشہور شاعر اور ماہر ریاضی داں، جو علم و فضل میں یونانیوں پر سبقت لے گیا۔

● ـــــــ ابنِ رشد (م ۱۱۹۸ء) جس نے طب پر ۱۶ کتابیں لکھیں۔

● ـــــــ محمد الدمیری (م ۱۴۰۵ء) حیاتیات پر جس کی کتاب "حیاۃ الحیوان" سب سے مشہور ہے ـــ [۳]

● ـــــــ امام احمد رضا (م ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) مشاہیر اسلام کے اس شاندار سلسلے کی ایک اہم کڑی ہیں ـــــــ امام احمد رضا نے علوم عقلیہ جدیدہ و قدیمہ میں مستقل تصانیف یادگار چھوڑی ہیں اور علوم نقلیہ سے متعلق تصانیف میں بہت سے عقلی مباحث ہیں۔ جن کو پڑھ کر اہل علم متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ـــ چنانچہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے پروفیسر ابرار حسین نے جب امام احمد رضا کی عربی تصنیف "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ"، کا مطالعہ کیا تو ان خیالات کا اظہار کیا۔

> " اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) بہت بلند پایہ کے ریاضی داں تھے، الدولۃ المکیہ پڑھنے سے (جو میری سمجھ سے بہت بلند ہے) اس کی تصدیق ہوئی کیونکہ انہوں نے وہاں کچھ دلائل ریاضی کے نظریات پر مبنی دیتے ہیں اور یہ نظریات وہ ہیں جو آجکل (TOPOLOGY) کے زمرے میں آتے ہیں۔" [۴]

مسلمانوں کا جب زوال شروع ہوا تو سب سے پہلے ان میں علم کی کسادبازاری شروع ہوئی، پھر انہوں نے ترقی کا میدان اپنے شاگردوں یعنی یورپ کے عیسائی طلباء کے لیے خالی کر دیا۔ یورپی طلباء مسلمانوں کی شاگردی میں تمام علوم و فنون سے تو واقف ہو ہی چکے تھے اب موقع مناسب دیکھ کر مسلمانوں کی کتابیں اور علوم و فنون کے ذخیرے ان کی ناواقف اولاد سے خریدنا شروع کر دیئے اور یوں علوم و فنون کا خزانہ مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

اہلِ یورپ نے مسلمانوں کے اس علمی خزانے کو لے جا کر اس کا خوب مطالعہ کیا اور بھرپور رہنمائی حاصل کی ـــــ ان کتب کے مطالعہ سے ان کی قابلیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اہل یورپ ترقی کرتے گئے۔ اور مسلمان ان علوم سے بے بہرہ ہوتے چلے گئے ـــــ اہلِ یورپ نے بعد میں بعض علوم وفنون میں معتدبہ اضافہ کیا اور قوتِ فکر و عمل کو بھی تیز تر کیا۔ فکر و عمل کے اس مسلسل سفر نے آج ان قوموں کو اقوام عالم میں سب سے آگے لا کھڑا کیا ہے اور وہ بحر و بر میں سب سے تیز دوڑ رہے ہیں۔

دیگر علوم وفنون کی طرح علمِ ریاضی میں بھی انہوں نے بڑی ترقی کی ـــــ یہ ترقی ہمارے اسلافِ کرام کی کتب سے استفادہ کا نتیجہ ہے ـــــ آج بھی یورپی کتب خانوں میں ہمارے اسلاف کی تصانیف بھری پڑی ہیں، یہ وہی علوم ہیں جو کہ مسلمانوں نے پوری دنیا میں عام کر دیئے تھے مگر حیف! ـــــ کہ اب ان کے حصول کے لیے مسلمانوں کو یورپ و امریکہ جانا پڑتا ہے ـــــ چنانچہ مشہور ریاضی دان ڈاکٹر سر ضیاءالدین احمد؁ (مرحوم) وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ گئے تھے اور دیگر علوم کے علاوہ

؁ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد میرٹھ کے معروف زبیری خاندان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میرٹھ میں اور اعلیٰ تعلیم انگلستان سے حاصل کی ـــــ آپ نے تعلیمی شعبہ میں زندگی کا آغاز ایک کالج میں بحیثیت لیکچرار کیا ـــــ بعد میں ایم۔ اے۔ او کالج علیگڑھ کے پہلے ہندوستانی پرنسپل مقرر ہوئے اور اپنی انتھک کوششوں سے اس کالج کو یونیورسٹی بنا دیا اور یوں ۱۹۲۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قیام عمل میں آیا ـــــ آپ اس کے وائس چانسلر مقرر ہوئے ـــــ آپ کا شمار دنیا کے ممتاز ترین ریاضی دانوں میں ہوتا ہے۔ آپ کچھ عرصہ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری بھی رہے ـــــ آپ کا وصال ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء میں علی گڑھ ہی میں ہوا۔

(روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۳ء)

ریاضی میں ڈاکٹریٹ کی امتیازی ڈگری لے کر ہندوستان لوٹے تھے ـــــــ ڈاکٹر صاحب موصوف ریاضی کے استاد کی حیثیت سے دنیا کے ممتاز ترین ریاضی دانوں میں گنے جاتے تھے ـــــــ آپ کی اس قابلیت وامتیاز کے پیش نظر برٹش گورنمنٹ نے کئی مرتبہ آپ کو اعلیٰ تنظیمی عہدوں کی پیشکش بھی کی تھی ـــــــ جس سے آپ کے علم ریاضی میں ممتاز مقام کا پتہ چلتا ہے ـــــــ ۵

۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء سے قبل کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کو علم المربعات کے کسی سوال میں دشواری درپیش ہوئی تو انہوں نے اس کے حل کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ رامپور کے اخبار "دبدبۂ سکندری" میں یہ سوال شائع کرا دیا اور نیچے یہ لکھ دیا کہ کوئی ریاضی داں صاحب یہ سوال حل کر دیں ـــــــ

چنانچہ مولانا ظفر الدین بہاری، سید ایوب علی بریلوی کی زبانی "حیات اعلیٰحضرت" جلد اول مطبوعہ کراچی ص ۱۵۵ پر اس طرح بیان کرتے ہیں۔

---

۵ سید ایوب علی بریلوی، بریلی میں ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے، اسکول میں پڑھا پھر فارسی کی تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ اسلامیہ اسکول بریلی میں پڑھاتے رہے ـــــــ امام احمد رضا سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور خلافت سے نوازے گئے ـــــــ آپ تقریباً چھبیس ۲۶ برس تک امام احمد رضا کے اعزازی پیش کار رہے، ان کے کتب خانے کی نگہداشت کرتے، مراسلت کا ریکارڈ رکھتے اور خود ان کے خطوط کا املا لیتے وغیرہم ـــــــ رمضان شریف میں سحر و افطار کے نقشے بھی آپ ہی مرتب فرماتے تھے۔ دیگر علوم کے علاوہ ریاضی میں خاص کر امام احمد رضا سے خوب استفادہ کیا ـــــــ امام احمد رضا کے وصال کے بعد آپ نے اپنے مرشد کی تصانیف کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مشن بنایا اور تازیست اس اہم کام کو سرانجام دیا ـــــــ قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے، کچھ عرصہ لائل پور (فیصل آباد) میں قیام کے بعد لاہور آ گئے اور یہیں پچانوے برس کی عمر میں وصال فرمایا ـــــــ آپ سید الطاف علی بریلوی (مرحوم) کے حقیقی ماموں تھے ـــــــ اقبال

۱۳۲۹ھ سے قبل ایک مرتبہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب نے علم المربعات کا ایک سوال اخبار" دبدبۂ سکندری" رامپور میں شائع کیا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دیں ـــــ اخبار" دبدبۂ سکندری" اعلیحضرت کے یہاں آتا تھا اور مدیران اخبار مذکور کو جو خلوص عقیدت اعلیحضرت اور ان کے وابستگان کے ساتھ ہے، مجھے یقین ہے کہ اب بھی ضرور آتا ہوگا ـــــ خیر بہر کیف اعلیحضرت نے جب اس سوال کو ملاحظہ فرمایا تو اس کا جواب تحریر فرمایا اور ساتھ ساتھ اُسی فن کا ایک سوال بھی جواب کے لیے تحریر فرمایا اور مجھے حکم ہوا کہ اس کی ایک نقل رکھ لی جائے میں اس زمانے میں اعلیٰحضرت کے رسالے" الموھبات فی المربعات" کو نقل کر رہا تھا اس لیے کچھ دلچسپی تھی جب وہ جواب اور پھر سوال اخبار میں چھپا تو ڈاکٹر صاحب موصوف کی نظر سے گذرا، ان کو حیرت ہوئی کہ ایک عالم دین بھی اس علم کو جانتا ہے، چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جواب اخبار" دبدبۂ سکندری" میں چھپوایا، اتفاق وقت کہ وہ جواب غلط تھا، اعلیحضرت عہ نے اس کی تغلیط کی ـــــ متحیر تو ڈاکٹر صاحب پہلے ہی سے تھے اب ان کو سخت تعجب ہوا کہ ایک عالم دین صرف جانتا ہی نہیں بلکہ اس میں کمال رکھتا ہے۔" [۶]

یہ امام احمد رضا کا ڈاکٹر ضیاء الدین احمد سے ابتدائی غائبانہ تعارف تھا ـــــ امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کے درمیان سوال وجواب اور جواب الجواب کا جو سلسلہ ہوا اس کا کسی کو علم نہیں کہ سوال وجواب کیا تھے ـــــ راقم نے اپنے طور پر روزنامہ

عہ ـــــ امام احمد رضا کو علوم منقولہ کے علاوہ علوم معقولہ پر بھی کامل دسترس و عبور حاصل تھا جن میں دیگر علوم کے ساتھ ساتھ علم ریاضی میں بھی بڑا تبحر حاصل تھا۔
ـــــ (معارف رضا ۱۹۸۰ء ص ۴۰)

اخبار" دبدبۂ سکندری" کے ۱۹۱۱ء والے فائل کے حصول کی کافی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی تاہم اتنا علم ہو سکا کہ اخبار" دبدبۂ سکندری" رامپور کی ۱۹۱۱ء سے لیکر ۱۹۱۶ء تک کی مکمل فائلیں کراچی میں" درس فیملی" کے پاس موجود ہیں ؏ ــــ راقم کئی مرتبہ" درس فیملی" کے سربراہ مولانا محمد اصغر درس اور مولانا حکیم اکبر درس صاحب سے رابطہ کر چکا ہے مگر اخبارات یا ان کے عکوس کے حصول میں تا حال ناکامی ہوئی ہے ــــ کاش یہ دونوں حضرات اس جانب متوجہ ہوں۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کا امام احمد رضا سے غائبانہ تعارف تو اخبار" دبدبۂ سکندری" کے ذریعے ہو ہی چکا تھا ــــ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو ریاضی کے کسی مسئلہ میں شدید مشکل پیش آئی، یہاں تک کہ اس کے حل کے لیے انہوں نے جرمنی جانے کا ارادہ کر لیا ــــ کیونکہ آپ صاحب حیثیت بھی تھے اور علم کے شائق بھی ــــ نیز آپ میں قوت ارادی بے انتہا تھی جس کام کے پیچھے لگ جاتے اسے پورا کر کے چھوڑتے ــــ چنانچہ جناب مبارک شاہ اپنے ایک مقالے مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۲۲ دسمبر ۷۷ ۱۹ء میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کی قوت ارادی کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں۔

"ان (ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد مرحوم) کی قوت ارادی حدِ کمال کو پہنچی ہوئی تھی، جس بات کا ارادہ کر لیتے اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے، اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان جاتے وقت انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا کہ اگر وہ کوشش کریں تو یہ ناممکن نہیں ہوگا کہ وہ ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ کے پرنسپل مقرر ہو سکیں۔ اس وقت تک یہ عہدہ صرف انگریزوں کے لیے مخصوص تھا چنانچہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد نے ہر مشکل پر قابو پا کر بالآخر اپنے مقصد کی تکمیل کر لی۔ اس طرح وہ پہلے ہندوستانی تھے جو پرنسپل ہوئے۔" ۵

؏ " دبدبۂ سکندری" کی تمام فائلیں" رضا لائبریری" رامپور (بھارت) میں محفوظ ہیں۔

بہر کیف ڈاکٹر صاحب نے مسائل کے حل کے لیے جرمنی جانے کا ارادہ کر لیا۔ بر سبیل تذکرہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے دوست مجسٹریٹ حشمت اللہ رضوی بریلوی سے اپنے سفر کا ارادہ ظاہر کیا اور غرض بتائی کہ بعض مسائل ریاضی میں مجھے یورپ کے ماہرین سے تبادلہ خیال کرنا ہے۔ حشمت اللہ بریلوی صاحب چونکہ امام احمد رضا کے تبحّر علم سے واقف تھے۔ لہٰذا انہوں نے ڈاکٹر صاحب کو یقین دلایا کہ اس کام کے لیے اب آپ کو اس طویل سفر کی اصلاً ضرورت نہیں۔ آپکو مولانا احمد رضا خان بریلوی سے ملنا اور تبادلہ خیال کرنا چاہیے۔ ۸ حسن اتفاق سے مولانا پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاریؒ (استاذ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ڈاکٹر صاحب موصوف کو یہی مشورہ دیا کہ بریلی جا کر مولانا احمد رضا بریلوی سے دریافت کیجیے وہ ضرور حل کر دیں گے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے کہا ــــ مولانا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں کہاں کہاں تعلیم پا کر آیا ہوں اور حل نہیں کر سکا اور آپ ان کا نام

ؔ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری، ہندوستان کے صوبہ بہار میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولانا احسن ستھانوی اور اعلیٰ تعلیم خیر آباد کے خانوادۂ علمیہ کے رکن مولانا ہدایت اللہ خان جونپوریؒ سے حاصل کی جو کہ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ــــــ ۱۹۰۸ء میں ایم۔ اے او کالج علی گڑھ میں بحیثیت استاذ اسلامیات مقرر ہوئے ــــــ ۱۹۲۱ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں اسلامک اسٹڈیز کے ریڈر مقرر ہوئے ــــ ڈاکٹر علامہ اقبال اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد آپکے علم و فضل کے قدر دان تھے ــــــ امام احمد رضا بریلوی سے آپ کو بیعت و خلافت کا شرف حاصل تھا ــــــ ۲۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو آپ کا وصال ہوا ــ آپکے تحقیقی و تصنیفی کارنامے کسی سے کم نہیں، درج ذیل کتب آپکی یادگار ہیں، المبین[1]، الانہار[2]، الرشاد[3]، النور[4] السبیل[5] (علامہ شبیر احمد غوری، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری (قلمی) ص ۲۰۔۱۹ رشید احمد صدیقی، گنج ہائے گرانمایہ، مطبوعہ ۱۹۷۶ء لاہور، ص ۳۵، ۴۴ ــ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، حیات مولانا احمد رضا خان، مطبوعہ ۱۹۸۱ء سیالکوٹ ص ۱۰۸ ــ مولانا محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلسنّت، مطبوعہ کانپور ۱۹۷۶ء ص ۱۰۱ ــ ۱۰۰ ــ)

لیتے ہیں جو غیر ممالک تو کجا اپنے شہر کے کالج میں بھی نہیں پڑھا ـــــــ بھلا اُن سے کیا معلوم ہو گا۔
دو چار دن بعد پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری نے پھر پریشان دیکھا تو دوبارہ وہی مشورہ دیا۔
مگر ڈاکٹر صاحب نے توجہ نہ دی اور یورپ جانے کی تیاری شروع کر دی ـــــــ پروفیسر صاحب
نے پھر ڈاکٹر صاحب کو مشورہ دیا تو انہوں نے غصّہ بھرے لہجے میں کہا کہ مولانا عقل بھی کوئی چیز
ہے آپ مجھ کو کیا رائے دیتے ہیں ۹؎ ـــــــ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کو امام
احمد رضا کی ریاضی میں مہارت کی خبر تو پہنچ چکی تھی مگر انہیں یقین نہ ہوا کہ وہ ان کا لاینحل مسئلہ
حل کر سکیں گے وہ یہ ہی کہتے رہے کہ علمائے اسلام ریاضی کیا جانیں ۱۰؎ لیکن جب پروفیسر سید
سلیمان اشرف بہاری نے اصرار کیا تو ڈاکٹر صاحب راضی ہو گئے۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد کی بریلی حاضری سے متعلق دو مختلف روایتیں ملتی ہیں جس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب دو مرتبہ بریلی گئے ـــــــ ہم دونوں راویوں کی روایت نقل
کرتے ہیں ـــــــ ایک تو سید ایوب علی بریلوی کی وہ روایت ہے جو کہ مولانا
ظفر الدین بہاری نے اپنی کتاب "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کی جلد اوّل کے ص ۱۵۰ پر نقل کی ہے۔
مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں کہ

"سیّد ایوب علی صاحب کا بیان ہے کہ کسور اعشاریہ متوالی میں نصاریٰ تیسری
قوت سے زیادہ کا سوال حل کرنے سے قاصر ہیں۔ چنانچہ فقیر کو بھی اسی قدر واقفیت
تھی مگر حضور (امام احمد رضا) نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جس قوت کا سوال دیا جائے حل
کر دوں گا۔ اس کے بعد مجھے اور برادرم قناعت علی کو وہ قاعدہ تفہیم فرما کر دو چار
مثالیں بھی حل کرا دیں اس کے بعد ہی ایک خط جناب مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری
پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج کا حضور کی خدمت میں بایں مضمون آتا ہے کہ ڈاکٹر
ضیاء الدین صاحب جو ریاضی میں تقریباً ماہر ولایت کی ڈگری اور تمغہ جات حاصل کیے
ہوئے ہیں عرصہ سے حضور کی ملاقات کے مشتاق ہیں، چونکہ ایک جنٹل مین ہیں انگریزی
وضع قطع کے آدمی ہیں اس لیے آنے ہوئے جھجکتے ہیں، مگر اب میرے کہنے اور اپنے

اشتیاقِ ملاقات سے آمادگی ظاہر کی ہے. قیام نواب ضمیر احمد صاحب کے بنگلہ پر ہو گا لہٰذا اگر وہ پہنچیں تو انہیں باریابی کا موقع دیا جائے ـــــ حضور نے مولانا صاحب کو جواب بھیج دیا کہ وہ بلا تکلف تشریف لے آئیں فقیر منتظر رہے گا. یہ وہ زمانہ تھا کہ بدایوں کا مقدمہ چل رہا تھا ـــ دو چار روز بعد ڈاکٹر صاحب نے نواب صاحب کے بنگلے سے اطلاع کی کہ میں پانچ بجے تک حاضر خدمت ہوں گا ـــ چنانچہ وقت مقرر پر موٹر (گاڑی) آگیا، ہم دونوں (سید ایوب علی بریلوی اور سید قناعت علی بریلوی) اس وقت موجود تھے، ڈاکٹر صاحب کو اندر بلا لیا گیا، شاید نمازِ عصر ہونے والی تھی، ڈاکٹر صاحب نے بھی وضو کیا اور موزوں پر مسح کیا مگر نماز پڑھنے کے وقت موزے اتار ڈالے لہٰذا اعلیٰ حضرت نے ان سے پھر پیروں کو دھلوایا بعد نماز کچھ باہمی گفتگو رہی، حضور نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا ہم لوگوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نہایت حیرت و استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے اور بالآخر فرمایا میں نے اس علم کے حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے کو بالکل طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں، مولانا یہ تو فرمائیے آپ کا اس فن میں استاذ کون ہے ؟

حضور نے ارشاد فرمایا میرا کوئی استاد نہیں ہے میں نے اپنے والدِ ماجد علیہ الرحمۃ سے صرف چار قاعدے جمع ـ تفریق ـ ضرب اور تقسیم محض اس لیے سیکھے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے، شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والدِ ماجد نے فرمایا کیوں اپنا وقت اس میں صرف کرتے ہو۔ مصطفیٰ پیارے صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے ـــ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں، یہ سب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا

کرم ہے، اس کے بعد کسور اعشاریہ متوالیہ کی قوت کا تذکرہ آیا ڈاکٹر صاحب نے
بھی وہی فرمایا کہ تیسری قوت تک ہے اس پر حضور نے میرے اور قناعت علی کی طرف
اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے یہ دو بچے بیٹھے ہیں انہیں جس قوت کا آپ سوال دیدیں
یہ حل کر دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب متحیر ہو کر ہم دونوں کو دیکھنے لگے پھر ڈاکٹر صاحب
نے دریافت کیا کہ حضور اس کا کیا سبب ہے کہ آفتاب حقیقتہً طلوع نہیں ہوا
ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طلوع ہو گیا، اس کا جواب علمی اصطلاحات میں حضور نے
دیا جسے نقیر بیان کرنے سے قاصر ہے[ع] ——— ہاں جو مثال بیان فرمائی
وہ یہ تھی کہ کسی بند کمرے میں جھروکوں سے اگر روشنی پہنچتی ہو تو باہر کے چلنے پھرنے

ع مولانا ظفر الدین بہاری (خلیفہ امام احمد رضا) اس جواب کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ
ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا وجہ ہے کہ آفتاب قبل طلوع کے معلوم ہونے
لگتا ہے اور اسی طرح بعد غروب ہو جانے کے بھی معلوم ہوتا ہے۔ غالباً اعلیٰ حضرت نے یہ جواب دیا
ہوگا، جو سید ایوب علی بریلوی صاحب کے سمجھ میں نہ آیا اور اسے نہ لکھ سکے ——— وجہ اس کی یہ
ہے کہ علم المناظر میں ثابت ہو چکا ہے کہ نگاہ جب دو ملاء مختلف میں ہو کر گذرے جو کثافت و
لطافت میں اختلاف رکھتے ہوں تو خطوط شعاعیہ جب ان دونوں ملاء کے ملتقی پر پہنچیں گے
ٹوٹ جائیں گے اور جس سمت پر جا رہی تھی اس کے نیچے ہو کر گزرے گی، یہی وجہ ہے کہ اگر دریا یا تالاب
میں کوئی لکڑی سیدھی اس طرح قائم کی جائے کہ اس کا ایک حصہ پانی میں ہو اور ایک حصہ باہر تو پانی
کی سطح پر جو اس کا حصہ ہے نگاہ سے دیکھنے میں ٹوٹا ہوا معلوم ہوگا کہ پہلے نگاہ ملاء ہوا میں
گذری پھر ملاء آب میں کہ بہ نسبت ملاء ہوا کے کثیف تر ہے یوہیں طلوع و غروب کے وقت آسمان
کی طرف دیکھنے میں نگاہ کو دو ملاء قطع کرنا پڑتا ہے ایک عالم نسیم کا کہ کثیف ہے دوسرا اس
کے بعد کی ہوا کا کہ بہ نسبت اس کے لطیف ہے۔ لاجرم خطوط شعاعیہ ملتقی پر پہنچکر ٹوٹ جائے گی۔
اور نیچے ہو کر گزرے گی تو افق حقیقی کہ بظاہر نگاہ کو وہیں تک پہنچنا چاہیے تھا، اس انکسار کے

(بقیہ اگلے ص پر)

والوں کا سایہ اُلٹا نظر آتا ہے یعنی سر نیچے پاؤں اوپر اس کے علاوہ اور مشاہدہ کیجئے، حاجی کفایت اللہ صاحب سے فرمایا حاجی صاحب ایک تشت میں تھوڑا سا پانی ڈال کر ایک روپیہ اس میں ڈال دو. انہوں نے فوراً تعمیل کی، اب حضور نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا آپ کھڑے ہو کر دیکھئے کہ برتن میں روپیہ نظر آرہا ہے یا نہیں ـــــ انہوں نے کچھ فاصلے سے دیکھ کر عرض کیا ہاں نظر آرہا ہے، فرمایا ذرا اور پیچھے ہٹ آیئے، وہ کچھ پیچھے ہٹ آئے اور فرمایا اب دکھائی نہیں دیتا ہے، حضور نے حاجی صاحب کو اشارہ کیا، انہوں نے تھوڑا سا پانی برتن میں ڈال دیا، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اب نظر آنے لگا فرمایا اور دو قدم پیچھے کو آجایئے، پھر روپیہ نظر سے غائب تھا، حاجی صاحب نے اور پانی ڈالا روپیہ پھر نمایاں تھا، بعدہٗ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا افسوس یہ ہے کہ میں عربی سے ناواقف ہوں اور آپ انگریزی سے، کیا اچھا ہوتا کہ عربی کتب کا ترجمہ اردو میں ہو جاتا ـــ پھر میں انگریزی کر کے شائع کر دیتا ـــــ اور فرمایا میرے یہاں کالج کی لائبریری میں ایک کتاب عربی میں ہے جس کا وجود دنیا میں معدودے نسخوں پر ہے یعنی ایک تو میرے پاس اور ایک ایک جلد انگلینڈ گرینج بھوپال ریاست رام پور میں، اگر حضور فرمائیں تو میں ایک مولوی صاحب کو وہ کتاب دے کہ خدمت والا میں بھیج

(حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) سبب نگاہ اس سے نیچے پہنچے گی۔ اور آفتاب جانب مشرق قبل اس کے کہ افق پر آئے ہمیں مرئی ہوگا اور جانب غرب بعد اس کے کہ افق سے گذر جائے مرئی رہے گا۔ واللہ اعلم۔

(حیات اعلیٰ حضرت مظہر المناقب، جلد اوّل، مطبوعہ بریلی ص ۱۵۳)

ع حاجی کفایت اللہ رضوی، امام احمد رضا کے مخلص خدام میں سے تھے ـــ اقبال۔

دوں تاکہ وہ حضور سے آکر سمجھ لیں پھر اُن سے میں سمجھ لوں گا، حضور نے فرمایا بہتر ہے اس کے بعد ڈاکٹر صاحب چلے گئے ـــــ ۱۱ھ

ڈاکٹر صاحب نے ایک عالم صاحب کو وہ عربی کتاب دیکر امام احمد رضا کی بارگاہ میں بھیجا ـــــ وہ امام احمد رضا سے تقریباً تین چار روز پڑھنے کے بعد واپس چلے گئے۔ ۱۲ھ

سید ایوب علی بریلوی کی اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا کی بارگاہ میں اکیلے آئے تھے اور یہ کہ اس وقت امام احمد رضا کی خدمت میں سید ایوب علی بریلوی کے علاوہ ان کے بھائی سید قناعت علی بریلوی اور حاجی کفایت اللہ رضوی بھی موجود تھے ـــــ جبکہ دوسری روایت کے مطابق جو کہ اس موقع کے عینی شاہد مولانا برہان الحق جبل پوری[ع] کی ہے، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد صاحب پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کے ساتھ بریلی، امام احمد رضا کی بارگاہ میں آئے تھے، وہ ان دنوں بحیثیت طالب علم امام احمد رضا کے پاس مقیم تھے ـــــ چنانچہ وہ اپنی خود نوشت "اکرام امام احمد رضا" میں یہ واقعہ یوں نقل کرتے ہیں۔

ع مولانا مفتی برہان الحق جبل پوری ۲۱ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء جبل پور (مدھیا پردیش بھارت) میں پیدا ہوئے ـــــ ابتدائی تعلیم مدرسہ برہانیہ (جبل پور) میں فارسی عم محترم قاری بشیر الدین صاحب سے، منقولات و معقولات کی تحصیل والدِ ماجد مولانا شاہ عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے کی۔ جبکہ علمِ توقیت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ سے حاصل کیا ـــــ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں بریلی حاضر ہوئے یہاں دارالافتاء میں امام احمد رضا کے ارشادات قلم بند کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ـــــ دارالعلوم منظرِ اسلام میں مولانا ظہور حسین مجددی کے درس میں بھی شریک ہوئے ـــــ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء میں امام احمد رضا جبلپور تشریف لے گئے تو ۲۶ جمادی الاخریٰ/۲۹ مارچ کو امام احمد رضا نے ۵۴ علوم و فنون اور گیارہ سلاسل میں اجازت

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایک دن میں دارالافتاء میں بیٹھا کام کر رہا تھا کہ ایک شِکرم (ایک قسم کی چار پہیوں کی گاڑی) پھاٹک کے سامنے رکی، ایک مولوی صاحب اور ایک صاحب کوٹ پتلون پہنے، ننگے سر، اُتر کر ہماری طرف آئے، ان کے ساتھ جو مولوی صاحب تھے وہ مولانا (پروفیسر) سید سلیمان اشرف صاحب تھے ـــــ پھاٹک کے اندر آئے اور مجھ سے مولانا سید سلیمان اشرف نے دریافت فرمایا حضرت کہاں ہیں ـــــ ؟ ـــــ میں نے کہا تشریف رکھیے خبر بھیجتا ہوں ـــــ دونوں بیٹھ گئے اور ایک کارڈ نکال کر دونوں کے نام لکھ کر مجھے دیا، میں نے کارڈ اندر پہنچا دیا ـــــ اندر سے لڑکا آیا کہ حضرت اندر بلا رہے ہیں، جب

(بقیہ: حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ) و خلافت سے نواز کر سند عطا فرمائی اور دستار بندی کی ـــ مولانا موصوف نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ ۱۹۴۰ء میں قرار داد پاکستان کی منظوری کے بعد ملک کے طول و عرض میں دورے کیے، سرحد، پنجاب اور سندھ وغیرہم میں تقریریں کیں اور پاکستان کے لیے سخت ترین جدو جہد کی ـــــ آپکی ان کوششوں کو قائد اعظم محمد علی جناح نے خوب سراہا اور شکریے کا ایک خط لکھا ـــــ آپ نے کئی کتب تصنیف فرمائیں جن میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔ (۱) اجلال الیقین بتقدیس سید المرسلین، (۲) الاہلال اشہادات رویۃ الہلال، (۳) البرہان الاجلی فی تقبیل اماکن الصلحاء، (۴) روح الورد لا لتقح علی سوالات ہر دا، (۵) . . . . . . الصّلوٰت عن حیل البدعات (۶) اکرام امام احمد رضا ـــــ آپکو شعر و ادب کا بھی پاکیزہ ذوق تھا، آپ کے چند کلام "نغمۂ برہان" کے نام سے نوری بکڈپو (غالباً لاہور) نے شائع کیے ہیں ـــ امام احمد رضا آپکو بہت چاہتے تھے چنانچہ ایک شعر میں آپنے مولانا مصطفیٰ رضا خان اور آپکو یوں یاد کیا ہے ؎

آلِ رحمٰن، برہان الحق   شرق پہ برق گراتے یہ ہیں۔

(اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور۔ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ۔ مطبوعہ بنارس)

دونوں اندر جانے لگے میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ مولانا سلیمان اشرف صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے کہا، حضرت کے پاس چل رہے ہو اور ننگے سر۔؟ اُن دنوں میں ترکی ٹوپی لگاتا تھا، ڈاکٹر صاحب نے میری ٹوپی میرے سر سے اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی۔ میں نے اپنے سر پر رومال لپیٹ لیا اور اندر حضرت کی خدمت میں پہنچے ـــــ حضرت کچھ تحریر فرمارہے تھے، فرمایا تشریف لایئے۔ا سلام ومصافحہ کرکے بیٹھ گئے، حضرت نے خیریت پرسی فرمائی، ڈاکٹر صاحب نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور ایک سادہ کاغذ پر ریاضی کی ایک شکل انگریزی حروف لگاکر بنائی اور پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ اس شکل کے حل کے سلسلے میں مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے آپ سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا اس لیے میں نے آپ کو تکلیف دی اور حضرت کو کاغذ دیا، حضرت نے کاغذ دیکھ کر فرمایا انگریزی حروف میں کیا سمجھوں ؟ ـــــ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے سادہ کاغذ پر وہ شکل ابجد حروف لگاکر پیش کی اور پنسل کا اشارہ کرتے ہوئے حضرت سے کچھ عرض کیا، حضرت نے بھی جواب میں کچھ فرمایا ـــــ چند منٹ کی گفتگو ہی کے بعد ڈاکٹر صاحب حیرت زدہ حضرت کی طرف دیکھ رہے تھے ادھر حضرت پیش کردہ اشکال پر غور فرماکر ایک سادے کاغذ پر خود کچھ شکلیں بناتے کاٹتے، سدھارتے رہے اور اُدھر ڈاکٹر صاحب کی نظر حضرت کی قلم پر جمی رہی ـــــ

۵ منٹ بعد ایک صاف کاغذ پر اشکال کو حل فرماکر ڈاکٹر صاحب کو دیدیا گیا ـــــ ڈاکٹر صاحب نے دوسرے کاغذ پر اعلیٰ حضرت کی حل کردہ اشکال کو اپنے طور پر انگریزی نشانات لگاکر نقل کیا اور خوب غور کرنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے دستِ اقدس کو بوسہ دیکر عرض کیا:۔

"حضور نے یہ مسئلہ کتنی آسانی سے ۵ منٹ میں حل فرمادیا جسے میں

ہفتوں غور کرنے کے بعد بھی حل نہ کر سکا اور اس کے حل کے لیے جرمنی یا انگلینڈ جانے والا تھا کہ مولانا سید سلیمان اشرف صاحب نے میری صحیح رہنمائی فرمائی میں مولانا کا بہت ممنون ہوں، اللہ تعالیٰ آپ جیسے بزرگوں اور علماء کا سایہ تادیر سلامت رکھے۔"

ڈاکٹر صاحب کچھ دیر بیٹھے، پھر اجازت لے کر رخصت ہوئے، کاغذات لپیٹ کر پتلون کی جیب میں رکھے، میں بھی ساتھ چلا، صحن پار کرنے کے بعد میری ٹوپی واپس کرتے ہوئے بولے ــــ

"میاں! ــــ بڑے خوش نصیب ہو، خوب خدمت کرو اور جتنا بھی فیض حاصل کر سکو، حاصل کر لو ــــ"

باہر آکر پھاٹک میں کرسی پر بیٹھ کر ڈاکٹر صاحب نے مولانا سید سلیمان اشرف سے کہا۔

"یار! ــــ اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے، دینی مذہبی اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت وغیرہا اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس ریاضی کے مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا، صحیح معنی میں یہ ہستی "نوبل پرائز" کی مستحق ہے، مگر گوشہ نشین، ریاء اور نام و نمود سے پاک، شہرت کی طالب نہیں، ــــ اللہ تعالیٰ ان کا سایہ قائم رکھے اور ان کا فیض عام ہو۔ مولانا میں آپ کا بہت ممنون ہوں کہ آپ نے میری مشکل حل کر دی اور مجھے بڑی زحمت سے بچا لیا"ــــ

میں نے کہا ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ــــ ڈاکٹر ضیاء الدین اور مولانا سید سلیمان اشرف مجھ سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے ــــ [۱۳]

یہ واقعہ غالباً ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء کے درمیان کا ہے کیونکہ مولانا برہان الحق جبلپوری کے حالات زندگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں امام احمد رضا کی خدمت میں بریلی پہنچے اور کم و بیش تین سال یعنی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء تک ان کی خدمت میں رہے ـــــــ اس پورے واقعہ میں سید ایوب علی بریلوی اور سید قناعت علی بریلوی کا کہیں ذکر نہیں اور نہ ہی حاجی کفایت اللہ رضوی کا کوئی تذکرہ ہے ـــــــ ہاں پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کا بارہا ذکر ہے ـــــــ جبکہ اوّل الذکر روایت میں پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کے علاوہ مولانا برہان الحق جبل پوری کا بھی ذکر نہیں ملتا ـــــــ ان دونوں روایتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں واقعات الگ الگ وقت میں ہوئے ـــــــ یعنی ایک مرتبہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد تنہا ہی بریلی گئے جس کو کہ سید ایوب علی بریلوی نے روایت کیا، جبکہ دوسری مرتبہ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری کے ہمراہ گئے جس کے چشم دید گواہ مفتی برہان الحق جبلپوری ہیں اور انہوں نے ہی اس واقعہ کو روایت کیا ہے ـــــــ ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا کی بارگاہ میں ایک مرتبہ گئے یا دو مرتبہ ـــــــ بہرکیف امام احمد رضا کی بارگاہ میں کسی لاینحل ریاضی کے مسئلے کے حل کے لیے جانا ہر صورت ثابت ہے۔

ـــــــ مولانا حسنین رضا خان ابن مولانا حسن رضا خان اپنی خود نوشت تصنیف "سیرت اعلیٰحضرت" میں لکھتے ہیں کہ جب ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد امام احمد رضا کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور امام احمد رضا نے ان کے سوالات بلا تامل حل فرما دیئے ـــــــ تو ڈاکٹر صاحب ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ دیر سکون کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ اس فن میں آپ نے بھی کوئی کتاب تحریر فرمائی ہے ـــ ؟ ـــ امام احمد رضا نے فرمایا کہ ہاں ! ـــــ چار رسائل ہم نے بھی لکھے ہیں ـــــــ ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ کس زبان میں ہیں ـ ؟ ، ارشاد فرمایا عربی اور فارسی میں ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں ان دونوں زبانوں سے نابلد ہوں، حضور اگر اجازت دیں تو میں ان رسالوں کا اپنے لیے اردو میں ترجمہ کرا لوں ـــــــ امام احمد رضا نے بڑی خندہ پیشانی سے اجازت

مرحمت فرمادی ـــــــ ڈاکٹر صاحب علی گڑھ چلے گئے تو وہاں سے ایک مستعد عالم جو ریاضی میں بھی دخل رکھتے تھے (غالباً مولانا شرافت اللہ خان) کو ان رسائل کے تراجم کرانے کے لیے امام احمد رضا کی بارگاہ میں بریلی بھیجا ـــــــ وہ بریلی آئے چاروں رسائل کا اردو ترجمہ کیا، امام احمد رضا کو سنایا پھر یہیں سے مبیضہ کر کے علی گڑھ لے جا کر ڈاکٹر صاحب کو دے دیئے[۱۴] ڈاکٹر صاحب نے چونکہ خصوصی طور پر اپنے مطالعہ کے لیے اردو ترجمہ کروایا تھا، لہٰذا ترجمہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے یقیناً ان رسائل سے خوب استفادہ کیا ہوگا ـــــــ چونکہ ڈاکٹر صاحب نے ذاتی طور پر ترجمہ کرایا تھا لہٰذا ان رسائل کی طباعت کا اہتمام نہ کیا ـــــــ اب یہ تراجم مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کی لائبریری میں ہوں گے یا پھر ڈاکٹر صاحب کے ذاتی کتب خانہ میں ہوں گے ـــــــ ضرورت ہے کہ ہندوستان کے محققین و دانشور اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے اساتذہ کرام و لائبریرین اس جانب توجہ فرما کر ان رسائل کو تلاش کر کے منظر عام پر لائیں تاکہ موجودہ دور کا ریاضی دان طبقہ اور دیگر اہل علم امام احمد رضا کے ان علمی شہ پاروں سے استفادہ کر سکیں ـــــــ نیز ڈاکٹر صاحب کے ورثا بھی اس جانب توجہ فرمائیں۔

مولانا ڈاکٹر حسن رضا خان (ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی) نے اپنے ڈاکٹریٹ (Ph. D) کے مقالے " فقیہہ اسلام " (العطایا الرضویہ فی المسائل الشرعیہ) میں امام احمد رضا کی ریاضی پر درج ذیل کتب کا ذکر کیا ہے۔

۱ : ـــــــ جداول الریاض ـــــــ عربی

۲ : ـــــــ الکسر العشری ـــــــ عربی

۳ : ـــــــ زاویۃ الاختلاف المنظر ـــــــ فارسی

۴ : ـــــــ عزم البازی فی جوالریاضی ـــــــ فارسی

۵ : ـــــــ کسور اعشاریہ ـــــــ فارسی

۶ : ـــــــ معدن علومی در سنین ہجری و عیسوی و رومی ـــــــ فارسی۔[۱۵]

ـــــــ ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ان چھ رسائل میں سے کوئی چار کا ترجمہ کرایا ہو۔

— متذکرہ چھ رسائل میں سے درج ذیل چار رسائل کے اصل مخطوطات کے عکوس ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے کتب خانے میں محفوظ ہیں —

۱: — جداول الریاضی — عربی

۲: — الکسر العشری — عربی (۱۴ صفحات)

۳: — عزم البازی فی جوالزاویہ — فارسی

۴: — کسور اعشار — فارسی (۱۰ صفحات)

سید ایوب علی بریلوی کی "حیات اعلیٰحضرت" ص ۱۵۲ والی روایت کے مطابق جب امام احمد رضا نے ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کے لاینحل مسئلہ ریاضی کو حل فرما دیا تو انہوں نے کہا کہ میرے یہاں کالج میں ریاضی پر عربی میں ایک نادر و نایاب کتاب ہے، اگر آپ اجازت فرمائیں تو میں کسی عالم کو علی گڑھ سے وہ کتاب دیکر بھیج دوں گا، آپ اس کا اردو میں ترجمہ فرمادیں پھر میں انگریزی میں اس کو منتقل کر لوں گا — چنانچہ بعد میں ڈاکٹر صاحب نے کسی عالم کو وہ کتاب دیکر بریلی بھیجا، پھر وہ ترجمہ کرواکر واپس علی گڑھ لے گئے — حالات و واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یقیناً ڈاکٹر صاحب نے اس کتاب سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہوگا — اس کتاب کا ترجمہ ہو جانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا یا نہیں، اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا — یہ کتاب بھی یا تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں ہوگی یا پھر ڈاکٹر صاحب کے ذاتی کتب خانے میں۔

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد جب امام احمد رضا کی بارگاہ میں گئے تو اس وقت تک مغربی تعلیم و تہذیب کا ان پر بڑا اثر تھا — انگریزی وضع قطع کے حامل تھے۔ مگر جب واپس ہوئے تو داڑھی رکھ لی اور پابندی سے نماز پڑھنے لگے — چنانچہ مولانا ظفرالدین بہاری، مولانا محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس بریلی) کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب ان کو ڈاکٹر ضیاء الدین احمد کا امام احمد رضا کی بارگاہ میں آنے کا علم ہوا تو انہیں یقین نہیں آیا، چنانچہ "حیاتِ اعلیٰحضرت" میں لکھتے ہیں۔

"مولوی محمد حسین صاحب بریلوی ثم المیرٹھی موجد طلسمی پریس کا بیان

ہے کہ مجھے یہ واقعات سن کر بہت تعجب ہوا اور میں مشکوک رہا، اتفاق سے ۱۹۲۹ء میں میں شملہ گیا اس زمانہ میں وہ وائس چانسلر صاحب بھی حسنِ اتفاق سے شملہ آئے ہوئے تھے۔ اور اسپیشل ہوٹل میں مقیم تھے میں وہاں گیا اور ان سے ملا اور کہا کہ میں ایک امر کی تحقیق و تفتیش آپ سے چاہتا ہوں، فرمایا کل صبح بعد نمازِ فجر، دوسرے دن سویرے ہی گیا اور ان سے دریافت کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ریاضی کا کوئی مسئلہ معلوم کرنے اعلیٰحضرت کی خدمت میں بریلی تشریف لے گئے تھے، آپ نے اعلیٰحضرت کو کیسا پایا۔؟ فرمایا "بہت ہی خلیق، منکسرالمزاج اور ریاضی بہت اچھی جانتے تھے۔ باوجودیکہ کسی سے پڑھا نہیں، ان کو علم لدنی تھا۔ میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاینحل تھا۔ ایسا فی البدیہ جواب دیا گویا اس مسئلہ پر برعرصہ سے ریسرچ کیا ہے، اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں ہے، جب میں نے خود صاحب موصوف کی زبانی اس کو سنا تو یقین کامل ہوا نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ بریلی سے واپس جانے پر پروفیسر صاحب نے داڑھی رکھ لی اور نماز کے بھی پابند ہو گئے "۔ ۱۶ے

ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اگرچہ خود وقت کے بہت بڑے ریاضی دان، بلکہ ایسے ماہرِ فن تھے کہ جن کی پوری زندگی اس فن کی خدمت میں گذری، لیکن وہ امام احمد رضا کے تبحّرِ علم سے اس قدر متاثر تھے کہ جہاں کہیں بھی ان کے سامنے علم ریاضی کا ذکر ہوتا تو وہ امام احمد رضا کا حوالہ ضرور دیتے، چنانچہ مولانا حسنین رضا خان کی "سیرت اعلیٰحضرت" میں ہے کہ:

"سہارنپور میں ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد) کو چائے کی دعوت دی گئی، اس میں سپاسنامہ پڑھا گیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ریاضی میں یگانۂ روزگار ہیں۔ انہوں نے جوابی تقریر میں کہا۔ ان الفاظ کے مستحق مولانا احمد رضا خان بریلوی ہیں وہ واقعی اپنا جواب نہیں رکھتے "۔ ۱۷ے

اسی طرح قنوج کے مقام پر ایک موقع پر اس حقیقت کا اعتراف کیا۔[۱۸]
یہی نہیں بلکہ ہر مقام پر اعتراف کیا اور کیوں نہ کرتے کہ دیگر علوم و فنون کی طرح علم ریاضی میں بھی فاضل بریلوی کی حیثیت مسلّم ہے۔[۱۹]

افسوس اور حیرت تو اس بات پر ہے کہ جس کو ڈاکٹر سر ضیاء الدین جیسا ماہر ریاضیات خراج تحسین پیش کرے، علم ریاضی میں اس کے چھوڑے ہوئے ورثہ سے آج تک استفادہ نہ کیا جاسکا۔ علم ریاضی میں امام احمد رضا کی تحقیقی کاوشوں سے ہم بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں ـــــ ان سے نہ صرف اس فن میں تحقیق کی نئی راہیں کھل سکتی ہیں بلکہ اس میدان علم میں نئے قواعد و ضوابط، نئی اصطلاحات و علامات اور نئی جہتوں کے انکشاف کا امکان ہے ـــ

برصغیر کے ماہر ریاضیات ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کے تعلق کے حوالے سے امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ پر اس مقالے کے سپرد قلم کرنے کا اصل محرک اہل علم و فن حضرات کو اس طرف متوجہ کرنے کا جذبہ ہے ـــــ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے ذخیرۂ مخطوطات میں امام احمد رضا کے تقریباً چالیس[۴۰] رسائل کے مخطوطات کے عکوس ایسے ہیں جن کا تعلق علم ریاضی/حساب، الجبرا جیومیٹری اور ٹرگنومیٹری سے ہے۔

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کے پروفیسر ابرار حسین صاحب نے امام احمد رضا کی ریاضی میں نگارشات پر تحقیقی کام کیا ہے اور آجکل بھی مصروف عمل ہیں۔ ضرورت ہے کہ دیگر اہل علم اور بالخصوص ماہرین علم ریاضی اس جانب متوجہ ہو کر تحقیق کا آغاز کریں اور دنیا کو دکھا دیں کہ عالم اسلام اب بھی ایسے عبقریوں سے خالی نہیں جو علم و دانش کے لیے باعث افتخار ہیں ـــــ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ایسے اہل علم و فن کو خوش آمدید کہتا ہے اور ان سے ہر طرح تعاون کے لیے تیار ہے جو اس میدان میں تحقیق و تدقیق کے لیے مستعد ہوں۔

ع
صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

حوالہ جات

۱۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ (بشمول معارفِ رضا ۱۹۸۶ء، ص ۶۱)

۲۔ پروفیسر مجید اللہ قادری، قرآن، سائنس اور امام احمد رضا، مطبوعہ ۱۹۸۹ء کراچی، ص ۳-۱۲۔

۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ (بشمول معارف رضا ۱۹۸۶ء، ص ۲-۶۱

۴۔ ایضاً۔ . . . . ص ۶۰

۵۔ روزنامہ جنگ کراچی، شمارہ ۲۴ دسمبر ۱۹۷۳ء۔

۶۔ مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلحضرت (مظہر المناقب) جلد اوّل، مطبوعہ کراچی، ص ۶-۱۵۵۔

۷۔ روزنامہ جنگ کراچی، شمارہ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۷ء۔

۸۔ مولانا حسنین رضا خان، سیرت اعلحضرت، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی، ص ۳۷۔

۹۔ مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلحضرت، جلد اوّل، مطبوعہ بریلی، ص ۱۵۴۔

۱۰۔ مولانا حسنین رضا خان، سیرت اعلحضرت، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی، ص ۳۷۔

۱۱۔ مولانا ظفر الدین بہاری، حیات اعلحضرت، جلد اوّل، مطبوعہ بریلی، ص ۲-۱۵۰۔

۱۲۔ ایضاً۔ . . . . ص ۱۵۲۔

۱۳۔ مفتی برہان الحق جبلپوری، اکرام امام احمد رضا (مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد) مطبوعہ ۱۹۸۱ء لاہور ص ۷۰-۵۸۔

۱۴۔ مولانا حسنین رضا خان، سیرت اعلحضرت، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی، ص ۴۷۔

۱۵۔ ڈاکٹر حسن رضا خان، فقیہہ اسلام، مطبوعہ ۱۹۸۱ء پٹنہ، ص ۱۹۸۔

۱۶۔ مولانا ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلحضرت، جلد اوّل، مطبوعہ بریلی، ص ۱۵۵۔

۱۷۔ مولانا حسنین رضا خان، سیرت اعلحضرت، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی، ص ۴۷۔

۱۸۔ ایضاً۔ . . . . ص ۴۷۔

۱۹۔ سالنامہ معارف رضا، شمارہ اوّل ۱۹۸۰ء، مطبوعہ کراچی، ص ۴۰۔

امام احمد رضا کی جدید علوم پر دسترس

از سید ریاست علی قادری (اسلام آباد)
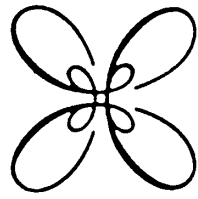
اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز قرآن حکیم ہے اور اس کے بعد حدیث رسول علیہ التحیۃ والتسلیم۔ تمام عقائد و اعمال اسی سے ماخوذ ہیں اور جتنے اخلاقی احکام اور معاشی و معاشرتی ضوابط ہیں سب اسی مرکز سے ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم آج بھی ہمارے پاس محفوظ ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں انسانوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآنِ حکیم کا فیضان زمان و مکان کے اندر محدود نہیں۔ اس سے ہر شخص خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی حصہ پر آباد ہو، کسی دور میں زندگی بسر کرے یکساں طور پر ہدایت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اور حقائق و معارف سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ اس لئے قرآن کا سمجھنا، سمجھ کر اس سے زندگی کے ہر مرحلہ میں رہنمائی حاصل کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔

قرآن حکیم ہمیں تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ قرآن حکیم خود پڑھے، اوروں کو پڑھائے، خود سمجھے، دوسروں کو سمجھائے۔ خود عمل کرے، دوسروں سے عمل کروانے کی جدوجہد کرے۔

قرآن حکیم چونکہ عربی میں ہے اور ہر آدمی عربی کا فاضل نہیں ہو سکتا اس لئے دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ناگزیر ہے اور پھر ترجمہ کی مشکلات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ایک انسان کی بات دوسرے انسان کو من وعن پہنچانی کس قدر مشکل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے اپنا پیغام اپنے الفاظ اور اپنے لہجے میں محفوظ کرا دیا اور اس کی دائمی حفاظت کا وعدہ فرمایا۔ جو لوگ قرآنِ حکیم کی اصل زبان عربی سمجھتے ہیں انہیں معلوم ہے کہ قرآنِ حکیم کے ترجمے اصل زبان عربی کا بدل نہیں ہو سکتے۔ قرآن حکیم کی عربی کی عربی میں بھی تفہیم کی جائے تو وہ کیفیت باقی نہیں رہے گی جو قرآن حکیم کی عربی میں ہے۔ پھر دوسری زبانوں میں ترجمہ تو اصل کیفیت کو بالکل کھو دیتا ہے لیکن چارہ ہی کیا ہے۔ ہندوستان میں سرکاری اور علمی سطح پر اس کا رواج ہوا تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو قرآن حکیم کا ترجمہ فارسی میں کرنا پڑا۔ اس وقت اردو زبان کو علمی اور ادبی حیثیت حاصل نہ تھی کہ قرآن حکیم کا اردو ترجمہ کیا جاتا۔ ہندوستان کے بعض علماء ترجمہ کرنے کے حق میں نہ تھے مگر شاہ ولی اللہ دور اندیش تھے۔ انہوں نے اچھا کیا کہ قرآن حکیم کے سمجھنے کا کچھ تو سامان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ ان کے بیٹوں شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ عوامی سطح پر اردو مقبول ہے تو شاہ رفیع الدینؒ نے قرآن حکیم کا اردو میں لفظی ترجمہ کر ڈالا (لفظ کے نیچے لفظ) اور شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے بامحاورہ ترجمہ کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی قدامت کے باعث ان ترجموں سے اردو داں طبقہ کے لئے استفادہ ممکن نہیں رہا۔ انہیں ایک ایسے سلیس سادہ عام فہم اور قرآنِ حکیم کی روح کے عین مطابق ترجمہ کی ضرورت تھی جو ان کی سمجھ میں بآسانی آسکے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف صنعتی انقلاب اور سائنسی ایجادات سے پوری دنیا متاثر ہو رہی تھی تو دوسری طرف وہابی مسلک کے علماء نے اپنے عقائد کے مطابق بعض مخصوص قرآنی آیات کے ترجموں سے سیدھے سادے مسلمانوں کے قلوب میں الجھنیں پیدا کر دی تھیں لہٰذا قرآن حکیم کے ایک ایسے ترجمے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جانے لگی تو ان دونوں حقیقتوں

کی روشنی میں مسلمانانِ برصغیر پاک وہند کی تسکین وتشفی کا سامان مہیا کر سکے۔ آخر کار اس ضرورت کو احسن طور پر پورا کرنے کی سعادت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کو نصیب ہوئی۔ انہوں نے ۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء میں قرآن حکیم کا جیتا جاگتا اردو ترجمہ پیش کیا جو کنزالایمان کے نام سے مشہور ہوا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان برصغیر میدان علم وحکمت میں انگریزی علوم وفنون سے مرعوب ہونے لگے۔ مغربی علوم کا سیل رواں اسلام کی بنیادوں سے ٹکرایا تھا۔ ایسے میں امام احمد رضا کے علم و دانش نے زبان وقلم کے ہتھیاروں سے تجدد کی فتنہ انگیز تحریک کے خلاف صف آرائی کی اور تاریخ آج تک شہادت دے رہی ہے کہ اس منہ زور تحریک نے علم کے اس بحرِ ذخار کے سامنے دم توڑ دیا۔

امام احمد رضا معارفِ قلب وروح کے ساتھ علومِ عقلی ونقلی میں بے مثال مہارت کے حامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی فیاضی سے انہیں بے مثال قابلیت، فہم وذکا، بے نظیر حافظہ، فصاحت و بلاغت اور سروریٔ قلم وبیاں کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ دینی علوم میں آپ کی مسلمہ مہارت توخیر ایک حقیقتِ ثابتہ شمار کی جاتی ہے لیکن سائنسی علوم وفنون میں بھی آپ کو وہ تبحر حاصل تھا کہ ان علوم کے ماہرین اپنے اشکالات کا جواب حاصل کرنے کے لیے اس منبع علم وحکمت کی بارگاہِ دانش کے محتاج رہتے تھے۔

امام احمد رضا نے ایک ہزار کے لگ بھگ کتب اور رسائل تصنیف کیے جن میں ۱۰۵ سے زائد علوم وفنون کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں فقہ کی کتابوں پر حواشی لکھے جو ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ کثرتِ تصانیف اور متنوع علوم پر انہیں جو فوقیت حاصل تھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، امام احمد رضا کی ایک ہزار تصانیف کو

Bibliographical Encyclopaedia of Imam Ahmad Raza

کے نام سے منظر عام پر لانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ جس پر انہوں نے کام شروع کر دیا ہے۔ اب تک کی تحقیق سے وہ ۸۴۸ کتابوں کے نام، سنِ طباعت، موضوع اور ناشران۔ غرض جملہ کوائف جمع کر چکے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کی اس علمی و تحقیقی کاوش کو "ادارہ تحقیقات امام احمد رضا،، شائع کرنے کی سعادت حاصل کرے گا۔

راقم الحروف بھی "کنز العلم" کے نام سے ایک کتاب شائع کرنا چاہتا ہے جس میں ۱۰۵ علوم و فنون پر امام احمد رضا کی تصانیف کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ اب تک ڈیڑھ سو سے زائد کتب کا انتخاب کیا جا چکا ہے جس میں ان ۱۰۵ علوم و فنون پر تبصرہ و تعارف پیش کیا جائے گا جس کی تفصیل یہ ہے۔ ۱۔ علم القرآن ۲۔ قرآۃ ۳۔ تجوید ۴۔ تفسیر ۵۔ علم حدیث

۶۔ تخریج	۷۔ فقہ	۸۔ علم الکلام	۹۔ علم العقائد	۱۰۔ علم البیان ۱۱۔ علم المعانی
۱۲۔ علم المناظرہ	۱۳۔ فتویٰ نویسی	۱۴۔ سیرت نگاری	۱۵۔ فلسفہ	
۱۶۔ منطق	۱۷۔ تنقیدات	۱۸ فضائل و مناقب	۱۹۔ ادب و انشاپردازی	
۲۰۔ شاعری	۲۱۔ نثر نگاری	۲۲۔ حاشیہ نگاری	۲۳۔ اسماء الرجال	
۲۴۔ علم الاخلاق	۲۵۔ روحانیت	۲۶۔ تصوف	۲۷۔ سلوک	
۲۸۔ تاریخ و سیر	۲۹ جدول	۳۰۔ صرف و نحو	۳۱۔ بدیع	
۳۲۔ علم الانساب	۳۳۔ علم الفرائض	۳۴۔ ردّات	۳۵۔ پند و نصائح	
۳۶۔ مکتوبات	۳۷۔ ملفوظات	۳۸۔ خطبات	۳۹۔ جغرافیہ	
۴۰۔ تجارت	۴۱۔ شماریات	۴۲۔ صوتیات	۴۳۔ مالیات	
۴۴۔ اقتصادیات	۴۵۔ معاشرت	۴۶۔ طبیعات	۴۷۔ معاشیات	
۴۸۔ ہیئت	۴۹۔ کیمیا	۵۰۔ معدنیات	۵۱۔ فلکیات	
۵۲۔ نجوم	۵۳۔ جفر	۵۴۔ ارضیات	۵۵۔ تعلیم و تعلم	
۵۶ علم الحساب	۵۷ زیجات	۵۸۔ زائرچہ و زائچہ	۵۹۔ نقوش و تعویزات	
۶۰۔ طِب	۶۱ ادویات	۶۲۔ لسانیات	۶۳۔ رسم الخط	

۶۴، جرح وتعدیل ۶۵، درود واذکار ۶۶، ایمانیات ۶۷، تکسیر
۶۸، توقیت ۶۹، اوفاق ۷۰ علم ریاضی ۷۱، نبکاری
۷۲، زراعت ۷۳، تاریخ گوئی ۷۴، سیاسیات ۷۵، علم الاوقات
۷۶، ردّ موسیقی ۷۷، قانون ۷۸، تشریحات ۷۹، تحقیقات
۸۰، علم الادیان ۸۱، ماحولیات ۸۲، علم الایام ۸۳، تعبیر
۸۴، عروض وقوافی ۸۵ علم البرّ والبحر ۸۶ علم الاوزان ۸۷، حکمت
۸۸، نقد ونظر ۸۹، تعلیقات ۹۰، موسمیات ۹۱، شہریات
۹۲، علم المناظر ۹۳، نفسیات ۹۴، صحافت ۹۵ علم الاموال
۹۶، عملیات ۹۷، مابعد الطبیعات ۹۸، علم النّور ۹۹، علم الاحکام
۱۰۰، عمرانیات ۱۰۱، عمل رمل ۱۰۲، لغت ۱۰۳، استعارات
۱۰۴، حیاتیات ۱۰۵ نباتات اور بے شمار دوسرے علوم

امام احمد رضا برصغیر پاک و ہند کے وہ عظیم مترجم ہیں جنہوں نے انتہائی کد وکاوش سے قرآنِ حکیم کا ایسا ترجمہ کیا جس میں روحِ قرآن کی حقیقی جھلک موجود ہے۔ مقامِ حیرت واستعجاب ہے کہ یہ ترجمہ لفظی ہے اور با محاورہ بھی۔ اس طرح گویا لفظ اور محاورہ کا حسین ترین امتزاج آپ کے ترجمے کی بہت بڑی خوبی ہے۔ پھر آپ نے ترجمہ کے سلسلے میں بالخصوص یہ التزام بھی کیا ہے کہ ترجمہ لغت کے مطابق ہو اور الفاظ کے متعدد معانی میں سے ایسے معانی کا انتخاب کیا جائے جو آیات کے سیاق وسباق کے اعتبار سے موزوں ترین ہوں۔ اس ترجمہ سے قرآنی حقائق و معارف کے وہ اسرار منکشف ہوتے ہیں جو عام طور پر دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے اور اکثر مترجم چونکہ علوم جدیدہ سے اچھی طرح واقف نہیں تھے لہٰذا ان آیات کا ترجمہ خاطر خواہ نہیں کر سکے جن کا تعلق سائنسی علوم سے ہے۔ اور پھر بعض ترجمہ کرنے والوں نے سائنسی ایجادات وتجربات کو قطعی اہمیت نہیں دی۔ اور سائنس کو مذہب سے بالکل علیحدہ کر دیا۔

امام احمد رضا سائنس کو مذہب سے کوئی علیحدہ چیز نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ

اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کر کے سائنس کے مطابق نہ کیا جائے بلکہ جتنے مسائل سے سائنس کو اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ انہوں نے پروفیسر حاکم علی لاہوری کو جو اپنے وقت کے زبردست سائنسدان تھے ریاضی دان اور صاحبِ علم وفن تھے لکھا تھا کہ قرآنی اصولوں کو سائنسی اصولوں پہ نہ پرکھیں بلکہ سائنسی اصولوں کو قرآنی اصولوں پر جانچیں۔ اور سائنس نے جہاں جہاں غلطیاں کی ہیں ان کی نشاندہی کریں۔ خود امام احمد رضا نے کاپرنیکس، نیوٹن اور آئن سٹائن وغیرہ کے نظریات کا تعاقب کرتے ہوئے یہی روش اختیار کی ہے۔

علوم جدید اور سائنس پر امام احمد رضا نے تقریباً ۹۰ کتابیں تحریر کیں لیکن ان کے علاوہ بھی اگر فتاویٰ رضویہ کا جو بارہ ہزار صفحات پر پھیلا ہوا ہے مطالعہ کیا جائے تو جابجا امام احمد رضا نے ریاضی کی مختلف شاخوں سے مدد لے کر بڑے سے بڑا مسئلہ حل کر دیا۔ امام احمد رضا کو اصناف علم میں ہر صنف پر کامل عبور تھا۔ اور سائنسی علوم پر تو اس قدر مہارت تھی کہ

Geometry - Algebra - Mathematical calcu-
lation اور Lograthim - trigonometry

وغیرہ کی مدد سے صحیح جواب دیتے تھے۔

امام احمد رضا نے سائنس کو مذہب سے کسی طور پر خارج نہیں کیا بلکہ وہ زندگی بھر یہی کہتے رہے کہ سائنس کو قرآنِ حکیم کے تابع کیا جائے اور سائنس کو مذہب سے علیحدہ کوئی چیز تصور نہ کیا جائے۔ سائنس کو مذہب سے علیحدہ کرنا اور یہ ماننا کہ سائنس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں فی الواقع بڑی نافہمی اور کم علمی کی بات ہے۔ سائنس میں وہ حقائق (FACTS) اور قوانین قدرت (NATURAL LAWS) جو تجربے اور مشاہدے سے انسان کے علم میں آتے ہیں بلاشبہ بڑے اہم اور عالمگیر ہیں۔ لیکن وہ ذہن جو ان حقائق کو مرتب کر کے ان پر نظریات (THEORIES) قائم کرتا ہے عالمگیر نہیں ہے بلکہ ہر تہذیب و تمدن کے ماننے والوں کا اپنا اپنا اندازِ بیان ہے۔ اس کے برعکس حقیقت یہ ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو انسانوں کے دل میں ایمان کو مضبوط نہ کرے

غرض جس علم کو دیکھیں BIOLOGY ، CHEMISTRY ، PHYSICS ، ASTRONOMY ، GEOGRAPHY اس میں ایسے ایسے حقائق سامنے آئیں گے جو انسان کو پکا اور سچا مومن بنا دینے کے لئے کافی ہیں ۔ اور یہی وہ چیز ہے جس کی طرف قرآنِ حکیم بار بار توجہ دلاتا ہے ۔ قرآن حکیم ایک ایسی جامع کتاب ہے جس میں اول تا آخر تمام حقائق و معارف اور جملہ علوم و فنون کا ذکر ہے اور جس موضوع سے قرآن بحث کرتا ہے وہ کائنات پر محیط ہے ۔ اس کا دائرہ ازل سے ابد تک پھیلا ہوا ہے ۔ اس میں وہ علوم بھی ہیں جو صدیاں گزر جانے کے بعد اب سامنے آرہے ہیں ۔ ربّ کائنات کئی مقامات پر قرآنِ حکیم میں اسی حقیقت کی نشاندہی فرماتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (النحل : ۸۹)

ترجمہ : اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے ۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف : ۱۱۱)

ترجمہ : اور ہر چیز کا تفصیلی بیان

امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن پر اب تک سینکڑوں مقالے ، بیسیوں کتابیں اور درجنوں مضامین لکھے جا چکے ہیں جن میں اہلِ علم و فن نے امام احمد رضا کی علمی وجاہت ، دینی بصیرت ، ذکاوت ، حافظہ ، فصاحت ، بلاغت ، فکر انگیزی اور وسعت النظری کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ اس ترجمہ کو قرآن کے اردو تراجم کی دنیا میں سب سے اعلیٰ اور معیاری قرار دیا ۔

شعبہ ارضیات جامعہ کراچی کے پروفیسر مجید اللہ قادری ، جنرل سیکرٹری " ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی " نے " قرآن ، سائنس اور امام احمد رضا " نامی کتاب لکھ کر ایک تحقیقی اور گراں قدر کارنامہ سر انجام دیا ہے ۔ اس تصنیف میں پروفیسر مجید اللہ قادری نے علوم جدید اور خصوصیت سے سائنسی علوم میں امام احمد رضا کے آثار علمیہ کا ایک دقیق جائزہ پیش کیا ہے ۔

ہندوستان کے مشہور اسکالر اور محقق علامہ شبیر احمد غوری ، مولانا محمد احمد مصباحی اور خواجہ مظفر حسین نے امام احمد رضا کی علمی مہارت ، علوم جدیدہ پر گہری نظر پر فاضلانہ مقالات لکھے ہیں ۔

پاکستان میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے استاد برائے (BASIC SCIENCES) پروفیسر ابرار حسین نے اپنے تحقیقی مقالوں میں امام احمد رضا کی علم ریاضی، علم ہیئت اور دیگر سائنسی علوم پر دسترس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ دنیائے اسلام کے ایک زبردست ماہر ریاضی اور سائنسداں تھے۔ پروفیسر محمد مسعود احمد جو پچھلے ۲۱ برسوں سے امام احمد رضا کے دینی و علمی کارناموں پر تحقیق کر رہے ہیں "رضویات" پر ایک AUTHORITY سمجھے جاتے ہیں انہوں نے اپنے ایک مقالے "امام احمد رضا اور علوم جدیدہ وقدیمہ" میں امام احمد رضا کی علوم جدیدہ پر مہارت کا ذکر بڑے ہی محققانہ اور فاضلانہ انداز میں کیا ہے۔ یہ مقالہ کتابی صورت میں منظر عام پر آچکا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے امام احمد رضا پر ان ۲۱ برسوں میں سینکڑوں مقالات لکھے ہیں جنہیں اہل علم وفن سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ الحمدللہ! اب پچھلی ڈیڑھ دہائی میں ایسے محققین قلمکار سامنے آئے جنہوں نے امام احمد رضا کی علمیت کے اُن گوشوں کو اجاگر کیا جو اب تک اہل علم کی نظروں سے کسی قدر اوجھل تھے۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی کا شمار ایسے ہی محققین میں ہوتا ہے جنہوں نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن موسوم بہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" سے سائنسی علوم کا استخراج کر کے یہ ثابت کیا کہ قرآن حکیم میں بے شمار ایسے علوم بکھرے پڑے ہیں جن سے سائنسی دنیا کا کھوج ملتا ہے۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی کی تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا سائنسی علوم وفنون میں کس درجہ مہارت رکھتے تھے۔ ڈاکٹر نیازی کی یہ تحقیقی کاوش یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اور آئندہ لکھنے والوں کے لئے ایک سنگ میل ثابت ہوگی۔

ڈاکٹر نیازی نے اس کتاب میں سائنس کے مفہوم کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے مستند حوالوں سے قارئین کو یہ بتایا کہ سائنس کا موضوع کیا ہے اور اس کی مختلف اقسام کیا ہیں۔ سائنس کی تاریخ اور اس کی ارتقائی منزلوں پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے مختلف ادوار کا احاطہ کرتے ہوئے سائنسی طریقۂ کار کو بڑے محققانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ دور قبل از

تاریخ، قدیم دور، دھاتوں کا زمانہ، صنعتی اور ایٹمی دور سے متعلق معلومات پیش کر کے ان ادوار کے رہن سہن، بود و باش، طرزِ معاشرت اور انسانی زندگی پر ماحولیاتی و معاشی اثرات اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ترقی اور نئی سے نئی ایجادات کا ذکر کیا ہے۔ جوں جوں انسان ترقی کرتا گیا ویسے ویسے اس کے نظریات بنتے رہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ان نظریات میں بر[illegible] لمیاں ہوتی رہیں۔ آنے والے لوگ اگلوں کے نظریات کا رد کر کے نئے نظریات پیش کرتے رہے۔ اسی دو[illegible] دنیا میں طرح طرح کی حیرت انگیز ایجادات ہوتی رہیں۔ اس تمام تفصیل کے بعد ڈاکٹر نیازی نے عو[illegible] آن پر روشنی ڈالتے ہوئے مختلف قرآنی آیات کے حوالوں سے ثابت کیا کہ دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں جو قر[illegible] حکیم میں موجود نہ ہو۔ انہوں نے بالخصوص ان آیات کو موضوعِ سخن بنایا جن میں سائنسی علوم سے بحث کی گئی ہے۔ علوم قرآن اور سائنسی علوم کی وضاحت کرتے وقت ڈاکٹر نیازی کی نظر امام رضا کے ترجمۂ قرآن پر رہی۔ اور انہوں نے اس کو بقیہ تمام ترجموں پر فوقیت دی۔ غالباً امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کا مطالعہ ہی اس کتاب کے لکھنے کا محرک ثابت ہوا۔

دے خدا ہمت کہ یہ جانِ حزیں
آپ پر واریں وہ صورت کیجیے
آپ ہم سے بڑھ کے ہم پر مہرباں
ہم کریں جرم آپ رحمت کیجیے
جو نہ بھولا ہم غریبوں کو رضا
یاد اُس کی اپنی عادت کیجیے

اعلیٰ حضرت

کتابیات

۱۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن۔ امام احمد رضا
۲۔ نظریہ حرکتِ زمین اور اعلحضرت۔ ہفت روزہ الہام بہاولپور مارچ ۱۹۸۱ء
۳۔ نظریہ حرکتِ زمین اور امام احمد رضا۔ ماہنامہ اظہار کراچی ۱۹۸۳ء
۴۔ محاسن کنز الایمان۔ ملک شیر محمد اعوان۔ انوارِ رضا لاہور ۱۹۷۵ء
۵۔ امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابل۔ سید محمد مدنی اشرفی۔ المیزان فروری ۱۹۷۶ء
۶۔ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں۔ قاری رضاء المصطفیٰ۔ حیدرآباد ۱۹۸۸ء
۷۔ قرآن، سائنس اور امام احمد رضا۔ پروفیسر مجید اللہ قادری معارف رضا کراچی ۱۹۸۹ء
۸۔ قرآن حکیم اور سائنسی اندازِ فکر۔ مظفر حسین۔ قرآن نمبر سیارہ ڈائجسٹ جلد ۴ شمارہ ۴ اپریل ۱۹۷۰ء
۹۔ پروفیسر حاکم علی۔ محمد صدیق ہزاروی۔ مکتبہ رضویہ لاہور جنوری ۱۹۸۲ء
۱۰۔ آخری پیغام۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ سرہند پبلی کیشنز کراچی ۱۹۸۶ء
۱۱۔ امام احمد رضا اور علومِ جدیدہ ،، ،، ،، مرکزی مجلس امام اعظم لاہور
۱۲۔ انوار رضا مرتبہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
۱۳۔ معارفِ رضا ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا ۱۹۸۶ء
۱۴۔ حاشیہ لوگارثم مرتبہ سید ریاست علی قادری مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا
۱۵۔ معارفِ رضا۔ پروفیسر ابرار حسین (ماہر علم ریاضی ،، ،، ۱۹۸۶ء
۱۶۔ معارفِ رضا استخراج لوگارثمات ،، ،، ،، ،، ۱۹۸۵ء
۱۷۔ معارفِ رضا محمد اعظم چشتی۔ اعلحضرت اور علوم طبیعات ،، ،،
۱۸۔ المیزان امام احمد رضا نمبر مارچ ۱۹۷۶ء بمبئی (بھارت)
۱۹۔ عالمی جامعات اور امام احمد رضا" پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود معارف رضا ۱۹۸۴ء کراچی
۲۰۔ امام احمد رضا اور جدید و قدیم سائنسی نظریات ،، ۔ کراچی مبارکپور

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی معرکۃ الآراء تصنیف "فوز مبین در ردّ حرکت زمین" کے تقریباً ۷۰ صفحات ۱۹۲۰ء میں قسط وار ماہنامہ "الرضا" (بریلی) میں شائع ہوئے۔ تقریباً ساٹھ سال تک فاضل بریلوی کا یہ عظیم علمی، سائنسی اور تحقیقی کارنامہ گوشۂ گمنامی میں پڑا رہا۔ پروفیسر محمد مسعود احمد اور جناب ریاست علی قادری اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے ۱۹۸۳ء میں "معارف رضا" میں "فوز مبین" کا مقدمہ شائع ہوا۔ اسی سال جناب عبدالنعیم عزیزی نے فصل دوم کے کچھ حصوں تک قسط وار ماہنامہ "سنی دنیا" (بریلی) میں شائع کیا۔ حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری اور جناب عبدالنعیم عزیزی کی انتھک کاوشوں اور قلمی نسخے کے تبییض اور تصحیح کے دشوار گذار عمل کے بعد "فوز مبین" کتابی شکل میں "سنی دنیا" بریلی شریف سے شائع ہو چکی ہے۔ جناب عزیزی نے ایک سیر حاصل اور انتہائی مفید مقدمہ بھی تحریر کیا ہے اور آخر میں فرہنگ اصطلاحات بھی دی ہے۔

فوز مبین میں حرکت زمین کا بطلان ۱۰۵ دلائل سے کیا گیا ہے۔ ان دلائل کی موثریت کا فیصلہ شخصی عمل ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فاضل بریلوی نے اپنے دلائل میں ہیئت، علوم ریاضی، جغرافیہ، منطق، فلسفہ اور کئی دیگر علوم کا احاطہ کیا ہے

اور اس دور میں مروجہ سائنسی نظریات اور قدیم نظریات دونوں کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے بقول جناب عزیزی صاحب

" امام کے تعقب اور رد کی یہ خوبی ہے کہ وہ مخالف کے حملہ کا جواب اسی ہتھیار سے دیتے ہیں، جس ہتھیار سے وہ حملہ کرتا ہے، مخالف اپنے دعوے کے ثبوت میں جس علم و فن کی کتب سے دلائل پیش کرتا ہے امام اسی علم و فن کی کتب سے اس کا رد فرماتے ہیں۔"

فصل دوم کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

" اہل ہیئیات جدیدہ کی ساری مہارت ریاضی و ہندسہ و ہیئیات میں منہمک ہے عقلیات میں ان کی بضاعت قاصر یا قریب صفر ہے، وہ نہ طریق استدلال جانتے ہیں نہ آدابِ بحث۔ کسی بڑے مانے ہوئے کی بے دلیل باتوں کو اصول موضوعہ ٹھہرا کر ان پر بے سرو پا تفریعات کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر وہ وثوق وہ کہ گویا آنکھوں سے دیکھی ہیں بلکہ مشاہدہ میں غلطی پڑ سکتی ہے ان میں نہیں۔ ان کے خلاف دلائل قاہرہ ہوں تو سننا نہیں چاہتے۔ سنیں تو سمجھنا نہیں چاہتے، سمجھیں تو ماننا نہیں چاہتے۔ دل میں مان بھی جائیں تو اس لکیر سے پھرنا نہیں چاہتے۔"

اس اقتباس سے اعلحضرت کے طریقہ استدلال میں علوم ریاضی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ " فوز مبین " میں استعمال کیے جانے والے علوم ریاضی کا ایک مختصر جائزہ لیا جائے یہاں دو امور کی وضاحت ضروری ہے۔ امام احمد رضا خان نے ریاضی اور دیگر علوم جدیدہ کی تعلیم کسی مغربی ادارے سے حاصل نہیں کی۔ ان علوم میں آپ نے خدمت دین کے لیے مہارت حاصل کی۔ اس کی مثالیں " فتاوٰی رضویہ "، الدولتہ المکیہ" اور دیگر تصانیف میں بکثرت ملتی ہیں۔ یہاں اس امر کی بھی وضاحت ضروری ہے کہ اعلحضرت کے دور میں ریاضی نے وہ ترقی نہیں کی تھی جو گذشتہ نصف صدی میں ہوئی اور نہ ہی اس کی ترقی کی رفتار وہ تھی جو آج ہے۔ ریاضی کے کئی موجودہ شعبے ابھی وجود میں

نہیں آئے تھے۔ ہئیات اور دیگر شعبہ ہائے طبیعات میں ہندسہ، علم المثلث مستوی و کروی، ہی مستعمل تھے۔ "فوز مبین" میں استعمال ہونے والے علوم ریاضی کا آج کل کی ریاضی سے نہیں بلکہ اس دَور کی ریاضی سے موازنہ کرنا ہے۔

نفسِ مضمون کی مناسبت سے فوز مبین میں علم الہندسہ، علم المثلث مستوی اور علم المثلث کروی کا استعمال کثرت سے کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں نمبر ۲۸ تا ۳۵ ان علوم پر مبنی نتائج حاصل کیے گئے ہیں۔ اور فصل سوم میں ان نتائج کو زمین کی حرکت رد کرنے کے دلائل میں استعمال کیا گیا ہے۔ اعلیٰحضرت نے ماہرین ہیئیات جدیدہ کے غلط استدلال کی نشاندہی کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:۔

(۱) مثلث مستوی پر مبنی اصولوں کی مثلث کروی پر استعمال کیا جائے۔

(۲) دائرہ عظیمہ کے خواص کو کرہ پر واقع ہر دائرے کے لیے جائز سمجھا جائے۔

(۳) "چھوٹی قوس اور اس کے وتر میں فرق کم ہوتا ہے"۔ اس کا اطلاق بلا تمیز کسی بھی قوس پر کر دیا جائے۔

چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:۔

"مدار زمین تو بعض مانتے ہو۔ دائرۃ البروج دائرہ کیسے ہوا۔ اور مجاز کا دامن تھامنا کام نہیں دے گا کہ میل و عرض ہمارے موامرات علم مثلث کروی پر مبنی اور دوائر تامہ ہی میں جاری" ص ۷۵۔

"اب اس سے تین نتیجے بدیہی طور پر لازم (ا) یہ دونوں دائرے متساوی ہیں، (ب) دونوں مرکز واحد پر ہیں، (ج) دونوں ایک کرے کے دائرہ عظیمہ ہیں ..... بالجملہ یہ تینوں نتیجے متفق علیہ ہیں خود جملہ کرات ارضی و سماوی کہ اب تک ہیئیات جدیدہ میں بنتے ہیں ان کی صحت پر شاہد۔ فوائد (ا) سطح مستوی میں کبھی دو دائرے تناصف نہیں کر سکتے کہ اس کے لیے اتحاد مرکز لازم اور وہ اس کے متقاطع دائروں میں محال (اقلیدس مقالہ ۳ شکل ۵)

(ب) دائرۃ البروج کی تعریف کہ "حدائق" میں کی باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔
(ج) اصول الہئیات کی تعریف اس سے باطل ترکہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔
(د) جب ان کے مرکز مختلف تو دونوں عظیمے کیسے ہو سکتے ہیں کہ عظیمہ کا مرکزِ نفس مرکز کرہ ہونا لازم . . . . " ص ۷۶ ـ ۷۷۔

"تمام عقلائے عالم اور ہئیات جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ دونوں کرّے سماوی حقیقی یا مقدّر کے دائرہ عظیمہ ہیں۔ (۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰) جتنے سماوی وارضی کرّے ہئیات قدیمہ و جدیدہ میں بنتے ہیں۔ سب اس پر شاہد ہیں لیکن دورہ زمین پر یہ بوجوہ ناممکن کہ نہ تساوی، نہ اتحاد مرکز، نہ تناصف تو دورہ زمین قطعی باطل۔" ص ۱۳۵۔

"عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ دائرہ شخصیہ ہے۔ (نمبر ۳۱) جتنے سماوی وارضی کرّے ہئیت قدیمہ و جدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں، لیکن زمین دائر ہو تو ان میں کوئی شخصی نہ رہے گا۔ (دیکھو ۳۱، ۳۲) تو زمین کا دورہ باطل۔" ص ۱۳۵۔

"تمام عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ بارہ برج متساوی ہیں۔ ہر برج تیس درجے (نمبر ۲۹)۔ جتنے سماوی کرّے ہیئت قدیمہ و جدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں۔ لیکن منطقہ کو مدار زمین مان کر چھ برج ۴۰۔ ۴۰ درجے کے ہو جائیں گے۔ اور چھ صرف ۲۰ ـ ۲۰ کے رہیں گے۔" ص ۱۳۵۔

"تمام عقلائے عالم اور ہئیت جدیدہ کا اجماع ہے کہ مبادرت اعتدالین ایک بہت خفیف حرکت ہے کہ ایک سال کامل میں پورا ایک دقیقہ بھی نہیں ۲۔۵۰ ہے (نمبر ۳۲) پچیس ہزار آٹھ سو سترہ برس میں دورہ پورا ہوتا ہے (نمبر ۳۲) لیکن اگر زمین منطقہ پر دائر ہے تو واجب کہ دورہ ہر سال پورا ہو جایا کرے۔

تقاطع کا نقطہ ہر سہ ماہی میں تین برج طے کرلیا کرے۔ وہ حرکت کہ اکتہر برس میں
بھی ایک درجہ نہیں چل سکتی ہر روز ایک درجہ اڑے"۔ ص ۱۳۶۔

" تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ اس مدار پر دورہ
کرنے والا (شمس ہو یا زمین) سال بھر میں تمام بروج میں ہو آتا ہے۔ لیکن اگر
یہ مدار زمین کا ہے تو ایک برج کیا ایک درجہ کیا ایک دقیق چلنا محال"۔ ص ۱۳۷۔

" فوز مبین" میں الجبرا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ ص ۱۱۵ پر فرمایا
" جسے اصول علم الہیئاۃ نمبر ۳۲۲ میں قطر زمین کا ۹ء۳ کہا۔ اگرچہ ہمارے حساب
سے ۱ء۳ ہے"۔ یہاں مذکورہ کتاب کے دو متضاد بیانات پر مبنی دو۔ دو مساوات
حاصل کی گئیں جن سے حاصل شدہ نتائج ایک دوسرے بہت مختلف تھے۔

عملی تحسیب کے ذریعہ اعلیٰحضرت نے کئی مفید معلومات فراہم کی ہیں۔ اس عمل
میں جہاں ممکن ہوا لوگارثم کا استعمال کیا گیا ہے۔

صفحہ ۷۰ پر نیوٹن کے اس قول کی رد میں کہ "اگر زمین کو اتنا دبایا جائے کہ مسام
بالکل نہ رہتے تو اس کی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی" یہ تنبیہہ لطیف دی۔
اہل انصاف دیکھیں سردار ہیئات جدیدہ نیوٹن نے کیسی صریح خارج از عقل بات کہی۔
کرہ زمین اگر دب کر ایک انچ مکعب رہ جائے تو اولاً یہ سارا کرہ کہ کھربوں میل میں پھیلا
ہوا ہے صرف ایک لاکھ دس ہزار پانچ سو بانوے ذروں کا مجموعہ ہے ہر ذرہ بال کی نوک کے برابر۔
جب کرہ زمین ایک انچ ہوتا تو اس کا قطر سوا انچ ہوتا ..... جس میں بال کی نوک کے برابر ذرے
... ساٹھ سمجھئے، بس یہ کائنات قطر زمین کی ہوتی۔ ثانیاً جب قطر میں ساٹھ ہی ذرے
ہوئے .... تو سبب اس سمٹنے کے بعد پھیل کر حالت موجودہ پر آتی ہر ذرہ دوسرے سے
۱۳۲ میل کے فاصلے پر ہوتا اور زمین محسوس ہی نہ ہوسکتی"۔

صفحہ ۹۶ پر زمین اور آفتاب کی جسامت کے بارے میں فرمایا۔ "ہیئات جدیدہ
میں آفتاب ۱۳۰ ۱۲۳۵ زمینوں کے برابر بعض نے دس لاکھ بعض نے چودہ لاکھ دس

ہزار لکھا اور ہم نے مقررات جدیدہ پر بنائے اصل کروی حساب کیا تو ۱۳۱۳۲۲۵۶ زمینوں کے برابر آیا۔"

مد و جذر کے سلسلہ میں صفحہ ۱۰۳ پر حساب لگا کر یہ نتیجہ نکالا۔

"یعنی شمس اگر قمر کو اپنی طرف ایک میل کھینچتا ہے تو زمین اپنی طرف پانچ ہزار میل اور تقریر د پنجم شامل کیے سے تو جذب زمین کے مقابل جذب شمس گویا صفر محض رہ جائے گا اور زمین کا جذب المعارض ومزاحم کام فرمائے گا اور شک نہیں کہ یہ جذب ہزاروں برس سے جاری ہے اور وہ کیا ہے کہ قمر ابھی تک زمین پر گر نہ پڑا۔ اگر جاذبیت صحیح ہوتی ضرور کب کا گر چکا ہوتا۔ تو جاذبیت محض مہمل خیال ہے۔"

"فوز مبین" میں جدید ریاضی سے آہنگ تصورات بھی پائے جاتے ہیں۔ صفحہ ۱۴۲ پر دلیل ۸۰ کے تحت دس "مقدمات نافعہ" بیان فرمائے، ان میں سے چند یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

(۱) دو شئی میں اضافی، متقابل، متضاد نسبتیں کہ شئی واحد میں دوسری کے لحاظ سے باعتبار واحد جمع نہ ہوسکیں دو قسمیں ہیں۔

اوّل اعتباری محض، جس کے لیے کوئی منشا واقع میں متعین نہیں لحاظ و اعتبار سے تعین ہوتا ہے تو ہر شئی اسی دوسرے کے اعتبار سے ان دونوں ضدوں سے متصف ہوسکتی ہے۔

دوم واقعی جس کے لیے نفس الامر میں منشاء متعین، یہاں دو شئے میں ایک کے لیے ایک ضد متعین ہوگی۔ دوسری کے لیے دوسری۔ ہم کسی دوسرے لحاظ سے ان میں تبدیلی نہیں کرسکتے کہ ان کا منشاء ہمارے لحاظ کا تابع نہیں۔ جیسے تقدم و تاخر زمانی۔

(۲) ان واقعات میں شئی واحد کو دو کے لحاظ سے دونوں ضدیں عارض ہو

سکتی ہیں ۔ یہ تغیر نسبت نہ ہوا، بلکہ تغیر نسبتین مگر ایک ہی شئ کے لحاظ سے ممکن نہیں کہ تغیر نسبت ہے ۔

(۳) ان واقعی نسبتوں میں بعض وہ ہیں کہ شئ کو بالعرض بھی عارض ہوتی ہے۔ اگرچہ بالعرض میں بنظر ذات ایک ہی شئ کے اعتبار سے دونوں ضدوں کی قابلیت ہوتی ہے مگر یہ اس میں بھی محال ہے کہ وقت واحد میں دو اعتبار مختلف سے دونوں ضدیں مان سکیں ورنہ نسبت اعتباریہ . . .

(۴) فوق وتحت ان ہی نسبت واقعیہ سے ہیں . . .

(۵) جب یہ نسبت واقعیہ ہے تو اس کے لیے نفس الامر میں ضرور کوئی منشاء متعین ہے جو کسی کے لحاظ واعتبار کا لح نہیں۔

(۶) نسبت متقابلہ واقعیہ میں کبھی دونوں جانب تحدید یعنی حد بندی ہوتی ہے۔ کبھی صرف ایک تحدید ہوتی ہے۔ دوسری جانب اس کے مقابلے پر غیر محدود مرسل رہتی ہے، جیسے کسی شئ سے اتصال وانفصال ۔ اتصال محدود ہے اس میں کمی وبیشی کی راہ محدود مگر انفصال کے لیے کوئی حد نہیں۔ جتنا بھی فاصلہ ہوگا انفصال ہی رہے گا۔ ہاں نسبت اعتباریہ میں کسی طرف تحدید ضروری نہیں کہ وہ تابع اعتبار ہیں فوق وتحت نسبت واقعیہ سے ہیں تو ضرور ان میں تو ایک جانب تحدید ضرور ہے ورنہ اعتبار محض رہ جائیں گے۔

ان مقدمات میں جدید real analysis کے کچھ تصورات کی آسانی سے شناخت کی جا سکتی ہے مثلاً direction, partial ordering, binary relation, limit, linear ordering

صفحہ ۱۴۵ پر مسئلہ بیان کیا "دونا منتہی کہ ایک مبدأ سے شروع ہوں اور امتداد ہیں کم وبیش نہیں ہو سکتے۔ ورنہ جو کم رہا متناہی ہو گیا"

Countable Sets لامتناہی ہوتے ہیں ان کے عناصر کی تعداد مساوی ہونے کا تصور

مبہم ہے لیکن ان میں (۱ــ۱) مطابقت ہوسکتی ہے۔

فوز مبین میں نظریہ احتمال اور شماریات کی جھلک بھی نظر آئی ہے۔

مقدمہ میں نمبر ۵ میں نظریہ احتمال کی وضاحت اس طرح فرمائی۔

" واقعیات کا کام فرضیات سے نہیں چلتا۔ مدعی کا مطلب "شاید" اور "ممکن" سے نہیں نکلتا۔ یہ لوگ طریقہ استدلال سے محض نابلد ہیں۔ اگر کوئی شئے مشاہدہ یا دلیل سے ثابت ہو اور اس کے لیے ایک سبب متعین مگر اس میں کچھ اشکال ہے جو چند طریقوں سے دفع ہوسکتا ہے اور ان میں کوئی طریقہ معلوم الوقوع نہیں وہاں احتمال کی گنجائش ہے۔" ص ۳۵۔

شماریات میں association کا تصور بہت اہمیّت رکھتا ہے اگر دو متغیّرات میں association موجود ہے تو اس حقیقت سے ایک متغیر کو دوسرے کا سبب قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی امر کا اظہار صفحہ ۵۷ پر اس طرح کیا:۔

"دوران یعنی وجود و عدم میں دو شئے کی معیت ایک کے لیے دوسری کی علیّت پر دلیل نہیں۔"

اس مختصر جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ امام احمد رضا خان نے علوم ریاضی کو زمین کی حرکت رد کرنے میں کس موثر طریقہ سے استعمال کیا، اور یہ وہی کرسکتا ہے جسے ان علوم پر عبور حاصل ہو۔ فوز مبین کا مطالعہ اہل علم کو دعوت فکر دیتا ہے اعلیٰحضرت کا یہ عظیم علمی اور سائنسی کارنامہ ہمارے ماہرین سائنس اور ریاضی کی توجہ چاہتا ہے یقیناً انہیں اس میں تحقیق کے لیے کئی موضوعات ملیں گے۔

اعلحضرت اور علماء دیوبند

از سید صابر حسین شاہ بخاری (ہزارہ)

بلا شبہ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ چودھویں صدی کے وہ رجل رشید ہیں جن پر دنیائے اسلام کو بھرپور اعتماد اور کامل فخر و ناز تھا۔ آپ کی حق گوئی، بے باکی، احیائے سنت اور اماتتہ بدعت ایسی گراں قدر خدمات ہیں جو ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی جامعیت اور پہلو دار شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہر رضویات مسعود ملت پروفیسر محمد مسعود احمد فرماتے ہیں۔

"امام احمد رضا قدس سرہٗ کی شخصیت پہلو دار شخصیت ہے۔ ایسی پہلو دار شخصیت انیسویں اور بیسویں صدی میں نظر نہیں آتی۔ وہ مفسرین کے لئے بھی قائد۔ وہ محدثین کے لئے بھی قائد۔ وہ فقہا کے لئے بھی قائد۔ وہ علماء کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ سیاستدانوں کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ معاشیین کے لئے بھی قائد ہیں وہ محققین کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ ادیبوں کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ شعراء کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ مزدوروں کے لئے بھی قائد ہیں۔ وہ غریبوں کے لئے بھی قائد ہیں۔ ان کی قیادت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے۔ ان کی شخصیت ہر شعبہ زندگی پر چھائی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہر شعبہ زندگی اور ہر مسلکِ فکر سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں دانشوروں نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عظمت کو تسلیم کیا ہے [۱]

پیش نظر مقالے میں چند تاثرات و خیالات علماء دیوبند بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کر رہے ہیں جن سے ہر منصف مزاج، حق شناس پر اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی حقانیت و صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ دیوبندی حضرات کی خدمت میں درد مندانہ اپیل ہے کہ دل سے حسد و بغض جلتے انگاروں کو تعصب و تنگ نظری کی بلاء کو ذہن سے نکال کر اپنے اکابرین کے قلمی کارناموں کا مطالعہ بنظرِ انصاف کریں اور عظیم شخصیت کو بدنام کرنے سے باز رہیں۔

مولانا محمد اشرف علی تھانوی

۱۔ مولانا غلام یزدانی صاحب (فاضل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور انڈیا) خطیب جامع مسجد گوندل منڈی اٹک نے راقم کو مولانا اشرف علی تھانوی کا واقعہ سنایا تھا کہ حضرت کی محفل میں کسی آدمی نے بر سبیل تذکرہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کا نام بغیر مولانا صرف احمد رضا خان کہا تو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے اسے خوب ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ وہ عالم ہیں اگرچہ اختلاف رائے ہے۔ تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو۔ یہ کس طرح جائز ہے۔ ان کی توہین اور بے ادبی کیونکر جائز ہے۔" ۲؎

(۲) حضرت والا (تھانوی صاحب) کا مذاق باوجود احتیاط فی المسلک کے اس قدر وسیع اور حسن ظن لیے ہوتے ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی (قدس سرہٗ) . . . . . کے بھی برا بھلا کہنے والوں کے جواب میں دیر دیر تک حمایت فرمایا کرتے تھے۔ اور شدّ و مدّ کے ساتھ ردّ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے ان کی مخالفت کا سبب واقعی حبِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہو اور وہ غلط فہمی سے ہم لوگوں کو نعوذ باللہ گستاخ سمجھتے ہوں" ۳؎

(۳) "حضرت مولانا احمد رضا خان مرحوم و مغفور کے وصال کی اطلاع حضرت تھانوی کو ملی تو حضرت نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر فرمایا:

فاضل بریلوی نے ہمارے بعض بزرگوں یا ناچیز کے بارے میں جو فتوے دیئے ہیں وہ حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبے سے مغلوب و مجبور ہو کر دیتے ہیں۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ عنداللہ معذور اور مرحوم و مغفور ہوں گے۔ میں اختلاف کی وجہ سے خدانخواستہ اُن کے متعلق تعذیب کی بدگمانی نہیں کرتا" ۴؎

(۴) مولانا تھانوی نے فرمایا:

میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔

(چٹان لاہور ۲۳ اپریل ۱۹۶۲) ۵؎

مولانا مفتی محمد حسن صاحب

محمد بہاء الحق قاسمی عرض کرتا ہے کہ میرے شفیق استاد مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ

اعظم حضرت تھانوی نے بار بار مجھ سے فرمایا کہ حضرت تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقع ملتا تو میں پڑھ لیتا۔[۶]

مولانا مفتی محمد شفیع

مولانا کوثر نیازی فرماتے ہیں "ایک واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا، فرمایا: جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آکر اس کی اطلاع کی، مولانا نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے جب وہ دعا کر چکے تو حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں، فرمایا (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہینِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے۔ اگر یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔[۷]

مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی

اس میں کلام نہیں کہ مولانا احمد رضا خان کا علم بہت وسیع تھا۔

(ہفت روزہ "ہجوم"، نئی دہلی امام احمد رضا نمبر ۳ دسمبر ۱۹۸۸ء س ۱، ک ۴)[۸]

مولانا محمد ادریس کاندھلوی

مولانا کوثر نیازی فرماتے ہیں "میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلوی فرمایا کرتے "مولوی صاحب!" (اور یہ مولوی صاحب ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب ہو جائے گی" اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ احمد رضا خان! تمہیں ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اتنی محبت تھی کہ

استنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگا دیا، جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کر دی'' ۹؎

مولانا اعزاز علی دیوبندی

''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے ہم دیوبندی ہیں اور بریلوی علم و عقائد سے ہمیں کوئی تعلق نہیں مگر اس کے باوجود بھی یہ احقر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس دور کے اندر اگر کوئی محقق اور عالم دین ہے تو وہ احمد رضا خان بریلوی ہے کیونکہ میں نے مولانا احمد رضا خان کو جسے ہم آج تک کافر بدعتی اور مشرک کہتے رہے ہیں بہت وسیع النظر اور بلند خیال علو ہمت عالم دین صاحب فکر و نظر پایا ہے۔ آپ کے دلائل قرآن و سنت سے متصادم نہیں بلکہ ہم آہنگ ہیں لہٰذا میں آپ کو مشورہ دوں گا اگر آپ کو کسی مشکل مسئلہ میں کسی قسم کی الجھن درپیش ہو تو آپ بریلی میں جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی سے تحقیق کریں''

(رسالہ النور تھانہ بھون ص ۴۰ شوال الکرم ۱۳۴۲ھ) ۱۰؎

مولانا شبیر احمد عثمانی

''مولانا احمد رضا خان کو تکفیر کے جرم میں برا کہنا بہت ہی برا ہے کیونکہ وہ بہت بڑے عالم دین اور بلند پایہ محقق تھے۔ مولانا احمد رضا خان کی رحلت عالم اسلام کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔''

(رسالہ ہادی دیوبند ص ۲۰ ذوالحجہ ۱۳۶۹ھ) ۱۱؎

مولانا محمد انور شاہ کشمیری

''جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر کتب احادیث کی شروح لکھ رہا تھا تو حسب ضرورت احادیث کی جزئیات دیکھنے کی ضرورت درپیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات و اہل حدیث

حضرات و دیوبندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہوگیا کہ میں اب بخوبی احادیث کی شروح بلا جھجک لکھ سکتا ہوں تو واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ عالم مولانا احمد رضا خاں صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خاں صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔

(رسالہ دیوبند ص ۲۱ جمادی الاول ۱۳۳۰ھ) ۱۲؎

لیاقت پور ضلع رحیم یار خان میں مقیم مولانا قاضی اللہ بخش صاحب فرماتے ہیں کہ:
"جب میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو ایک موقع پر حاضر و ناظر کی نفی میں مولوی انور شاہ کشمیری صاحب نے تقریر فرمائی۔ کسی نے کہا کہ مولانا احمد رضا خان تو کہتے ہیں کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں، مولوی انور شاہ کشمیری نے ان سے نہایت سنجیدگی کے ساتھ فرمایا کہ پہلے احمد رضا تو بنو پھر یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا۔ ۱۳؎

مولانا سید سلیمان ندوی

"اس احقر نے جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہلِ بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں۔ مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہلِ بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں۔ جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں جس قدر مولانا بریلوی کی تحریروں کے اندر ہے۔"

(ماہنامہ ندوہ اگست ۱۹۱۳ء ص ۱۷) ۱۴؎

مولانا محمد شبلی نعمانی

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجرہ اس قدر بلند درجہ کا ہے۔ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خاں صاحب کے سامنے کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس احقر نے بھی آپ کی متعدد کتابیں دیکھی ہیں جن میں احکام شریعت اور دیگر کتابیں بھی دیکھی ہیں۔ اور نیز یہ کہ مولانا صاحب کی زیر سرپرستی ایک ماہوار رسالہ الرضا بریلی سے نکلتا ہے جس کی چند قسطیں بغور خوض دیکھی ہیں جس میں بلند پایہ مضامین شائع ہوتے ہیں"

(رسالہ الندوہ اکتوبر ۱۹۱۴ء ص ۱۷)[15]

مولانا مرتضیٰ احسن دربھنگی

"اگر خان صاحب (اعلیٰ حضرت) کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے، جیسے علمائے اسلام نے جب مرزا صاحب کے عقائد کفریہ معلوم کر لئے اور وہ قطعی ثابت ہو گئے تو اب علمائے اسلام پر مرزا صاحب اور مرزائیوں کو کافر مرتد کہنا فرض ہو گیا، اگر وہ مرزا اور مرزائیوں کو کافر نہ کہیں خواہ وہ لاہوری ہوں یا قدنی (قادیانی) وغیرہ تو وہ خود کافر ہو جائیں گے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے"[16]

مولانا ابوالکلام آزاد

"مولانا احمد رضا خان ایک سچے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گزرے ہیں۔ میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو"

(تحقیقات از مفتی شریف الحق امجدی مکتبہ الحبیب مسجد اعظم الہ آباد)[17]

شاہ معین الدین ندوی

"مولانا احمد رضا خان مرحوم صاحب علم و نظر علماء مصنفین میں تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ و حدیث پر ان کی نظر وسیع و گہری تھی۔ مولانا نے جس دقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، قرآنی استحضار، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کے عالمانہ، محققانہ فتاویٰ مخالف و موافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔" [۱۸]

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر ۱۹۴۹ء)

جناب غلام رسول مہر

"احتیاط کے باوجود نعت کو کمال تک پہنچانا واقعی اعلیٰ حضرت کا کمال ہے۔"

(۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۲۱۱) [۱۹]

مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری

تحریک ختم نبوت کے دوران قاسم باغ قلعہ کہنہ ملتان میں ایک جلسۂ عام سے امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے خطاب کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

"بھائی بات یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب قادری کا دماغ عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معطر تھا اور اس قدر غیور آدمی تھے کہ ذرہ برابر بھی توہینِ الوہیت و رسالت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ پس جب انہوں نے ہمارے علماء دیوبند کی کتابیں دیکھیں تو ان کی نگاہ علماء دیوبند کی بعض ایسی عبارات پر پڑی کہ جن سے انہیں توہینِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بو آئی۔ اب انہوں نے محض عشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنا پر ہمارے ان دیوبندی علماء کو کافر کہہ دیا اور وہ یقیناً اس میں حق بجانب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں

ہوں۔ آپ بھی سب مل کر کہیں "مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ"، سامعین سے کئی مرتبہ "رحمۃ اللہ علیہ کے دعائیہ کلمات کہلوائے" [۲۰]

مولانا حسین علی واں بھچروی

مولانا محمد منظور نعمانی روایت کرتے ہیں کہ حضرت مولانا حسین علی واں بھچروی، استاد مولوی غلام اللہ خان، راولپنڈی) نے اپنے خاص پنجابی انداز میں (مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بارے میں) فرمایا کہ:

"معلوم ہوتا ہے، یہ بریلی والا پڑھا لکھا تھا، علم والا تھا" [۲۱]

محمد بہاء الحق قاسمی

"ماضی قریب کے مشاہیر میں سے جناب مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اگرچہ بعض افراد و اشخاص کی تکفیر کے باب میں نزاکتِ احساسات یا شدت جذبات کی وجہ سے فقہی معیار کا توازن قائم نہیں رکھ سکے تاہم آپ بھی اصولی حیثیت سے معیار تکفیر کے تعین میں فقہاء امت کے ہمنوا تھے" [۲۲]

مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری

۱۳۰۳ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسہ میں علماء سہارنپور، لاہور، کانپور، جون پور، رام پور، بدایوں کی موجودگی میں محدث سورتی کی خواہش پر اعلیٰ حضرت نے علم الحدیث پر متواتر تین گھنٹوں تک پُر مغز و مدلل کلام فرمایا۔ جلسہ میں موجود علماء کرام نے ان کی تقریر کو استعجاب کے ساتھ سُنا اور کافی تحسین کی۔

مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا احمد علی سہارنپوری نے تقریر ختم ہونے پر بیساختہ اٹھ کر اعلیٰ حضرت کی دست بوسی کی اور فرمایا "اگر اس وقت والد ماجد ہوتے تو وہ آپ کے شجر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہیں اس کا حق بھی تھا، محدث سورتی اور مولانا محمد علی

مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اس کی تائید فرمائی۔
(مقالہ از مولانا محمود احمد قادری مصنف تذکرہ علماء اہل سنت ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور ۱۹۸۸ء) ص ۲۳

حکیم عبد الحیٔ رائے بریلوی

ولادت ۲ شنبہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ بریلی، اپنے والد سے علم حاصل کیا اور ان کے ساتھ ایک مدت تک استفادہ کرتے رہے حتی کہ علم فقہ میں مہارت حاصل کرلی اور بہت سے فنون بالخصوص فقہ و اصول میں اپنے ہم عصروں پر فائق ہو گئے، تحصیل علم سے ۱۲۸۶ھ میں فارغ ہوئے۔
(ترجمہ ص ۳۸ جلد ثامن نزہۃ الخواطر مطبوعہ دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد ۱۹۲۰ء) ص ۲۴

مولانا عبد الباقی صاحب

صوبہ بلوچستان کے مشہور دیوبندی عالم مولانا عبد الباقی صاحب، پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے نام ایک مکتوب میں یوں اعتراف کرتے ہیں۔
واقعی اعلیٰ حضرت مفتی صاحب قبلہ اسی منصب کے مالک ہیں مگر بعض حاسدوں نے آپ کا صحیح حلیہ اور علمی تبحر طاق نسیاں میں رکھ کر آپ کے بارے میں غلیظ اوہام پھیلا دیا ہے، جس کو ناآشنا قسم کے لوگ سن کر صید وحشی کی طرح متنفر ہو جاتے ہیں اور ایک مجاہد عالم دین مجدد وقت ہستی کے بارے میں گستاخیاں کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ علمیت میں وہ ایسے بزرگوں کے عشر عشیر بھی نہیں ہوں گے ۲۵

مولانا ابوالحسن علی ندوی

مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے مدح و مذمت پر مشتمل بہت سے جملے لکھے ہیں، یہاں انہی عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جن میں فاضل بریلوی کی فضیلت و برتری کا اعتراف کیا گیا ہے۔

چودہ برس کی عمر میں تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے اور ۱۲۸۶ھ ہی میں اپنے والد کے ساتھ سفرِ حج کیا۔ پھر ۱۲۹۵ھ میں دوسرا سفر کیا جس میں سید احمد زینی دحلان شافعی مکی، شیخ عبدالرحمن سراج مفتی حنفیہ مکہ مکرمہ، شیخ حسین بن صالح جمل اللیل سے سند حدیث حاصل کی۔ اس کے بعد ہندوستان واپس ہوئے اور ایک مدت تک تصنیف و تدریس کا کام انجام دیا۔ اور متعدد بار حرمین شریفین کا سفر کیا۔ علماء حجاز سے بعض فقہی و کلامی مسائل میں مذاکرہ و تبادلہ خیالات کیا۔ حرمین کے اثناء قیام میں انہوں نے بعض رسائل لکھے اور علماء حرمین کے پاس آئے ہوئے سوالات کے جوابات دیئے۔ وہ حضرات آپ کے منورعلم، فقہی متون و اختلافی مسائل پر دقتِ نظر و وسعت نظر معلومات، سرعتِ تحریر اور ذکاوت طبع سے حیران رہ گئے۔ پھر وہ ہندوستان واپس ہوکر رونق مسند افتاء ہوئے اور اپنے مخالفوں کے جواب میں بہت سا کام کیا۔ انہیں سید آلِ رسول مارہروی سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ وہ حرمت سجدۂ تعظیمی کے قائل تھے اس موضوع پر انہوں نے ایک کتاب بنام "الزبدۃ الزکیہ لتحریم سجود التحیہ" تصنیف کی۔ یہ کتاب اپنی جامعیت کے ساتھ ان کے منورعلم اور قوتِ استدلال پر دال ہے۔ وہ نہایت کثیر المطالعہ، وسیع المعلومات اور عالم تھے۔ رواں دواں قلم کے مالک اور تصنیف و تالیف میں جامع فکر کے حامل تھے۔ ان کی تالیفات و رسائل کی تعداد بعض سوانح نگاروں کی روایت کے مطابق پانچ سو ہے جن میں سب سے بڑی کتاب فتاویٰ رضویہ کئی جلدوں میں ہے فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر معلومات کی حیثیت سے اس زمانہ میں ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان کے فتاویٰ اور کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۳ھ مکہ مکرمہ) اس پر شاہد عادل ہیں، علوم ریاضی، ہیئت، نجوم، توقیت، رمل، جفر میں انہیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ اکثر علوم کے حامل تھے۔" (نزہتہ الخواطر جلد ثامن ص ۴۱ مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۷۰ء) [۲۶]

مولانا ماہر القادری

"مولانا احمد رضا خان بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے، دینی علم و فضل کے ساتھ شعلہ

بیاں شاعر بھی تھے ۔ اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہِ سخن سے ہٹ کر صرف نعتِ رسول (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) کو اپنے افکار کا موضوع بنایا، مولانا احمد رضا خان کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خان بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے ۔ مولانا احمد رضا خان صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع

وہ سوتے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر اچھے شعر کہتا ہے۔" (ماہنامہ فاران کراچی ۔ستمبر ۱۹۷۳ء ص ۴۴، ۴۵)[۲۷]

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے قرآن پاک کا سلیس رواں ترجمہ کیا ہے ....

مولانا صاحب نے ترجمہ میں بڑی نازک احتیاط برتی ہے ....

مولانا صاحب کا ترجمہ خاصا اچھا ہے .... ترجمہ میں اردو زبان کا احترام پسندانہ اسلوب قائم ہے ۔" (ماہنامہ فاران کراچی ۔مارچ ۷۶ء)[۲۸]

مولانا محمد الیاس صاحب

محمد عارف رضوی ضیائی انکشاف فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"کراچی میں ایک عالمِ دین جن کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا فرمایا تھا کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحب فرماتے تھے کہ اگر کسی کو محبت رسول (علیہ التحیہ والتسلیم) سیکھنی ہو تو مولانا بریلوی سے سیکھے "[۲۹]

مولانا سیّد زکریا شاہ بنوری پشاوری

جناب تاج محمد مظہر صدیقی صاحب مجلس رضا کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں کہ:

پشاور میں ایک مجلس میں مولوی سید محمد یوسف شاہ بنوری دیوبندی (کراچی) کے والد

بزرگوار مولانا سید زکریا شاہ بنوری پشاوری نے فرمایا:

"اگر اللہ تعالیٰ ہندوستان میں احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی" [۳۰]

مولانا محمد شریف کشمیری

مدرسہ خیر المدارس ملتان کے صدر مدرس شیخ المعقولات محمد شریف کشمیری نے مفتی غلام سرور قادری ایم اے اسلامک لاء بہاولپور یونیورسٹی سے ایک علمی مباحثہ کے بعد ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تمہارے بریلویوں کے بس ایک عالم ہوئے ہیں اور وہ مولانا احمد رضا خان، ان جیسا عالم میں نے بریلویوں میں نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے، وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کی تحقیقات علماء کو دنگ کر دیتی ہیں" [۳۱]

مولانا عبد الماجد دریا آبادی

مولانا عبد الماجد دریا آبادی، اعلیٰ حضرت کے نامور خلیفہ حضرت شاہ عبد العلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہٗ (والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ) کی تبلیغی خدمات سے متاثر ہو کر اپنا فیصلہ سناتے ہیں:

"انصاف کی عدالت کا فیصلہ یہ ہے کہ بریلوی گروہ کے سارے افراد کو ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا سمجھنا زیادتی ہے، مولانا عبد العلیم میرٹھی مرحوم و مغفور نے اسی گروہ کے ایک فرد ہو کر بیش بہا تبلیغی خدمات انجام دیں" (ہفت روزہ صدق جدید لکھنؤ ۲۵ اپریل ۱۹۵۶ء) [۳۲]

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی

"حضرت مولانا احمد رضا خان مرحوم اس عہد کے چوٹی کے عالم تھے، جزئیات فقہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، قاموس الکتب اردو جو ڈاکٹر مولوی عبد الحق صاحب کی نگرانی میں مرتب کی گئی ہے۔ اس میں مولانا کی کتب کا ذکر کیا اور اس پر نوٹ بھی لکھے۔

ترجمۂ کلام مجید اور فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر چکا ہوں، مولانا کا نعتیہ کلام پُر اثر ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر سراج الحق پی ایچ ڈی تو مولانا کے کلام کے گرویدہ ہیں اور مولانا کو عاشق رسول سے خطاب کرتے ہیں،، (مقالات یوم رضا ج ۲ ص ۵، مطبوعہ لاہور) [۴۳]

مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا محمود الحسن

(۱) کتاب القول البدیع واشتراط المصر للتجمیع کے صفحہ ۲۴ پر مولانا احمد رضا خان صاحب کی تفصیلی تحریر ہے اور آخر میں درج ہے۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہٗ

جس کے نیچے درج ہے۔

الجواب صحیح
بندہ محمود عفی عنہٗ
مدرس اوّل مدرسہ دیوبند

الجواب صحیح
رشید احمد
محدث گنگوہی [۴۴]

(۲) مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاویٰ رشیدیہ میں اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ کے بعض فتاویٰ کئی مسئلوں میں بعینہٖ نقل کئے ہیں اور گنگوہی صاحب نے کئی فتاویٰ کی تصدیق بھی فرما دی ہے [۴۵]

مولانا فخر الدین مراد آبادی

"مولانا احمد رضا خان سے ہماری مخالفت اپنی جگہ تھی مگر ہمیں ان کی خدمت پر بڑا ناز ہے، غیر مسلموں سے ہم آج تک بڑے فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے تھے کہ دنیا بھر کے علوم اگر کسی ایک ذات میں جمع ہو سکتے ہیں تو وہ مسلمان ہی کی ذات ہو سکتی ہے۔ دیکھو مسلمانوں ہی میں مولوی احمد رضا خان کی ایسی شخصیت آج بھی موجود ہے جو دنیا بھر کے علوم میں یکساں مہارت رکھتی ہے ہائے افسوس کہ آج ان کے دم کے ساتھ ہمارا یہ فخر بھی رخصت ہو گیا،، [۴۶]

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

"وہ مولانا احمد رضا صاحب بریلوی، سرسید احمد خان اور ڈپٹی نذیر احمد کے ہمعصر تھے۔ وہ ایک زبردست صلاحیت کے مالک تھے۔ ان کی عبقریت کا لوہا پورے ملک نے مانا،،

(ماہنامہ برہان دہلی، اپریل ۱۹۷۴ء) [۴۷]

مولانا عبدالقادر رائیپوری

مولانا محمد شفیع نے کہا کہ یہ بریلوی بھی شیعہ ہی ہیں یونہی حنفیوں میں گھس گئے ہیں۔ فرمایا نہیں، غلط ہے۔ مولوی احمد رضا خان صاحب شیعہ کو بہت برا سمجھتے تھے اور قوالی کو بہت برا سمجھتے تھے، بانس بریلی میں ایک شیعہ تفضیلی تھے ان کے ساتھ مولوی احمد رضا خان صاحب کا ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا۔ [۴۸]

مولانا مفتی محمود

جمعیت علماء اسلام کے صدر مولانا فضل الرحمن صاحب کے والد ماجد مولانا مفتی محمود صاحب نے بریلوی مکتبہ فکر (اہلسنت) کی یوں حمایت کی۔

"میں اپنے عقیدت مندوں پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اگر انہوں نے بریلوی حضرات کے خلاف کوئی تقریر یا ہنگامہ کیا تو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں رہے گا اور میرے نزدیک ایسا کرنے والا نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا دشمن ہو گا۔ (روزنامہ آفتاب ملتان ۹ مارچ ۱۹۷۹ء ص ۱) [۴۹]

مولانا عبدالقدوس ہاشمی دیوبندی

سید الطاف علی بریلوی روایت کرتے ہیں کہ مولانا عبدالقدوس ہاشمی دیوبندی نے ایک دفعہ کہا:

"اردو زبان میں قرآن پاک کا سب سے بہتر ترجمہ مولانا احمد رضا خان کا ہے۔ جو لفظ انہوں نے ایک جگہ رکھ دیا ہے اس سے بہتر لفظ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا،، [۵۰]

حافظ بشیر احمد غازی آبادی

ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں، ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لئے آپ کی ایک نعت نقل کرتے ہیں:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے

باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے الخ

"بعد از بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح و بلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھئے کہ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمان کی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جاتے گا، بے شک جس کے لئے زمین و آسمان پیدا کئے گئے وہ خدا کا محبوب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا۔ جو شافع محشر ہے وہ یتیم عبداللہ، آمنہ کا لال، وہ ساقیٔ کوثر وہ خاتم الانبیاء اور خیر البشر وہ شہنشاہِ کونین وہ سرورِ کون و مکان، وہ تاجدارِ دو عالم جس کا سایہ نہ تھا اس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا، بے شک وہ خالق کا بندہ ہے اور خلق کا آقا ہے۔"

(ماہنامہ عرفات لاہور اپریل ۱۹۷۰ء ص ۳۰، ۳۱) ۴۱

بخوفِ طوالت صرف ان ہی تاثرات پر مقالہ ختم کیا جا رہا ہے ورنہ بعض علماء دیوبند نے تو مبسوط مقالات لکھے ہیں مثلاً" مولانا کوثر نیازی، مولانا وصی مظہر ندوی اور حکیم محمد سعید وغیرہم کی کتاب "امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں" غیر مطبوعہ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

ہم نے تو کہنا تھا، اغیار نے بھی کہہ دیا

عاشق شاہدی حضرت امام احمد رضا

۱؎ محمد مسعود احمد مدظلہ، پروفیسر: رہبر و راہنما مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۴
۲؎ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ۱۔ امام احمد رضا اور عالم اسلام مطبوعہ کراچی
۲۔ فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور

۲؎ مکتوب سید مہر حسین شاہ بخاری بنام راقم الحروف محررہ ۱۳ جنوری ۱۹۹۱ء
نوٹ: بالکل اس سے ملتا جلتا بیان مولانا قاری محمد طیب نے اپنے ایک مقالے
"علماء کی تذلیل کسی صورت میں جائز نہیں" صفحہ ۵ پر لکھا ہے۔

۳؎ محمد بہاء الحق قاسمی، مولانا: اسوۂ اکابر مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۴
۴؎ انیس احمد صدیقی حکیم، مولوی: مسلکِ اعتدال مطبوعہ کراچی ۱۳۹۹ھ ص ۸۷
۵؎ عبد الحکیم اختر شاہجہانپوری، مولانا: اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۱۱۰

۶؎ محمد بہاء الحق قاسمی، مولانا: اُسوۂ اکابر مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۱۵
۷؎ کوثر نیازی، مولانا: امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ ایک ہمہ جہت شخصیت
مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء ص ۱۸، ۱۹
۸؎ محمد مسعود احمد، پروفیسر: سرتاج الفقہاء مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۳

۹؎ کوثر نیازی، مولانا: امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ ایک ہمہ جہت شخصیت مطبوعہ کراچی
۱۹۹۱ء ص ۱۸
۱۰؎ خلیل اشرف اعظمی، خلیل العلماء: طمانچہ بجواب دھماکہ مطبوعہ ساہیوال ۱۹۷۷ء ص ۴۰

۱۱؎ خلیل اشرف اعظمی، خلیل العلماء: طمانچہ بجواب دھماکہ مطبوعہ ساہیوال ۱۹۷۷ء ص ۴۱
۱۲؎ ایضاً ــــــــــــ ص ۳۹ ، ۴۰
۱۳؎ محمد فیض احمد اویسی، مولانا: امام احمد رضا اور علم حدیث مطبوعہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۸۳

۱۴؎ خلیل اشرف اعظمی، خلیل العلماء: طمانچہ بجواب دھماکہ مطبوعہ ساہیوال ۱۹۷۷ء ص ۳۵
۱۵؎ ایضاً ــــــــــــ ص ۳۴

۱۶؎ مرتضیٰ حسن دربھنگی، مولانا: اشد العذاب علی المسیلمۃ الپنجاب مطبوعہ دیوبند سنہ ص ۱۱
۱۷؎ یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ کراچی ص ۹۶
۱۸؎ ایضاً ــــــــــــ ص ۱۲۸ ، ۱۲۹
۱۹؎ محمد عمر فاروق، حافظ: امام احمد رضا عظیم المرتبت عالم، جلیل القدر شاعر مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۳۹

۲۰؎ ماہنامہ جہاں رضا عرض رحیم یار خان "غزالی دوراں نمبر" ج ۱ شمارہ ۱۰ ۱۹۹۰ء ص ۲۴۵-۲۴۶
۲۱؎ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ۔ اگست و ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۳۷
۲۲؎ محمد بہاء الحق قاسمی، مولانا: اسوۂ اکابر مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۲۰

۲۲؎ محمد یٰسین اختر مصباحی، فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور
۲۳؎ محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ کراچی سنہ ص ۱۲۴

۲۴؎ ایضاً ــــــــــــ ص ۱۲۸
۲۵؎ محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں مطبوعہ لاہور سنہ ص

۲۶ـــہ محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ کراچی
ص ۱۲۹ / ۱۳۰

۲۷ـــہ محمد مسعود احمد، پروفیسر: عاشقِ رسول مطبوعہ لاہور ص ۱۱
۲۸ـــہ ابوداؤد محمد صادق، مولانا: پاسبان کنزالایمان مطبوعہ لاہور ص ۶۴
۲۹ـــہ محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۱۰

۳۰ـــہ محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترک موالات مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۱۰۰
۳۱ـــہ غلام سرور قادری، مفتی: الشاہ احمد رضا خان بریلوی مطبوعہ ساہیوال ص ۸۲
۳۲ـــہ سوئے منزل راولپنڈی اپریل ۱۹۸۲ء ص ۵۷

۳۳ـــہ محمد یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں مطبوعہ کراچی ص ۹۸
۳۴ـــہ شمس الدین احمد قریشی، قاضی: اتحادِ امت دیوبندی بریلوی کا اہم تقاضا،
مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۸۴ء ص ۴۱
۳۵ـــہ ملاحظہ ہو، مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتاویٰ رشیدیہ مطبوعہ کراچی

۳۶ـــہ کوکب نورانی اوکاڑوی، مولانا: سفید و سیاہ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء ص ۷۵
۳۷ـــہ یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات مطبوعہ ملتان
۱۹۸۵ء ص ۳۴

۳۸ـــہ محمد حسین انصاری، ڈاکٹر: حیاتِ طیبہ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۴ء ص ۲۳۲
۳۹ـــہ ماہنامہ الفرید ساہیوال رجب المرجب ۱۳۹۹ھ ص ۲۷
۴۰ـــہ محمد مرید احمد چشتی، مولانا: خیابانِ رضا مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۲۱
۴۱ـــہ نور محمد قادری سیّد، علامہ: اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر مطبوعہ لاہور ۱۴۰۱ھ ص ۳۷

شہزادۂ اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام

مولٰنا مفتی محمد حامد رضا خان قادری بریلوی

از: مولٰنا محمد جلال الدین قادری (گجرات)

امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادے مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام محمد ہے، جو تاریخی نام ہے۔ عرف حامد رضا اور حجۃ الاسلام اور امام الاولیاء القاب ہیں۔ والد ماجد امام احمد رضا سے درسیات کی تکمیل کی۔ علوم نافعہ، اصول، منقول و معقول سے فیض یاب ہوئے۔ یہاں تک کہ اکابر علماء نے آپ کی استعداد اور لیاقت کا اعتراف کیا ہے۔ اُنیس برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ عربی زبان و ادب پر بڑا عبور حاصل تھا۔ برس ہا برس دار العلوم منظر اسلام بریلی میں درس حدیث و تفسیر دیا۔ دار العلوم منظر اسلام کے مہتمم ہوئے۔ آپ کا درس بیضاوی، شرح عقائد نسفی، شرح چغمینی بہت مشہور تھا۔ تقریر ایسی فرماتے جو آسانی سے طلباء کے ذہن نشین ہو جاتی۔ فقہی مسائل حل کرنے اور فتاوٰی تحریر کرنے میں بھی بہت ملکہ حاصل تھا، بلکہ بعض علماء کو فقہ کی مشہور و معتبر اور متداول کتاب دُرِّ مختار کا بھی درس دیا کرتے تھے۔

حضرت مخدوم شاہ سید ابو الحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے بیعت و خلافت تھی۔ والد گرامی نے جمیع سلاسل کی خلافت و اجازت دی۔ علم و فضل میں اپنے والد ماجد کے آئینہ تھے۔ اسی حقیقت کو امام احمد رضا نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

اَنَا مِنۡ حَامِدُ حَامِدُ رِضَا مِنِّیۡ کے جلووں سے
بِحَمۡدِ اللّٰہِ رِضَا حَامِدُ اور حامد رضا تم ہو

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا کی سند برکۃ المصطفٰی فی الہند شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ تک بطریق ذیل ہے:

امام حجۃ الاسلام رضی اللہ عنہ عن السید السند
المولی الکریم مولانا الشاہ ابی الحسین احمد النوری
عن جدہ الکریم المولی الکریم مولانا السیّد اٰل الرسول
المارہروی عن عمہ العارف الکامل مولانا الشاہ السیّد
اٰل احمد المارہروی عن استاذہ الکریم مولانا السیّد
التقی النقی الشاہ اٰل محمّد المارہروی عن البارع
الکامل السیّد طفیل محمّد عن الاستاذ الکامل البارع
الاورع السیّد فخر الدین البلجرامی عن استاذہ
الشیخ الافخم عدیم العدیل فی عصرہ مولانا الشیخ
نور الحق عن ابیہ الکامل المحقق المحدث مولانا
الشیخ عبد الحق الدھلوی قدس اللہ اسرارھم[1]

دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی کا اجراء ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں ہوا۔ اس کی تقریب یوں ہوئی کہ مولوی غلام یٰسین خام سرائی دیوبندی نے اہل سُنّت کے رُوپ میں امام احمد رضا کی حمایت و تائید میں بریلی میں مصباح التہذیب کے نام سے مدرسہ قائم کیا۔ اس مدرسہ میں مولانا محمد ظفر الدین بہاری بطور طالب علم داخل ہوگئے اور امام احمد رضا کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے رہتے۔ انہی کے ذریعے یہ بات ظاہر ہوئی کہ مولوی غلام یٰسین درپردہ دیوبندی ہے۔ مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے امام احمد رضا کے برادر خورد مولانا حسن رضا اور خلفِ اکبر مولانا حجۃ الاسلام کو ہم خیال کر کے حضرت مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ بریلوی کو ان کی سیادت کے پیشِ نظر منتخب کیا کہ امام احمد رضا، سید ہونے کی وجہ سے ان کی بات نہ ٹالیں گے ــــــ حضرت حکیم موصوف نے سب کی طرف سے امام احمد رضا سے مدرسہ قائم کرنے کی درخواست پیش کی امام احمد رضا نے اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے معذرت کر دی۔ تب حکیم موصوف نے کہا کہ قیامت کے دن اگر پوچھا گیا کہ بریلی میں دیوبندیت کو کس نے فروغ دیا تو میں آپ کا نام لوں گا۔

---

[1] ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، مجریہ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۵،۶
مضمون مفتی محمد اعجاز ولی رضوی بریلوی

امام احمد رضا نے دریافت فرمایا، وہ کیونکر؟ حکیم موصوف نے فرمایا کہ آپ مدرسہ قائم نہیں کرتے اس لیے ــــــ امام احمد رضا نے فرمایا "میں اپنی تصنیفی مصروفیات کی بنا پر چندہ کی فراہمی اور انتظامی امور کی دیکھ بھال نہیں کر سکتا۔ حکیم موصوف نے فوراً عرض کیا، ہم لوگ مدرسہ قائم کرتے ہیں، آپ تائید فرمادیں ــــــ چنانچہ رحیم یار خاں کے مکان پر مولانا محمد ظفر الدین اور مولانا عبدالرشید عظیم آبادی دو طلبہ سے مدرسہ کا افتتاح ہوا۔ امام احمد رضا نے بخاری شریف کا درس دیا۔ منظرِ اسلام مدرسہ کا تاریخی نام (۱۳۲۲ھ) مولانا حسن رضا نے تجویز فرمایا اور مولانا حسن رضا پہلے مہتمم مقرر ہوئے[1] بعد ازاں امام احمد رضا مہتمم ہوئے۔ عالمِ اسلام کا یہ بے مثال عالم نہ صرف تدریس کے فرائض سر انجام دیتا، بلکہ یہاں کے طلبہ کو، جو پاک و ہند کے گوشے گوشے اور بیرونی ممالک سے آتے تھے، اپنی جیبِ خاص سے نوازتا، ان کے لیے خاص اہتمام فرماتا۔ عید کی تقاریب پر طلبہ کے نئے نئے کھانے پکواتا، جو ان کے مرغوب اور دل پسند ہوتے، انہیں کھلا کر مسرت محسوس کرتا تھا۔

منظرِ اسلام کی آمد و خرچ کی ایک ایک پائی کا حساب رکھا جاتا۔ کثرتِ کار کی وجہ سے امام احمد رضا کے لیے مدرسہ کا اہتمام جب مشکل ہو گیا تو اپنے خلفِ اکبر مولانا حامد رضا بریلوی کو مدرسہ کا مہتمم بنا دیا[2]

حجۃ الاسلام قدس سرہ کو علم و فضل اور ادب و تفقہ میں وہ ملکۂ تام حاصل تھا کہ بڑے بڑے علماء دیکھ کر عش عش کر اٹھتے تھے۔ فی البدیہہ عربی میں قصائد و نظم کی تدوین تو معمولی بات تھی۔ آپ کے عربی ادب پر مہارت کے چند واقعات مولانا مفتی محمد اعجاز ولی بریلوی شیخ الجامعہ جامعہ داتا گنج بخش، لاہور نے لکھے ہیں۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۳۴۲ھ (۱۹۲۴ء) میں حجازِ مقدس کے زیرِ دفاع حضرت سید حسین دباغ رحمۃ اللہ علیہ اُن مظالم کا ذکر کر رہے تھے جو اہلِ حرمین و مقابرِ مطہرہ پر کیے جا رہے تھے اور حضرت امام حجۃ الاسلام قدس سرہ ان کے ساتھ

---

[1] تذکرۂ علماء اہلِ سنت، مرتبہ مولانا محمود احمد قادری، کانپوری مطبوعہ خانقاہ قادریہ اشرفیہ اسلام آباد دبہار، ص ۱۱۰، ۱۱۱

[2] (۱) حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد۔ ص ۲۱۲

(ب) اُجالا، مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص ۲۷، ۳۱

برجستگی کے ساتھ عربی میں گفتگو فرمارہے تھے۔ چنانچہ خود حضرت سید حسین داغ نے فرمایا کہ "میں نے اکناف و اطراف ہند میں دورہ کیا، مگر ایسی تیز اور نفیس و سلیس عربی بولنے والا دوسرا نظر نہ آیا" اسی طرح ایک مرتبہ ترکی سے سید محمد مالکی تشریف لائے، گفتگوئیں ہوئیں، بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور یہی فرمایا کہ طول و عرض ہند میں ان جیسا کوئی عربی بولنے والا نہ ملا۔" [1]

مولانا سید ریاض الحسن نیر خطیب حیدر آباد (برادر حضرت سید محمد مرغوب اختر الحامدی) اپنے ایک مضمون میں آپ کے علم و فضل اور عربی زبان و بیان میں دسترس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حضور کا علمی فضل و کمال مہر منیر کی طرح درخشاں و تاباں ہے۔ مدینہ طیبہ میں شیخ عبدالقادر طرابلسی سے مباحثہ اور شلعی مجتہد سے گفتگو دو عظیم گواہ موجود ہیں۔ مجھ سے مولانا محمد اسلام صاحب سنبھلی زید مجدہم نے بیان فرمایا کہ حضرت صدر الافاضل اُستاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حضور جب اجمیر مقدس تشریف لے گئے، تو جناب مولانا معین الدین صاحب اجمیری نے زبانِ عربی میں حضرت سے کچھ سوالات کیے، جن کا حضور نے برجستہ عربی اشعار میں جواب دیا اور اس کے بعد حضرت صدر الافاضل جیسی شخصیت نے اعتراف فرمایا کہ عربی زبان کا ماہر میں نے حضرت جیسا کسی کو نہ دیکھا۔" [2]

حجۃ الاسلام عربی زبان پر ایسی دسترس رکھتے تھے کہ اپنے والد ماجد امام احمد رضا کی تصانیف جلیلہ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ (۱۳۲۳ھ)، کفل الفقیہ الفاہم (۱۳۲۴ھ) کی عربی زبان میں تمہیدات قلم برداشتہ لکھیں اور امام احمد رضا نے حرمین طیبین کے علمائے اسلام کے جلیل القدر علماء کو جو علمی سندات دیں، ان کو ترتیب دیا۔ ان پر مقدمہ لکھا۔ اس سلسلے میں دونوں [illegible] مولانا سید ریاض الحسن نیر خطیب حیدر آباد لکھتے ہیں:

---

[1] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ / ۲۰ رنومبر ۱۹۵۹ء، ص ۵

[2] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۶ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ۔ ص ۴

نوٹ: شیخ عبدالقادر طرابلسی سے عربی میں گفتگو مدینہ منورہ میں ہوئی، جبکہ آپ اپنے والد ماجد کے ہمراہ ۱۳۲۳ھ کو حج کے لیے حرمین طیبین میں حاضر ہوئے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الملفوظ، حصہ دوم، مطبوعہ کراچی، ص ۲۷

"اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رسائل مبارکہ الدولۃ المکیۃ اور کفل الفقیہ الفاہم کی تمہیدات بزبانِ عربی حضور نے قلم برداشتہ تحریر فرمائیں جو خود اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت پسند آئیں، ستائش فرمائی اور داخل رسائل فرمانے کا اذن دیا۔" [1]

مولانا محمد عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری لکھتے ہیں،

"مذکورہ بعض سندوں اور اجازتوں نیز علمائے حرمین کے چند مکتوبات کی نقول کو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے خلفِ اکبر یعنی حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۲ء) نے "الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ" کے تاریخی نام سے جمع کیا۔" [2]

تدریس اور تحریر کی طرح حجۃ الاسلام کی تقریر بھی ایسی مدلل اور موثر ہوتی کہ حاضرین پر رقت طاری ہوجاتی۔ مجمع پر عجیب کیفیت طاری ہوجاتی۔ کئی بدمذہب تائب ہوجاتے اور غیر مسلم دولتِ اسلام سے مالا مال ہوجاتے۔ عبدالاسلام مولانا عبدالسلام قادری، مولانا عبدالباقی بُرہان الحق اور دیگر اہلِ جبل پور (بھارت) کے پُرزور اصرار پر امام احمد رضا جبل پور جلوہ فرما ہوئے حجۃ الاسلام ہمراہ تھے۔ وہاں کے احباب نے اس موقع پر ایک عظیم الشان جلسہ کا اہتمام کیا۔ اس جلسہ میں پہلی مدلل اور جامع تقریر حضرت حجۃ الاسلام کی ہوئی۔ مجمع پر بہت اثر ہوا۔ دورانِ تقریر امام احمد رضا جلسہ گاہ میں تشریف فرما ہوئے اور آپ نے خلفِ اکبر کی تقریر سُنی، مسرت کا اظہار فرمایا۔ داد دی اور کلماتِ تحسین فرمائے۔ [3]

یہ امر ملحوظِ خاطر رہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے حضور تقریر کرنا ہر عالم کے بس کی بات نہیں۔ ان کے ہاں تو ایک ایک لفظ پر شرعی گرفت کا خوف رہتا تھا۔

---

[1] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ۔ ص ۴

[2] رسائل رضویہ، جلد دوم (تقدیم)، مطبوعہ مکتبہ حامدیہ، لاہور (۱۳۹۶ھ) ص ۵۴
نوٹ، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ ص ۳

[3] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ / ۲۰ر نومبر ۱۹۵۹ء ص ۳

حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے فرقِ باطلہ سے متعدد مناظرے کیے، جن میں بفضلہ تعالیٰ آپ نے ہمیشہ فتح پائی۔ لاہور کا فیصلہ کن مناظرہ آپ کا تاریخی مناظرہ تھا۔ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ/ ۱۹۳۴ء کو انجمن حزب الاحناف لاہور کی طرف سے مسجد وزیر خاں میں یہ فیصلہ کن مناظرہ ہونا قرار پایا۔ علماء دیوبند کی طرف سے مولوی اشرف علی تھانوی مناظر مقرر ہوئے اور اہل سنت کی طرف سے حجۃ الاسلام مناظر مقرر ہوئے۔ قرار پایا کہ حفظ الایمان، براہین قاطعہ اور تحذیر الناس کی متنازعہ فیہ عبارات پر فیصلہ کن گفتگو کی جائے۔

حجۃ الاسلام نے جو مکتوب مولوی اشرف علی تھانوی کو مناظرہ کی اطلاع کا لکھا، وہ یہ ہے:

"بخدمت وسیع المناقب جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی بداکم المولیٰ تعالیٰ

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ انجمن حزب الاحناف، لاہور کے جلسہ کے موقع پر وہابیہ نے مناظرہ کی آمادگی کے اعلان شائع کیے اور وقت پر مناظرہ ملتوی کرایا اور مولوی ابوالوفا شاہجہانپوری و مولوی منظور سنبھلی وغیرہ کے اتفاق سے میرا آپ کا مناظرہ طے اور قرار دیا کہ فریقین میں سے جو نہ آئے یا اپنا وکیل مجاز نہ بھیجے، اوس کی جماعت اوس سے قطع تعلق کر لے گی اور اس کو برسرِ غلطی و خطا تسلیم کرے گی۔ میں بفضل اللہ تعالیٰ اس مناظرہ کو قبول کرتا ہوں۔ تاریخ مناظرہ، یعنی چہار شنبہ ۱۵ ر شوال ۱۳۵۲ھ/ مطابق ۳۱ ر جنوری ۱۹۳۴ء کو باذنہٖ تعالیٰ خود لاہور میں موجود ہوں گا اور اگر وکیل کو اجازت دینا مناسب خیال کروں گا تو کسی شخص کو مجمع کے روبرو اپنی زبان سے وکیل بنادوں گا اور اپنا مجاز و ماذون کردوں گا۔ اس موقع پر آپ ضرور پہنچیں، انشاء المولیٰ تعالیٰ ہندوستان کی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہوجائے گا۔ گفتگو نہایت متانت سے کی جائے گی۔ اگر آپ کو خود مناظرہ کرنے میں کوئی عذر صحیح ہو اور شرعًا اس مناظرہ کفر و اسلام میں توکیل کی وجہ صحت رکھتے ہوں، تب بھی آپ تاریخ مذکورہ پر لاہور ضرور پہنچیں اور مجمع کے رُوبرو اپنی زبان سے اپنے کسی معتمد کو وکیل بنادیں اور اوس کو ماذون و مجاز اور اپنا قائم مقام تسلیم کرلیں یا ہم سے ہمارے معتمد اشخاص طلب کرکے اون کے سامنے وکالت نامہ پر دستخط کریں اور وکیل کو ماذونِ مطلق بنادیں۔ ہمارے نزدیک اس کے سوا توکیل کی کوئی اور اطمینان بخش

صورت نہیں۔ اگر آپ کے نزدیک مناظرہ کے لیے ثالث کی ضرورت ہو تو جن کو آپ اس کا اہل سمجھیں، اُن کے نام شائع کر دیں۔ اگر مجھے اون میں سے کسی پر اعتماد ہوا تو میں بھی اوس کے متعلق رائے دے دوں گا اور فریقین کا ایک ہی ثالث ہو جائے گا، ورنہ اپنی طرف سے ثالث نامزد کر دوں گا۔ اس طرح ثالثوں کی ایک جماعت باہم مل کر فیصلہ کرلے گی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ۔

۶ شوال المکرم ۱۳۵۲ھ — فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہٗ

۲۷ جنوری ۱۹۳۴ء — خادم سجادہ و گدائے آستانہ رضویہ، بریلی

یوم الاثنین

بصیغہ رجسٹری

وقت مقررہ پر حضرت حجۃ الاسلام کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء اہل سنت مسجد وزیر خاں پہنچ گئے۔ چند علماء کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

شیخ طریقت مولانا سید علی حسین کچھوچھوی

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

پیر سید صدر الدین، سجادہ نشین موسیٰ پاک، ملتان

فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف، کوٹلی لوہاراں

مولانا محمد شاہ، سیالکوٹی، وغیرہ

مگر مولوی اشرف علی دیوبندی نہ خود آئے اور نہ ہی اپنا وکیل بھیجا۔ کاش دیوبندی مناظر، میدانِ مناظرہ میں آجاتے اور اختلاف و نزاع کے رفع و خاتمہ کی کوئی صورت ہو جاتی۔ بہرحال حضرت حجۃ الاسلام کے مقابل اسے آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔[1]

اہل سنت کی اس عظیم الشان فتح پر مرکزی انجمن حزب الاحناف کی طرف سے حضرت حجۃ الاسلام کے اعزاز و اکرام میں ایک بہت بڑا جلسہ منعقد ہوا، جس میں آپ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت اور ہدیۂ تہنیت پیش کیا گیا۔ شعرائے نظمیں اور قصیدے پڑھے۔ فضا حجۃ الاسلام زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ ایسا نورانی اور پرشکوہ منظر اہلِ لاہور نے شاید ہی کبھی دیکھا ہوگا۔[2]

---

[1] [2] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۳

حضرت حجۃ الاسلام علم و فضل اور حسنِ سیرت کے ساتھ حُسنِ صورت کی دولت سے بھی سرفراز تھے۔ نہایت ہی حسین و جمیل اور وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی وجاہت، چہرہ کی رونق، نورانیت اور خداداد حُسن و جمال بھی ایسا تھا کہ جس سے اہلِ سنّت کی خود بخود تبلیغ ہوجاتی۔ آپ کے نورانی چہرہ کو دیکھ کر ہی لوگ خود رفتہ ہوکر پروانہ وار جمع ہوجاتے اور آپ کے سلسلہ میں داخل ہوجاتے۔

ایک مرتبہ کرت پور ضلع بجنور کے احباب نے ایک بہت بڑا جلسہ منعقد کیا، جس میں صرف حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کو دعوت دی۔ آپ کرت پور پہنچے تو وہاں کے احباب نے شاندار استقبال کیا اور آپ کے دیدار سے لطف اندوز ہوئے۔ اس مجمع میں ایک شخص آپ کی زیارت سے ایسا خود رفتہ ہوا کہ پروانہ وار ادھر جاتا، کبھی ادھر اور لوگوں سے آپ کے حُسن و جمال کی تعریف کرتا اور خوش ہوتا۔ اسی محویت کے عالم میں وہ بازار گیا اور کانگریسی ملّاؤں کے معتقدین سے کہنے لگا کہ "آج بریلی شریف سے اہلِ سنّت و جماعت کے ایک ایسے جلیل القدر عالم تشریف لائے ہیں کہ جن کے چہرۂ انور پر نُور برستا ہے۔ اگر تم میں بھی کوئی ایسا ہو تو دکھاؤ۔ تمہارے بہت سے بڑے بڑے علماء آئے، مگر ان میں سے ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا۔" [۱]

مولانا مفتی اعجاز ولی رضوی، بریلوی اپنے ایک مضمون میں آپ کے حُسن و جمال کے کمال کو یُوں بیان کرتے ہیں:

"آپ کے اخلاق و خصائل اور صورت و سیرت ایسی پاکیزہ تھی کہ کتنے ہی غیر مسلم محض جمالِ جہاں آرا کو دیکھ کر مشرف باسلام ہوگئے۔" [۲]

حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ وسیع اخلاق کے مالک، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ سب کے ساتھ نہایت شفقت و رأفت سے پیش آتے۔ علمِ دین حاصل کرنے والے طلبا، اہلِ حاجت اور فقرا پر خصوصی شفقت فرماتے۔ اپنے خدام اور عقیدت کیشوں کو خوب نوازتے۔ علمائے کرام بالخصوص صدر الشریعہ اور صدر الافاضل کا بہت احترام فرماتے۔ دین کی خدمت کا کوئی کام دیکھ کر اور اہلِ سنت کی کوئی انجمن، جماعت یا جمعیت قائم ہونے کا سُن کر بہت خوش ہوتے۔ اگر کوئی بیماری، مشکل یا مصیبت

---

[۱] ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ، ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۴

[۲] ایضاً، ص ۶

پیش آجاتی، تو اسے نہایت صبر و تحمل سے برداشت کرتے۔ دیکھنے والے لوگ اور علاج کرنے والے معالج آپ کے صبر و تحمل اور برداشت، سکون و اطمینان کو دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ جب شب برات آتی، تو ظہر سے لے کر شام تک سب سے معافی مانگتے۔ حتیٰ کہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی کہتے کہ اگر میری طرف سے کوئی بات ہوگئی ہو تو مجھے معاف کردو۔ آپ کے اخلاق سے بڑے بڑے علماء و مشائخ بھی متاثر ہوئے۔ امیرِ ملت حضرت سید جماعت علی شاہ علی پوری کو بھی آپ کے ساتھ بہت محبت تھی، چنانچہ ایک مرتبہ آپ کو وہ اپنے ساتھ علی پور سیداں بھی لے گئے تھے۔[1]

استقامت علی الشریعت اور للّٰہیت جیسی خوبیاں آپ کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں، ان کا اظہار اکثر موقعوں پر ہوتا رہتا تھا۔ آپ حالات کے ساتھ خود نہ بدلتے تھے، بلکہ حالات کو بدل دیتے تھے۔ دُنیوی وجاہت سے مرعوب ہونا آپ کے لیے اجنبی تھا۔ اس سلسلہ کا ایک واقعہ یوں ہے، جب نجدیوں نے مدینہ طیبہ پر بمباری کی تھی اور مقابر و مآثر کے انہدام کا سلسلہ شروع کیا تھا، اُس وقت لکھنؤ میں "خدام الحرمین" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی تھی، جس کے سربراہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء) علیہ الرحمہ تھے۔ اس وقت مسلمانوں میں بہت زیادہ ہیجان و اضطراب تھا۔ حرمین شریفین کی حفاظت و صیانت کے لیے ایک بڑا اجتماع لکھنؤ میں بُلایا گیا۔ اس میں بریلی سے جماعت رضائے مصطفےٰ کا علماء پر مشتمل بہت بڑا وفد زیرِ قیادت حضرت حجۃ الاسلام لکھنؤ پہنچا۔ وفد کے چند حضرات یہ تھے:

حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتیٔ اعظم محمد مصطفےٰ رضا، حضرت مولانا سید محمد میاں مارہروی، حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی دیگر علماء اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ، بریلی۔

مولانا عبدالباری نے لکھنؤ اپنے مالدار و رؤسا مریدین و معتقدین کے ہمراہ حضرت حجۃ الاسلام کے شاندار استقبال کا اہتمام کیا۔ جب حجۃ الاسلام ٹرین سے اُتر رہے تھے تو مولانا عبدالباری نے مصافحہ کی کوشش کی، مگر آپ نے ہاتھ روک لیا اور مصافحہ نہ کیا، بلکہ فرمایا:

"مصافحہ ہوگا، مگر پہلے وہ مسئلہ شرعی طریقہ سے طے ہوجانا چاہیئے جس کی وجہ سے آپ کی اور ہماری علیحدگی ہوئی ہے۔ مسئلہ طے ہونے تک آپ کے ہاں قیام

---

[1] ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۸

نہ کروں گا میرے ایک دوست یہاں پر ہیں، ان کے ہاں میرا قیام ہوگا۔"

یہ واقعہ ایک عظیم استقبال کے موقعہ پر ہوا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی ناکام واپس آگئے۔ اُن کے لیے یہ صورتِ حال انتہائی ناگوار تھی۔

اس واقعہ کا پس منظر یہ تھا کہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے دور میں مولانا عبدالباری ہندو لیڈر گاندھی سے بہت متاثر ہوئے۔ اسی دور میں ان سے کچھ ایسے کلمات و حرکات صادر ہوئے جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف تھے۔ امام احمد رضا نے انہیں توجہ دلائی کہ آپ ان کلمات سے توبہ کریں۔ دونوں حضرات کے درمیان مراسلت[1] جاری رہی، مگر معاملہ طے نہ ہوسکا۔ اس بنا پر علماء اہلِ سنّت اُن سے خوش نہ تھے۔ مولانا عبدالباری کی ناگواری دیکھ کر حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا عبدالقدیر بدایونی ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مولانا! آپ کو ناگوار نہ ہو، اس میں ناراضی کی کوئی بات نہیں۔ چونکہ امام احمد رضا کا شرعی فتویٰ آپ کے خلاف موجود ہے۔ آپ نے ان کے انتباہ کے باوجود اپنی غیر شرعی حرکات سے رجوع نہیں کیا۔ اس لیے حضرت حجۃ الاسلام نے اس شرعی ذمہ داری کی بنا پر محض دین کی خاطر ایسا کیا ہے۔ اگر انہیں دنیا رکھنی منظور ہوتی تو لکھنؤ میں آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھیوں کی کثرت کو دیکھ کر ضرور آپ سے مصافحہ فرمالیتے، مگر انہوں نے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کی، بلکہ شرعی فتویٰ کا احترام کیا اور حکمِ شرعی پر علانیہ عمل کرکے دکھایا ہے۔ حضرت صدر الافاضل کی اس تقریرِ پُرتاثیر کا مولانا عبدالباری پر گہرا اثر ہوا۔ انہوں نے اس سے متاثر ہوکر نہایت اخلاص سے توبہ نامہ تحریر فرمادیا۔

جب یہ "توبہ نامہ" حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتیٔ اعظم اور اُن کے رفقاء کے پاس پہنچا، تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کی آنکھوں میں مسرّت کے آنسو چھلکنے لگے۔ اُدھر مولانا عبدالباری نے فوراً کاروں کا اہتمام فرمایا اور حجۃ الاسلام، مفتیٔ اعظم اور ان کے رفقاء کو نہایت محبت و احترام کے ساتھ اپنے دارالعلوم میں لائے۔ اس موقعہ پر جب حضرت حجۃ الاسلام اور مولانا عبدالباری کا آپس میں مصافحہ و معانقہ ہوا تو وہ منظر نہایت

---

[1] مفتیٔ اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا بریلوی نے اس مراسلت کو "الطاری الداری لہفوات عبدالباری" کے نام سے تین حصوں میں جمع کیا اور جماعت رضائے مصطفٰے بریلی نے ۱۹۲۰ء میں اسے شائع کیا۔ فقیر قادری عفی عنہ

ہی پر کیف، ایمان افروز اور قابلِ دید تھا حضرت حجۃ الاسلام کی استقامت علی الشریعت، حضرت صدر الافاضل کی پُرخلوص مساعی اور مولانا عبدالباری کی للّٰہیت نے مل کر ایک عجیب نورانی سماں باندھ دیا۔ بعدازاں مولانا عبدالباری کے زیرِ اہتمام محفلِ میلاد ہوئی حضرت حجۃ الاسلام کے ہمراہ دارالعلوم منظرِ اسلام، بریلی کے طالب علم (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) مولانا محمد سردار احمد بھی تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا عبدالباری کی خدمت میں فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل پیش کی، جسے مولانا عبدالباری نے نہایت مسرت و احترام کے ساتھ قبول کیا۔ [۱]

فخر المدرسین حضرت مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ کا انہماک اور ذوق چونکہ تدریس میں تھا، اس لیے انہیں ابتداءً علماء دیوبند کی ان تصانیف کے مطالعہ کا وقت نہ ملا، جن کی توہین آمیز عبارات پر علماء حرمین شریفین نے ان پر فتویٰ کفر صادر فرمایا، اس لیے مولانا اجمیری ابتداءً علماء دیوبند کی تکفیر میں خاموش تھے، بلکہ جن علماء نے برصغیر میں ان عبارات کے قائل کو کافر کہا، اُن سے ان کے روابط نہ تھے۔ تکفیر کے قائل علماء سے یک گونہ اظہارِ ناراضی فرماتے۔ امام احمد رضا ان علماء میں تھے جن سے مولانا اجمیری بوجہ تکفیر ناراض تھے۔ ۱۳۳۷ھ / ۱۹۱۹ء میں حجۃ الاسلام غالباً اجمیر شریف میں تشریف فرما ہوئے، مسئلہ تکفیر پر مولانا اجمیری سے مراسلت ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا اجمیری مسئلہ تکفیر میں دیگر علماء حرمین و برصغیر کے ہم نوا ہوگئے۔ حجۃ الاسلام اور مولانا اجمیری کی مراسلت سے چند مکتوبات پیشِ خدمت ہیں۔ [۲]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

"جناب مولوی معین الدین صاحب - ماہو المسنون!

گرامی نامہ ملا۔ مجھے اگر آپ صاف صاف الفاظ میں یہ تحریر فرمادیں کہ "دیوبندی و گنگوہی وغیرہ النفار کے وہ کلمات جو حسام الحرمین میں اون کی کتابوں سے

---

[۱] (الف) ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، ۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۷

(ب) مکتوب مولانا تقدس علی بریلوی از پیر گوٹھ، بنام فقیہ قادری عفی عنہ، محررہ یکم صفر المظفر ۱۴۰۰ھ

[۲] مراسلت کے یہ مکتوبات حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں۔

بحوالہ صفحہ وسطر منقول ہوتے، فی الحقیقت کفریات ہیں اور ان پر جو احکام تکفیر حضرات علماء حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ شرفاً وتعظیماً نے نام بنام اون قائلین پر محقق فرمائے ہیں۔ اون سب کے دل سے تصدیق کرتا ہوں۔" تو میں اور میرے بعض ہم خیال اشخاص کے قلوب کی صفائی ممکن ہے۔ رہا مسئلہ اذان، وہ ایک فروعی مسئلہ ہے، میں اوس کے متعلق آپ پر یہ جبر نہیں کرتا کہ اوس کے متعلق ہماری حسب تحقیق آپ بھی معترف ہو جائیں۔ ہاں ذاتیات اعلیٰ حضرت قبلہ کی نسبت جناب کے کلمات ضرور قابلِ واپسی ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بعد فقیر کو آپ ہر طرح خادم خادمانِ احباب پائیں گے۔ فقط؛

الفقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ

۱۳ ربیع الآخر ۳۷ھ"

اس کے جواب میں مولانا معین الدین اجمیری نے یہ مکتوب لکھا:

باسمہ تعالیٰ شانہ،

" جناب مولوی صاحب اعلی اللہ درجتہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواباً عرض ہے کہ آپ اسلامی حسنِ ظن کو پیشِ نظر رکھ کر خانۂ فقیر پر تشریف لائیے۔ ملاقات کا موقع دیجیے، تو بہتر ہے، ورنہ آپ مختار ہیں۔ فقیر کو کسی قسم کا حق جبر حاصل نہیں۔ نہ کوئی دنیاوی مطلب محط نظر ہے۔ رہے عقائدِ دیوبندیہ، سو ان کا مجھ کو بالکل علم نہیں کہ کیا ہیں۔ وجہ یہ کہ ان کی کتابیں دیکھنے کا آج تک نہ موقع ملا، نہ اس کا شوق۔ نہ کتاب "حسام الحرمین" نظر سے گزری۔ البتہ حضرت خاتم الحکماء مولانا فضلِ حق خیر آبادی قدس سرہ نے مسئلہ کذب وامکانِ نظیر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں طائفۂ دیوبندیہ کی تضلیل وتفسیق کی ہے اور ان کو گروہ مزداریہ سے قرار دیا ہے۔ سو اس کا فقیر مصدق ہے اور اس بارہ میں جس قدر الزام حضرت خاتم الحکماء قدس سرہ نے ان پر وارد کیے ہیں، وہ سب بجا اور سراسر حق ہیں، و نیز اجلی انوار الرضا میں جو عقائد اہلِ دیوبند کے ظاہر کیے گئے ہیں، وہ عقائد کفریہ ہیں۔ اس میں فقیر کو کسی قسم کا تامل نہیں، بشرطیکہ وہ ان کے عقائد ہوں۔ بہرحال آپ کی

طرح فقیر بھی عقائدِ مسطورہ فی الرسالہ کو کفری تسلیم کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کو اس کا یقین ہے کہ یہ عقائد اہلِ دیوبند کے ہیں اور فقیر کو اسبابِ یقین اس وقت تک فراہم نہ ہوئے۔ اس معذوری کی بناء پر اگر ترکِ ملاقات کو آپ ترجیح دیں، تو یہ آپ کو اختیار ہے۔ فقیر اگر صحیح المزاج ہوتا، تو یہ دشواری بھی حائل نہ ہوتی۔ رہے ذاتیات، اُن سے بالکل بحث نہ کیجیے۔ ان کا قلع قمع بعد از ملاقات آپ کی مرضی کے موافق ہو جاوے گا۔ اس کا اطمینان رکھیے۔ والسلام، فقط؛

فقیر معین الدین کان اللہ لہٗ

۱۳؍ ربیع الثانی ۳۷ھ"

حجۃ الاسلام نے اس کے جواب میں لکھا؛

"جناب مولوی صاحب، وسع اللہ مناقبہٗ، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کل بعد نمازِ جمعہ آسکوں گا۔ مزید علم کے لیے بعض کتب مثل "حسام الحرمین" وغیرہ، صبح کسی کے ہاتھ بھیج دیں گے ــــــ تاکہ آپ اطمینان حاصل کرلیں۔ آپ کے علم میں شاید یہ بات نہیں کہ حضرت مولانا فضلِ حق صاحب خیرآبادی مرحوم ومغفور نے تو اپنے رسالہ تحقیق الفتوٰی لرد الطغوٰی ــــــ میں اس گروہِ ناحق پژوہ ــــــ کی تکفیر فرمائی ہے نہ فقط تضلیل و تفسیق۔ اور قصیدۂ مطبوعہ میں بھی غالباً تکفیر ہے۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ آپ اطمینان فرماکر اُن کے اقوال کے متعلق رائے ظاہر فرمائیں کہ پھر کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ ہو۔ فقط؛

الفقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ

۱۳؍ ربیع الآخر ۳۷ھ

مکتوب کے ہمراہ حجۃ الاسلام نے متعدد کتب علماءِ اہلِ دیوبند ارسال فرمائیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد مولانا معین الدین اجمیری نے یہ جواب لکھا؛

۷۸۶

جنابِ محترم مولٰنا زادمجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ "براہینِ قاطعہ" کے قولِ شیطانی کو (جس میں معاذ اللہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے علمِ اکمل کے مقابلہ میں اپنے شیخ شیخ نجدی یعنی شیطان کے علم کو وسیع کہا ہے) دیکھ کر فقیر کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ یہ کلمات قطعاً کلماتِ کفر ہیں اور ان کا قائل کافر۔ باقی ہفواتِ اہلِ دیوبند کو بعد صحت کے انشاء اللہ تعالیٰ دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ آپ اگر بعد جمعہ حسبِ وعدہ تشریف لے آئیں تو اس وقت اس کے متعلق بسط سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ والسلام خیر ختام۔ فقط!

فقیر معین الدین کان اللہ لہٗ

۱۴ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

حجۃ الاسلام کی پُرخلوص مساعی سے ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ / جنوری ۱۹۱۹ء میں جبکہ امام احمد رضا ابھی بقیدِ حیات تھے، مولانا معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ کا علماء دیوبند کی تکفیر کا تردد رفع ہوگیا۔

مقتدر عالم کی حیثیت سے حجۃ الاسلام نے برِصغیر میں مسلمانوں کے مذہبی وسیاسی، معاشرتی، معاشی اور عمرانی حقوق کے تحفظ کی خاطر اٹھنے والی تحاریک میں نمایاں حصہ لیا۔ آپ کی ملی خدمات کا تذکرہ اختصار سے کیا جاتا ہے:

۱۔ رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیت علماء ہند نے کانگرس کے اغراض ومقاصد کی اشاعت وتبلیغ کے لیے بریلی میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا اور تحریک خلافت اور تحریک ترکِ موالات کے مخالفین، امام احمد رضا کے ہم نوا علماء کو مناظرہ کی دعوت دی۔ ابوالکلام آزاد جمعیت علماء ہند کے جلسہ کے رُوحِ رواں تھے۔ علماء اہل سنّت کے وفد نے اپنا مؤقف واضح کیا اور دو قومی نظریہ کی وضاحت کی۔ کانگرس مسلمانوں کے مفاد کو بالائے طاق رکھ کر ہندوؤں کے غلبہ وتسلط اور سوراج یعنی ہندو راج کے لیے کوشاں ہے۔ اس وفد میں حجۃ الاسلام بھی شامل تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام کی تقریر کا ایک حصہ ملاحظہ ہو:

"حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالکِ اسلامیہ کی حفاظت وخدمت ہمارے

نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت و طاقت فرض ہے۔ اس میں ہمیں خلاف نہ ہے نہ تھا۔ اسی طرح سلطانِ اسلام و جماعتِ اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا۔ تمام کفّار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں، ہمیں خلاف آپ حضرات کی اون خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمام حجتِ تامہ آپ کو پہنچے ہوئے ہیں، اون کے جواب دیجیے۔ جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع نہ شائع کر دیں گے اور اون سے عہدِ برأت نہ بولیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اوس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالکِ اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔" [1]

۲۔ تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) میں کانگرس کے ہمنوا مسلمان لیڈروں نے مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ یہ اقدام مسلمانوں کی ملّی تباہی کا باعث تھا۔ ذی شعور علماء نے اس کرب ناک صورتِ حال میں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی کی اور مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کی حفاظت کی۔ ان اداروں میں علی گڑھ کالج (موجودہ مسلم یونیورسٹی) سرِ فہرست ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام نے ہندوؤں کی چیرہ دستیوں کے علاوہ خلافتی لیڈروں کی عدم بصیرت کو بڑے سوز سے محسوس کیا۔ آپ کے احساسات ملاحظہ ہوں:

"...... انگریزوں کے مقابلہ کا تو نام، مگر مخالفت علماء سے تھی۔ مسلمانوں کے کالجوں اور اسکولوں سے تھی۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے تھی...." [2]

---

[1] "رُوداد مناظرہ"، مرتبہ شعبۂ علمیہ جماعت رضائے بریلی، مطبوعہ نادری پریس بریلی، بار دوم، ص ۱۰

نوٹ: مناظرۂ بریلی کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو:

ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست ـــ مرتبہ محمد جلال الدین قادری، مطبوعہ مکتبہ رضویہ، لاہور

[2] خطبۂ صدارت آل انڈیا سنّی کانفرنس، مراد آباد (۱۹۲۵ء)، از حجۃ الاسلام، مطبوعہ بریلی، ص ۱۶

۴- تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کے ہیجانی دور میں بعض مسلمان لیڈروں نے ہندوؤں کو راضی کرنے کے لیے ذبیحۂ گاؤ کے خلاف مہم چلائی اور ترکوں کی اعانت کے نام سے جو چندہ وصول کیا گیا، اُس کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ بعض مصارف ایسے بھی تھے، جو بجائے اتحاد کے مسلمانوں میں انتشار کا باعث بنے۔ اس صورتِ حال کے خلاف حضرت حجۃ الاسلام نے آواز اُٹھائی۔ ایک ارشاد ملاحظہ ہو:

"خلافت کمیٹی کے عروج و اقبال کے زمانہ میں جب اتحاد اتنا ضروری سمجھا گیا کہ اس کے حدود وسیع کرنے کے لیے مذہب کی شہر پناہ کو منہدم کرنا گوارا خیال کیا گیا اور اس اتحاد کے لیے ہندوؤں کی طرف سے اس طرح ہاتھ بڑھایا گیا جس سے اپنے مذہبی امتیازات چھوڑنا پڑے "سورت" کے ایک پیر نے اپنے مریدوں سے ساٹھ ہزار گائیں چھین کر گئو رکھشا کی تھی۔ نام آور لیڈروں نے قشقے لگائے، گلال اُڑائے، ہولیاں کھیلیں، جے پکاری، ارتھی اُٹھائی، ہنود کے سرغنہ متعصبوں کو مسجدوں میں ممبروں پر بٹھایا، گائے کے گوشت کے خلاف کتابیں لکھیں، رسالے تصنیف کیے، ناکردہ گناہ مسلمانوں کو ہندوؤں کی خاطر مجرم قرار دیا۔ مولویوں پر اظہارِ نفرت کیا گیا۔ اعلاء کلمۃ اللہ یعنی کلمۂ اسلام پڑھانے کو جرم قرار دیا گیا، نو مسلمانوں کو ان کی مرضی کے خلاف دوبارہ کافر ہو جانے پر زور دیا۔ یہ اور اس سے زیادہ بہت کچھ ہوا . . . ." [1]

"میرے پاس جناب مولانا مولوی احمد مختار صاحب صدر جمعیۃ العلماء صوبہ بمبئی کا ایک خط آیا ہے جو انہوں نے مدراس کا دورہ فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے اس میں لکھتے ہیں کہ وہاں اس صوبہ میں اس قومی روپیہ سے، جو ترکوں کے دردناک حالات بیان کر کے وصول کیا گیا تھا، اب تک دو لاکھ "تقویۃ الایمان" چھاپ کر مفت تقسیم کر چکے ہیں۔ [2]

---

[1] خطبۂ صدارت آل انڈیا سُنی کانفرنس، مراد آباد ۱۹۲۵ء مطبوعہ بریلی، ص ۱۵

[2] ایضاً، ص ۲۲

کسی مخصوص غرض سے جمع شدہ سرمایہ کو اس مقصد سے متصادم مصرف پر خرچ کرنا دوہرا جرم ہے۔ ایمان سوز کتاب تقویۃ الایمان کی طباعت اور تقسیم خلافت فنڈ سے ایسا جرم عظیم ہے جس کی شاید ہی مثال ملے۔

۴۔ شعبان ۱۳۴۳ھ / مارچ ۱۹۲۵ء میں مسلمانوں کی مذہبی، علمی اور سیاسی ترقی کے لیے مقتدر علماء نے آل انڈیا سنی کانفرنس (جمعیت عالیہ مرکزیہ) کی بنیاد رکھی۔ کانفرنس کے بانی ارکین میں حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔ کانفرنس کے پہلے اور تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۰ تا ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ / ۱۶ تا ۱۹ مارچ ۱۹۲۵ء مرادآباد میں بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی، معاشرتی، عمرانی ——— غرض ہمہ وجہ ترقی کے واضح اور مکمل لائحہ عمل پر مبنی ہے۔ وقت گزرنے کے باوجود آج بھی وہ خطبہ واضح نشان راہ ہے۔[1]

۱۹۲۷ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر حضرت حجۃ الاسلام منتخب ہوئے[2]

۵۔ ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کے وسط میں مسجد شہید گنج، لاہور کے ظالمانہ انہدام کا سانحہ پیش آیا۔ سکھوں نے انگریز حکومت کی پشت پناہی میں مسلمانوں کی مقدس عبادت گاہ کو یکایک شہید کر دیا۔ مسجد کی واگزاری کے لیے اسلامیان برصغیر تڑپ اٹھے۔ شعار اسلام مسجد کی حفاظت و صیانت کے لیے مسلمانوں نے مالی، جانی قربانیاں پیش کیں۔ امیر ملت سید جماعت علی شاہ، علی پور سیداں، ضلع سیالکوٹ کی زیر قیادت جلسے منعقد ہوئے، جلوس نکلے حکام تک اپنے مطالبات پہنچائے گئے۔ تنظیمی دورے ہوئے۔ ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۵۴ھ / ۸ نومبر ۱۹۳۵ء بروز جمعہ کو دو لاکھ باحمیت مسلمانوں کا ایک پرامن جلوس شاہی مسجد، حضوری باغ لاہور سے باغ بیرون دہلی دروازہ پہنچا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں۔ اس جم غفیر اور نازک موقع پر چھوٹا سا بھی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔ شکار

---

[1] مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو،

خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مرتبہ محمد جلال الدین قادری، مطبوعہ گجرات ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء

[2] ماہنامہ السواد الاعظم، مرادآباد۔ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۷ء۔ ص ۱۲

جلوس علما رحضرات اور راہنمایان قوم، جو جلوس کی قیادت کر رہے تھے، میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا قدس سرہ کا اسم گرامی نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ [1]

شریعت وطریقت کے مجمع البحرین حضرت حجۃ الاسلام کی متعدد تصانیف آپ کے کمال علمی پر دال ہیں۔ چند تصانیف کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

۱۔ الصارم الربانی علی اسراف القادیانی (۱۳۱۵ھ) مرزا غلام احمد قادیانی کے ہذیانات کے خلاف اولین تصانیف میں سے ایک ہے۔ پہلی بار ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۸ء میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوئی۔ بعد ازاں لاہور اور بریلی سے متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ ردِ مرزائیت میں لاجواب ہے۔

۲۔ سلامت اللہ لاہل السنۃ من سیل العناد والفتنۃ۔

۳۔ سدالفرار (مسئلہ اذان پر لاجواب کتاب ہے)

۴۔ حاشیہ رسالہ ملا جلال (منطق کی مشہور کتاب پر حاشیہ، قلمی صورت میں ہے۔

۵۔ نعتیہ دیوان

۶۔ مجموعہ فتاویٰ [2]

۷۔ الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ

حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں علیہ الرحمۃ کا مجموعہ فتویٰ اگرچہ ناپید ہے مگر اس کے چند فتوے مختلف رسائل میں چھپے موجود ہیں، ذیل میں حضرت کا فتویٰ پیش کیا جا رہا ہے جو رسالہ "یادگار رضا" جلد اول ۱۳۴۵ھ میں سے حاصل کیا گیا ہے۔

فتویٰ

مسئلہ! کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند آدمیوں کا اکٹھے ہو کر با آواز بلند تلاوت قرآن کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور مسجد میں قرآن شریف یا ذکر نا با آواز بلند بعد جماعت اولیٰ کے حالانکہ اور نمازی اپنی نماز ادا کر رہے ہوں جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

---

[1] سیرت امیر ملت، مرتبہ مولانا سید اختر حسین، علی پوری، مطبوعہ ۱۳۹۴ھ، ص: ۴۶۲

[2] حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، مطبوعہ سیالکوٹ ۱۴۰۲ھ، ص ۲۱۲، ۲۱۲

الجواب : استماع قرآن مجید فرض کفایہ ہے۔ قال تعالیٰ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ۔ یہ آیۂ کریمہ اگرچہ دربارۂ نماز وارد ہے مگر اِذَا قُرِئَ عام ہے اور خصوص سبب کا لحاظ نہیں عموم لفظ کا اعتبار ہے اور انصات واجب بلکہ حسب تصریح امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ فرض ردالمحتار میں ہے قوله افتراض الانصات عبر بالافتراض تبعاً للهداية وعبر فی النهر بالوجوب قال ط وهو الاولیٰ لا نسا ترکه مکروه تحریماً جب سب مل کر بآواز بلند پڑھیں گے رفض فرض وترک واجب کے سبب مرتکب ہو کر گناہگار رہوں گے۔ تلاوت نہیں قرآن عظیم میں منازعت ہے کرنا جائز ہے۔ قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم مالی انازع القراٰن کذا فی المشکوٰۃ عالمگیری میں ہے۔ یکره للقوم ان یقرؤا القراٰن جملة لتضمنها ترك الاستماع والانصات المامور بهما کذا فی القنية ۔ یوہیں بلند آواز سے لوگوں کے اشتغال کے وقت بھی خواہ وہ کام دینی ہوں یا دنیوی تلاوت ممنوع ہے اور پڑھنے والا بوجہ اضاعت حرمت قرآن عظیم گناہگار ہو گا غنیہ ص۴۹۷ میں ہے فالاثم علی القاری لقرائته جهراً فی موضع اشتغال الناس باعمالهم والله تعالیٰ اعلم ۔

فِقہیات

وضو کا بیان

مسئلہ وضو میں جن اعضا کا دھونا فرض ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اس سارے عضو پر پانی بہتا ہوا جائے بہت لوگ یوں کرتے ہیں کہ لپ میں پانی لے کر منہ پر ایسا ڈالا کہ آنکھوں یا ابرو پر پڑا اب پانی تو بہہ کر نیچے کو آیا

وہ اپنا ہاتھ چڑھا کر ماتھے پر لے گئے اس میں ماتھا نہ دھلا بلکہ اس پر صرف بھیگا ہاتھ گیا اور وضو نہ ہوا یوں ہی بعض کے چہرے پر پانی بہتا ہے اور کنپٹیاں رہ جاتی ہیں جن پر وہ ہی تر ہاتھ پہنچتا ہے یوہیں ہاتھ کے دھونے میں کرتے ہیں کہ انگلیوں کے سرے سے کہنیوں کے ختم تک ساری جگہ پر پانی نہیں دوڑتا بلکہ کہیں تو پانی بہتا ہے باقی وہ ہاتھ پھیر لیتے ہیں اسی طرح پاؤں کا حال ہے ان تینوں عضووں میں سے جس بال بھر جگہ پر پانی نہ بہے گا۔ وضو نہ ہوگا۔ اور جب وضو نہ ہوا نماز نہ ہو گی لہٰذا منہ پر پانی یوں ڈالے کہ مانگ کے سرے سے پڑے اور سارے ماتھے اور کنپٹیوں اور گالوں پر بہتا ہوا ٹھوری کے ختم تک بہہ جائے تین بار یوہیں ہو۔ اسی طرح ہاتھوں کے دھونے میں پوروں کے سرے سے پانی کی دھار ڈالے کہ کہنی کے ختم تک اور پیروں میں انگلیوں کے سرے سے ٹخنوں کے اوپر تک بہہ جائے ایسا ہی تین بار کرے۔

مسئلہ : وضو میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنّت ہے مگر غسل میں یہ دونوں باتیں فرض ہیں۔ اگر ادا نہ ہوں تو غسل نہ اُترے کلی کے تو معنی ہیں کہ حلق تک سارے منہ میں پانی پہنچے۔ اسی لیے اگر دانتوں میں کوئی سخت چیز لگی ہو جو پانی جڑ میں نہ پہنچنے دے تو پہلے خلال کر کے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالنے کے یہ معنی ہیں کہ ناک کے بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے یعنی ہڈی کے شروع ہونے تک وہ ساری جگہ دھل جائے اور یہ یوہیں ہو سکے گا کہ چلو میں پانی لے کر سونگھے اور ناک میں چڑھائے کہ اس جگہ تک پہنچ جائے ورنہ وضو میں سنت ادا نہ ہو گی اور غسل تو بالکل نہ اترے گا۔ لوگ اس کا خیال نہیں کرتے یوہیں اوپر ہی اوپر پانی ڈال لیتے ہیں کہ ناک کے بانسے میں جتنی نرم جگہ ہے اس سب کو نہیں دھوتا۔ اور اسی واسطے یہ ضروری ہے کہ اگر ناک کے اندر کوئی کثافت آکر جم رہی ہو تو پہلے اُسے صاف کر لے اس کے بعد پانی ناک میں پہنچائے۔

مسئلہ: پوروں کے سرے سے کہنی تک تین بار پانی بہانا کافی ہے کہنی سے پوروں کی طرف نہ بہایا جائے۔

مسئلہ گردن کا مسح انگلیوں کی پشت سے کرے اصل بات یہ ہے کہ وضو میں چار چیزوں کا مسح کرنا سنت ہے۔

۱: سارے سر کا مسح، چوتھائی سر کا مسح تو فرض کہ چوتھائی سے کم پر بھیگا ہاتھ لگے گا تو وضو ہی نہ ہوگا اور جب وضو نہ ہوا نماز ہی نہ ہوگی مگر سارے سر کا مسح سنت ہے کہ نہ کیا تو نماز ہو جائے گی مگر بُرا کیا اور ترک کی عادت کرلے گا تو گناہگار ہوگا۔

۲: کانوں کے پیٹ کا مسح۔

۳: کانوں کی پیٹھ کا مسح۔

۴: آدھی گردن کا مسح۔

یعنی صرف پیٹھ کی جانب جو گردن کا حصہ ہے اسی پر ہاتھ پھیرے آگے کی جانب گلے پر نہ پھیرے کہ منع ہے جب یہ چار چیزیں معلوم ہولیں تو بہتر یہ ہے کہ ان چاروں پر ہاتھ کا جدا حصہ پہنچے ورنہ پھرا ہوا ہاتھ پھرے گا تو اس میں تری تو صرف ہو چکی ہوگی گویا سوکھا ہاتھ پھیرنا پڑے گا اس واسطے علماء نے یہ قاعدہ رکھا ہے کہ کلمہ کی انگلی اور انگوٹھا دونوں ہاتھ کے الگ کرکے باقی ہتھیلیاں اور تین انگلیاں سارے سر پر خوب اچھی طرح ہاتھ جما کر پھیرے جس میں سارے سر پر ہاتھ پہنچ جائے مانگ سے اخیر بالوں کی جڑ تک اور کلمہ کی دونوں انگلیوں کے پیٹ سے دونوں کانوں کے پیٹ کو مسح کرے اور انگوٹھوں کے پیٹ سے کانوں کی پیٹھ کو اب ہتھیلیوں اور پانچوں انگلیوں کے پیٹ کی تری صرف ہوگئی صرف انگلیوں کی پیٹھ پر رہی وہ گردن پر پھیرلے یہ بہتر قاعدہ ہے اور کسی نے اس کے خلاف بھی کیا تو وضو میں کچھ خلل نہیں۔ (نامکمل)

امام احمد رضا نے سلاسلِ طریقت اور روایاتِ علوم کی جو سندات عالمِ اسلام کے علماء کو ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۶ء کے حج کے موقع پر عطا فرمائیں۔ آپ کے خلفِ اکبر حجۃ الاسلام نے ان کو جمع فرمایا اور اس پر تقدیم لکھی۔

۸۔ الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مصنفہ امام احمد رضا کا اُردو ترجمہ کیا۔ مذکورہ لاجواب تصنیف کو مکہ معظمہ میں امام احمد رضا نے بحالتِ بخار ۲۶ اور ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ دو نشستوں میں صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں تصنیف فرمایا۔ اس کی املا حضرت حجۃ الاسلام نے کی، جو اس موقعہ پر مکۂ معظمہ موجود تھے۔ [1]

کتاب مذکور کی حجۃ الاسلام نے وہیں کئی نقلیں تیار کیں تاکہ علماء حرمین شریفین کو اس پر تقریظ لکھنے میں سہولت ہو۔ [2]

۹۔ الدولۃ المکیۃ کے حاشیہ الفیوضات الملکیۃ کا کامیاب اُردو ترجمہ کیا۔ [3]

۱۰۔ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم (۱۳۲۴ھ) مصنفہ امام احمد رضا کا دیباچہ حجۃ الاسلام نے لکھا اور اس کتاب کا کامیاب اُردو ترجمہ کیا۔

علاوہ ازیں ماہنامہ یادگارِ رضا، بریلی آپ کی سرپرستی میں شائع ہوا رہا۔ اس مؤقر جریدہ کے مدیر مولانا محمد ابرار حسین صدیقی تھے۔ [4]

آپ اُردو، فارسی اور عربی کے بہترین شاعر ہیں۔ نعت گوئی آپ کو ورثہ میں ملی۔ آپ کی کہی ہوئی نعتیں اُردو ادب کا شاہکار ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

نغمۂ توحید

دل میرا گدگداتی رہی آرزو — آنکھ پھیر پھیر کے کرتی رہی جستجو
عرش تا فرش ڈھونڈ آیا میں تجھ کو — نکلا اقرب زحبل ورید گلو

اللہ اللہ اللہ اللہ

---

[1] ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ (مضمون مولانا مفتی اعجاز ولی بریلوی)، مجریہ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ ص ۵

[2] ایضاً،

[3] حیات مولانا احمد رضا بریلوی، ص ۸۷

[4] ایضاً، ۸۰

طائرانِ چمن کی مہک وحدہٗ　　نغمہ بُلبُل کا ہے لاشریک لہٗ
قمریوں کا ترانہ ہے لاغیرہٗ　　زمزمہ طوطی کا ھُو ہٗ ھُو ہٗ

اللہ اللہ اللہ اللہ

رہ کے پردوں میں تو جلوہ آرا ہوا　　بس کے آنکھوں میں آنکھوں سے پردہ کیا
آنکھ کا پردہ، پردہ ہوا آنکھ کا　　بند آنکھیں ہوئیں، تو نظر آیا تو

اللہ، اللہ، اللہ، اللہ

میں نے مانا کہ حامد گنہ گار ہے　　معصیت کیش ہے اور خطا کار ہے
میرے مولا مگر تُو تو غفار ہے　　کہتی رحمت ہے مجرم سے لاتقنطوا

اللہ اللہ، اللہ، اللہ[۱]

نغمۂ رسالت

ہیں عرشِ بریں پر جلوہ فگن، محبوبِ خدا سُبحان اللہ
اک بار ہوا دیدار جسے سو بار کہا سُبحان اللہ

حیران ہوئے برق اور نظر، اک آن ہے اور برسوں کا سفر
راکب نے کہا اللہ غنی، مرکب نے کہا سُبحان اللہ

طالب کا پتہ مطلوب کو ہے مطلوب ہے طالب سے واقف
پردے میں بُلاکر مل بھی لیے پردہ بھی رہا سُبحان اللہ

ہے عبد کہاں معبود کہاں، معراج کی شب ہے رازِ نہاں
دو نور حجابِ نور میں تھے، خود رب نے کہا سُبحان اللہ

سمجھے حامد انسان ہی کیا، یہ راز ہیں حسن و اُلفت کے
خالق نے حبیبی کہنا تھا، خلقت نے کہا سُبحان اللہ[۲]

---

[۱] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ/ ۲۰ر نومبر ۱۹۵۹ء ص ۱
[۲] ایضاً، ص ۳

گاندھی گردی کے زمانہ میں (غالباً ۲۴-۱۹۲۳ء کا ذکر ہے) انجمن حزب الاحناف لاہور کے زیر اہتمام ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا، جس میں برصغیر کے مقتدر علماء و مشائخ کی تقاریر ہوئیں۔ ان دنوں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ مبڈل کا امتحان پاس کر کے لاہور میں گیارھویں جماعت کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ اسی اجلاس میں حضرت شیخ الحدیث علما کی تقاریر سننے تشریف لے گئے۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ تقریر فرما رہے تھے۔ اتنے میں تار آیا کہ بریلی سے حضرت حجۃ الاسلام فلاں گاڑی سے تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت صدر الافاضل نے تار سے مطلع ہو کر دوران تقریر کئی القاب کے ساتھ حضرت حجۃ الاسلام کا تعارف کرایا۔ تعارف کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ صاحب الدلائل القاہرہ ذی التصانیف الباہرہ امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی قدس سرہ کے شہزادے حامی سنت ماحی بدعت، رہبر شریعت، فیض درجت مفتی انام مرجع الخواص والعوام حجۃ الاسلام حضرت مولانا الشاہ حامد رضا خاں صاحب تشریف لا رہے ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث نے حضرت صدر الافاضل کی زبانی حجۃ الاسلام (قدس سرہما) کے متعلق اتنے القاب و مناقب سنے، تو آپ کو خیال آیا کہ یہ بیان کرنے والے اتنے بڑے فاضل و علامہ ہونے کے باوجود جن کی اتنی تعریف فرما رہے ہیں، وہ کتنے بڑے عالم و بزرگ ہوں گے۔ یہ خیال آنے کے بعد آپ کا عزم بالجزم ہو گیا کہ اب حضرت حجۃ الاسلام کی زیارت کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ منتظمین جلسہ نے سٹیج بہت بڑا اور اونچا بنایا ہوا تھا، چنانچہ حجۃ الاسلام تشریف لائے۔ اسٹیج پر جلوہ گر ہوئے اور اپنے مواعظ حسنہ سے مستفیض فرمایا۔

نماز عصر کے قریب اس تاریخی جلسہ کا اختتام ہوا۔ ہجوم بہت زیادہ تھا اور قابو سے باہر تھا۔ منتظمین نے بڑی مشکل سے کنٹرول کیا اور عوام کو دونوں طرف کھڑا کر کے راستہ بنایا۔ چونکہ اسٹیج سے دور ہونے کے باعث لوگ اچھی طرح دیدار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے زیارت کے منتظر تھے۔ حضرت حجۃ الاسلام دو رویہ قطاروں کے درمیان سے تشریف لائے، سب نے جی بھر کر زیارت کی اور باری باری مصافحہ کیا۔ قطار میں حضرت شیخ الحدیث بھی کھڑے تھے۔ جب حجۃ الاسلام آپ کے قریب تشریف لائے تو آپ نے بھی چہرۂ انور کی زیارت کی اور

دست بوسی فرمائی۔ بس اس ایک زیارت کا آپ پر ایسا اثر ہوا کہ اس تجلیٔ دیدار کی برکت نے آپ کے دل کی دُنیا بدل کر رکھ دی۔ گیارہویں جماعت کے "سٹوڈنٹ" کے دل میں فی الفور اسلامی جذبہ اور علمِ دین حاصل کرنے کا ذوق پیدا ہوا ــــــــــ اب اس بزرگ (حجۃ الاسلام) کے ساتھ جا کر اور بریلی شریف میں ان کی خدمت میں رہ کر علمِ دین حاصل کرنا چاہیے۔ دل میں یہ ذوق و شوق راسخ ہو جانے کے بعد کسی سے تذکرہ کیے بغیر آپ (حضرت شیخ الحدیث، حضرت حجۃ الاسلام کے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ حضرت کا قیام حضرت شاہ محمد غوث قدس سرہ کے آستانہ عالیہ پر تھا۔ آپ حضرت کے پاس حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ بریلی شریف جانے اور علمِ دین حاصل کرنے کی تمنا کا اظہار کیا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے بڑا کرم فرمایا اور بہ کمالِ شفقت آپ نے اس مبارک تمنا کو پورا فرما دیا۔ دو دن کے قیام کے بعد حضرت حجۃ الاسلام آپ کو بریلی شریف ساتھ لے گئے اور اپنے زیرِ سایہ رکھ کر آپ کی تربیت فرمائی۔ منیۃ المصلی، قدوری تک کتابیں پڑھائیں۔ پھر اجمیر شریف میں تحصیلِ علوم کے بعد اپنے مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی میں آپ کو مدرس رکھا اور جمیع مرویات اور سلاسلِ طریقت کی اجازت و خلافت سے نوازا۔

دورانِ تربیت اور بعد ازاں حضرت حجۃ الاسلام اور حضرت مفتیٔ اعظم حضرت شیخ الحدیث پر خاص شفقت و کرم فرماتے۔ ان حضرات کی شفقت کے باعث بہت سے حضرات حضرتِ شیخ الحدیث کو خاندانِ رضویہ کا ہی ایک فرد تصور کرتے۔ بہر حال حضرتِ شیخ الحدیث قدس سرہٗ ظاہری و باطنی، علمی و عملی تربیت کی برکت سے نائبِ اعلیٰ حضرت بنے۔ [۱]

امام احمد رضا نے اپنے خلفِ اکبر حضرت حجۃ الاسلام کو ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۱۵ء بروز جمعرات، اپنے شیخِ طریقت سید آلِ الرسول احمدی مارہروی قدس سرہ کے یومِ عرس کو تمام سلاسلِ طریقت، تمام علوم، سارے اذکار و اشغال، اوراد و اعمال اور جمیع مرویات مشائخِ کرام کی اجازتِ مطلق تام عطا فرمائی اور اسی روز انہیں اپنا سجادہ نشین و خلیفہ مقرر فرمایا۔ سندِ سجادگی عطا فرمائی۔ [۲]

---

[۱] ہفت روزہ "رضائے مصطفیٰ"، گوجرانوالہ، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۴

[۲] سندِ سجادگی مولانا محمد مرید احمد چشتی، جہلم کے توسط سے مولانا تقدس علی بریلوی سے دستیاب ہوئی۔

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ نے اپنے تلمیذ و مسترشد حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ کو ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۵۱ھ / ۲۲ اگست ۱۹۳۲ء کو، جب کہ آپ جے پور (بھارت) میں جلوہ افروز تھے، تمام اوفاق، اعمال، اذکار، اشغال، سلاسلِ طریقت، جمیع علومِ نقلیہ و احادیثِ طیبہ، تمام ادعیہ بالخصوص حزبِ یمانی، حزب البحر، حزبِ اعظم، دعاءِ الشیخ، دعاءِ امیرین، دعاءِ مغنی، قرشیہ اور جمیع مرویات مشائخ کی اجازتِ تام مطلق عطا فرمائی۔ [1]

حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ کا شمار اولیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ سے کرامات کا ظہور بھی ہوا۔ اس سلسلہ میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں:

مولانا سید ریاض الحسن نیر خطیب حیدر آباد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ میری آنکھوں کے سامنے وہ منظر پھر رہا ہے۔ جب حضور (حجۃ الاسلام) ۱۳۶۱ھ میں ہم غلاموں کی استدعا پر دوسری مرتبہ جودھ پور رونق افروز ہوئے۔ غریب کدہ پر مشتاقانِ دید کا ہجوم تھا۔ طالبانِ بیعت ہو رہے تھے۔ مردوں کے بعد عورتوں کا نمبر تھا۔ بالاخانے کے دو حصے تھے۔ جن کے درمیان فقط ایک دروازہ تھا۔ ایک حصہ میں حضور جلوہ فرما تھے۔ میں اور میرے برادرِ عزیز سید محمد مرغوب اختر الحامدی سلمہٗ اور عزیزانِ حافظ ظہور احمد سلمہٗ و حافظ عبد الحکیم سلمہٗ وغیرہم حاضرِ خدمت تھے۔ دوسری طرف عورتوں کی نشست کا انتظام تھا۔ بیعت کے لیے ایک دستار دروازہ سے گزار کر دروازہ بند کر دیا تھا جس کا ایک سرا حضور کے دستِ مبارک میں تھا اور دوسرا طالبات کے ہاتھوں میں۔ حضور نے بیعت فرمانا شروع کیا اور الفاظِ بیعت زبان فیض ترجمان سے ادا ہوئے۔ دفعتاً جلال بھرے الفاظ میں ارشاد فرمایا:

"مؤدب بیٹھو، جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔"

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا لیکن اللہ رے جلال کہ استفسار کی جرأت نہ ہو سکی قلب میں ایک عجیب قسم کا اضطراب تھا۔ آخر دوسری سمت جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا۔ محلے کی ایک عورت، جو بیعت ہونے والیوں کے زمرے میں تھی اور جسے دو زانو بیٹھنے کی ہدایت کر دی گئی تھی، چار زانو ہو کر بیٹھ گئی اور اس کے اس طرز سے بیٹھتے ہی معاً حضور نے وہ الفاظِ گرامی استعمال

---

[1] سند مذکور حضرت مولانا قاضی محمد فضلِ رسول، فیصل آباد سے دستیاب ہوئی۔

فرمائے۔ سچ ہے کہ اللہ والوں سے کوئی حجاب میں نہیں ہوتا۔ [۱]

مولانا موصوف ہی ایک اور چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ اسی زمانہ میں (۱۳۶۱ھ) حضور نے اس سگِ بارگاہ سے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میری تسبیح (مبارکہ) کا ڈورا کمزور ہو چکا ہے، اسے بدلوا دیا جائے۔ میں نے "جی حضور" کہہ کر تسبیح لے لی، لیکن رعب و جلال کے باعث تفصیل دریافت نہ کر سکا۔ بازار جا کر ایک دوکاندار کو تسبیح دکھائی اور کہا کہ جیسی یہ ہے ویسی ہی اسے بنا دو۔ پھندنے کے لیے اس نے زرد رنگ تجویز کیا، لیکن میں نے کہہ دیا کہ نہیں۔ سبز رنگ کا ہی پھندنا لگاؤ جیسا کہ اس سے پہلے لگا ہوا ہے۔ غرض تسبیح تیار ہو گئی اور میں لے کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ بہت ستائش فرمائی اور مسکرا کر فرمایا "زرد رنگ بہتر تھا کہ صوفیانہ تھا"

اللہ اکبر! کہاں بازار کی بات چیت اور کہاں حضور کا اپنے مقام پر تشریف رکھتے ہوئے مشاہدہ۔ [۲]

امام احمد رضا قدس سرہ نے وصالِ اقدس سے ایک ہفتہ پہلے جو لوگ بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ ان سے ارشاد فرماتے:

"حامد رضا کا ہاتھ میرا ہاتھ اور اُن کی بیعت میری بیعت اور اُن کا مُرید میرا مُرید ہے۔" [۳]

بدر الطریقت والشریعت، ماہتاب علم و فضل حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہ نے ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ / ۲۴ مئی ۱۹۴۳ء پونے گیارہ بجے شب عین حالتِ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہتے ہوئے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

---

[۱] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ۔ ص ۴

نوٹ: عورتوں کو بیعت لینے کا شرعی طریقہ یہی ہے کہ وہ پردہ میں بیٹھیں۔ غیر محرم مردوں سے پردہ کرنا عورتوں پر فرض ہے۔ غیر محرم خواہ شیخ یا استاد ہی کیوں نہ ہو۔ امام احمد رضا اور ان کے متوسلین کا یہ اندازِ تربیت ہے کہ وہ اپنی مرید عورتوں کو بھی پردہ کی تاکید فرماتے۔ شریعتِ مطہرہ کی ایسی پاسداری علماء اہل سنت کی امتیازی شان ہے۔ فقیر قادری

[۲] ایضاً، ص ۴

[۳] ہفت روزہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۸ھ (مضمون مولانا سید ریاض الحسن نیر ؒ)

وصال سے ایک سال قبل ہی اپنی وفات کی خبریں دینا شروع کردی تھیں اور انہیں اخبار میں آپ نے صاف صاف بتادیا تھا کہ وقتِ وصال کیفیتِ وصال کا مشاہدہ یوں ہوگا کہ زبان ذکرِ صلوٰۃ وسلام میں مصروف ہوگی اور رُوح قرب و وصال کے چھلکتے ہوئے کیف و سُرور کے جام پی رہی ہوگی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

حضورِ روضہ ہُوا جو حاضر، تو اپنی سج دھج یہ ہوگی حامد
خمیدہ سر، بند آنکھ، لب پہ میرے دُرود و سلام ہوگا

وقتِ وصال آپ نے تیمم کیا، نماز کا تحریمہ باندھا، بُلند آواز سے اللہ اکبر کہا اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ جب دیر ہوئی، لوگوں نے ہاتھ ہٹانا چاہے۔ بہ قوت ہاتھ روک لیا، یہاں تک کہ نماز تشہد تک پڑھی اور جب رُوح نے پرواز فرمائی، تو بعینہٖ یہی حال تھا:

"خمیدہ سر، بند آنکھ اور لب پر صلوٰۃ وسلام" [۱]

جب آپ کا جنازہ اٹھایا گیا تو ایک حشر برپا تھا اور بے پناہ ہجوم تھا، لوگ جنازہ کو کاندھا دینے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔ ایک بہت بڑی گراؤنڈ میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ آپ کی وصیت کے مطابق نماز جنازہ کی امامت کے فرائض آپ کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الحدیث نے سر انجام دیئے۔ [۲]

ظاہری زندگی میں جس طرح آپ کی نورانی صورت سے تبلیغ حق ہوتی تھی، اسی طرح آپ کے جنازہ مبارکہ سے بھی تبلیغ ہوئی۔ ایک ہسپتال کی نرس آپ کا جنازہ دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئی اور کئی مذبذب قسم کے لوگ یہ نورانی سماں دیکھ کر صحیح العقیدہ سُنّی بن گئے۔ [۳]

اولاد میں چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے تھے۔ ایک صاحبزادے مولانا حامد رضا عرف نعمانی میاں رحلت فرما گئے تھے اور دوسرے صاحبزادے مولانا محمد ابراہیم رضا عرف جیلانی میاں آپ کے بعد دارالعلوم منظرِ اسلام کے مہتمم بنے۔

---

[۱] ایضاً، (مضمون مولانا مفتی اعجاز ولی رضوی بریلوی) ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ، ص ۵

[۲] ہفت روزہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ۔ ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ، ص ۸ [۳] ایضاً: ص ۱

پاک و ہند میں آپ کے مُریدین لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ آپ کے خلفاء و تلامذہ کی بھی ایک بڑی جماعت موجود تھی۔ چند مشاہیر تلامذہ و خلفاء کے اسماء گرامی یہ ہیں:

— حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سردار احمد مہتمم جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی و لائل پور
— حضرت شیخ القرآن مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی مہتمم جامعہ نظامیہ غوثیہ، وزیر آباد
— حضرت مخدوم اہل سنت حضرت مولانا محمد ابراہیم رضا خان مہتمم جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی
— بقیۃ السلف حضرت مولانا مفتی تقدس علی شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ (سکھر)
— عمدۃ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز ولی بریلوی شیخ الحدیث جامعہ گنج بخش، لاہور
— مجاہد ملت حضرت مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری، سابق صدر جمعیت العلماء پاکستان
— شیر بیشہ اہل سنت حضرت مولانا محمد حشمت علی خاں، پیلی بھیت
— فاضل جلیل حضرت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی مہتمم دار العلوم امجدیہ، کراچی وغیرہ

حُجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی

تیرے رضا پر تیری رضا ہو — اس سے غضب تھراتے یہ ہیں
بلکہ رضا کے شاگردوں کا — نام سے گھبراتے یہ ہیں
حامدٌ منی وانا من حامد — حمد سے ہمد کماتے یہ ہیں

(اعلحضرت)

تأثرات

ڈاکٹر حسن رضا خاں

(ریسرچ اسکالر پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بھارت)

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحاب کمال کے چہرے نظر آئے ——— میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ———

★ ——— اعلیٰ حضرت جب کسی مسئلے پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہہ کی تصویر اُبھر آتی ہے جو قوتِ اجتہاد، بصیرتِ فکر، ذہانت و تعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا ———

★ ——— مطالعہ کے دوران جب آگے بڑھے تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب کسی فقیہہ کے سامنے نہیں بلکہ وقت کے ایک عظیم مؤرخ کے سامنے ہیں جو کسی مسئلے کی تنقیح کے سلسلے میں تاریخ کے مختلف مراحل پر بحث کر رہا ہے ———

★ ——— پھر اور کچھ دور چلے تو دیکھا کہ وہی مؤرخ، ادب و لغت اور صرف و نحو کے ایک جلیل القدر امام کی حیثیت سے علم و فن کے جواہر ریزے بکھیر رہا ہے ———

★ ——— کچھ اور آگے بڑھے تو مسئلے کے استنباط کے ذیل میں ایک حدیث زیرِ بحث آگئی، اب اُس کا قلم ایک عظیم محدث، ایک نکتہ رس نقاد اور جرح و تعدیل اور اصولِ حدیث کے ایک ماہرِ فن کی حیثیت سے حیرت انگیز تحقیقات کے دریا بہا رہا ہے۔

★ ——— اور چند اوراق الٹنے کے بعد تو حیران رہ گیا اور پہلی بار مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ایک فقیہہ صرف منقولات ہی پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ علم طبیعات، علم الافلاک، علم ہندسہ، فلسفۂ کون و فساد، علم تشریح الابدان اور علم جغرافیہ کے اصول و جزئیات سے بھی ایک ماہرِ فن کی طرح باخبر ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر حسن رضا خاں: فقیہہ اسلام، مطبوعہ الٰہ آباد سنہ ۱۹۸۱ء، ص ۱۲-۱۳)

ڈاکٹر سر ضیاءالدین مرحوم

(پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (جرمنی))

(سابق وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ بھارت)

"بہت خلیق، بہت منکسر المزاج اور ریاضی بہت اچھی جانتے تھے باوجودیکہ کسی سے پڑھا نہیں، ان کو علمِ لدنی تھا، میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں۔"

(ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اوّل مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵)

" اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی کوئی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت وغیرہ میں اتنی زبردست قابلیت کو میری عقل ریاضی کے جس مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی حضرت نے منٹ میں حل کر کے رکھ دیا۔"

(مفتی محمد برہان الحق جبل پوری: اکرام امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۵۹-۶۰)

پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان

(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی، لندن)

پشاور (پاکستان)

"اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا ہر پہلو اس قدر وجیہہ و وقیع ہے، ہر جہت میں اس قدر جامعیت و مانعیت ہے کہ اہلِ فکر و نظر کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان جہات میں سے وہ کونسی جہت ہے جو سب سے زیادہ دلکش ہے؟ .... حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا کُل ہے جس کا ہر جزو اس درجہ وسیع و بسیط ہے کہ دیکھنے والے کی نظر و فکر اُس ایک ہی جزو کی وسعتوں اور پہنائیوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔"

(ڈاکٹر الٰہی بخش: عرفان رضا (قلمی) معنونہ ۱۹۷۹ء، ص ۷)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

(صدر شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد)

"مولانا کا علم ایک بحرِ ذخار تھا کہ جس جانب بھی اُبل پڑتا، سیراب کر دیتا۔ اِن کی دلچسپیاں متنوع اور مطالعہ ہمہ گیر تھا۔ حافظہ بلا کا تھا کہ پڑھا ہوا لفظ بمشکل ہی حافظہ سے اوجھل ہوتا تھا۔ اُردو، عربی، فارسی، ہندی پر دسترس حاصل تھی۔ ذہن رسا تھا اس کی مسائل کی تہہ تک اُتر جانا اُن کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اُن کی زندگی ہی میں اُن کے تبحر اور وسعتِ علمی کا اعتراف ہونے لگا تھا۔"

(مقالۂ ڈاکٹریٹ پاک و ہند کی عربی نعتیہ شاعری، پنجاب یونیورسٹی لاہور د

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو

(ڈین اور صدر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ)

"آپ کی ذات " الحبّ للہ والبغض للہ"، کی زندہ تصویر تھی، اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے، اللہ اور رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خُلقی سے پیش نہ آئے۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباعِ سنت کے انوار سے منور ہے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۷۰)

پروفیسر سیّد عبدالقادر

(حیدر آباد دکن، بھارت)

علوم حدیث میں آپ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ احادیثِ کریمہ کا ایک بحر ذخار آپ کے سینۂ مبارک میں موجزن تھا۔ جس موضوع پر بھی آپ کا قلم اٹھتا تھا، اسلامی مزاج، افکار و نظریات کی حمایت اور کفر و بطالت کی تردید میں احادیثِ کریمہ کا انبار لگا دیتے تھے کہ پڑھنے والے کا کلیجہ ٹھنڈا اور آنکھیں روشن ہوں۔

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۹)

پروفیسر ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی

(صدر شعبۂ ابلاغیات، لندن یونیورسٹی، لندن)

امام احمد رضا (م ۱۹۲۱ء) نے اسلامی نظریۂ تعلیم کی بہت ہی خوب تعبیر و توضیح پیش کی ہے جو اس موضوع پر قرآنِ حکیم کی تمام آیات کی اعلیٰ ترین تفسیر ہے اور اسلام کے قانونی، روحانی، سیاسی، مادی غرض تمام پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے ـــــ میری یہ تصنیف (اسلام کا نظریۂ تعلیم جدید انگریزی میں امام احمد رضا کے اُن افکار و خیالات کا خلاصہ ہے۔ جن کی انہوں نے (الدولتہ المکیہ میں) وضاحت فرمائی ہے۔ (ترجمۂ انگریزی)

(ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی: اسلام کا نظریۂ تعلیم، شائع کردہ مجلسِ رضا، اسٹاک رپورٹ، انگلستان، ص ۲)

پروفیسر غیاث الدین قریشی

(شعبۂ انگریزی، نیوکاسل یونیورسٹی، انگلستان)

شریعتِ اسلامیہ کے صرف حنفی مکتبِ فکر کے مسائل میں انہوں نے جس ذہن رسا کا ثبوت دیا ہے اس سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کو علم و فضل کی بلند ترین مسند پر بٹھایا جائے، وہ جودتِ طبع اور وسعتِ علم کے مالک تھے، اُن کی نگاہ کی تیزی اور صفائی ایک عظیم ذہن کی خاص علامت ہے

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۹۲)

○

جسٹس قدیر الدین احمد

(سابق چیف جسٹس سندھ ھائی کورٹ اور گورنر سندھ)

"جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ، علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایک نایاب چیز تھی"

(خطبۂ صدارت امام احمد رضا کانفرنس، منعقدہ کراچی ۱۹۸۲ء)

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی

(ماہر معاشیات اور ناظم تعلیمات حیدر آباد ڈویژن سندھ)

"اب اہلِ دل اور اہلِ نظر ذرا اُس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں جب کہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ —— کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دور اندیشی کے؟ —— کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دُور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں؟ —— کینز (J. M. Keynes) کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بنا پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کرلی تھی جسے چوبیس ۲۴ سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کروا چکے تھے۔ لیکن افسوس مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔

(معارفِ رضا، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص ۵۷)

جسٹس ڈاکٹر مفتی سیّد شجاعت علی قادری

(جج شریعت کورٹ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، اسلام آباد)

" اُس میں احمد بن حنبل اور شیخ عبد القادر جیلانی کا سا زہد و تقویٰ تھا — ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی سی ژرف نگاہی تھی — رازی و غزالی کا سا طرزِ استدلال تھا — وہ مجدّد الف ثانی اور منصور الحلاج کا اعلائے کلمۃ الحق کا یارا رکھتا تھا — دشمنانِ اسلام کے لئے اشداء علی الکفار کی تفسیر اور عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے " رحماء بینہم " کی تصویر تھا — "

(معارفِ رضا، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۲۲)

○

ملک غلام علی (نائبِ مودودی)

(نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان ابو الاعلیٰ مودودی)

" احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ اب تک سخت غلط فہمی میں رہے۔ اُن کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے ان کے ہاں پائی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا اور رسول تو اُن کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے "

(ہفت روزہ شہاب، لاہور، ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

DUST WE ARE

Translated by: Prof. G.D. Qureshi

1. Dust we are; return to it we must
   Adam, our ancestor, was created from dust.

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا   خاکی تو وہ آدم جدِ اعلیٰ ہے ہمارا

2. Reduce us to it in your search,
   O God! Dust is our medal from our dear Lord.

اللہ ہمیں خاک کرے اپنی طلب میں   یہ خاک تو سرکار سے تمغا ہے ہمارا

3. That dust on which Prophet set his feet.
   For us is better than a heavenly seat.

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سیدِ عالم   اس خاک پہ قرباں دلِ شیدا ہے ہمارا

4. Sky was hurt deeply by the sharp irony.
   When Earth said, "Madinah is located on me".

خم ہو گئی پشتِ فلک اس طعنِ زمیں سے   سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

5. Prophet described Ali as "dust's father"
   Who is our wise guide and brave leader.

اس نے لقبِ خاک شہنشاہ سے پایا   جو حیدرِ کرار کہ مولےٰ ہے ہمارا

6. O seekers! walk humbly in right earnest
   Under this earth is our Prophet's place of rest.

اے مدعیو خاک کو تم خاک نہ سمجھے   اس خاک میں مدفوں شہِ بطحا ہے ہمارا

7. Prophet's grave and Kaabah are made with dust
   So respect it always every-where we must.

ہے خاک سے تعمیر مزارِ شہِ کونین   معمور اسی خاک سے قبلہ ہے ہمارا

8. Raza! in Allah's eyes we will have no worth
   If we do not love Madinah on this earth.

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی   آباد رضا جس پہ مدینہ ہے ہمارا

WITHOUT MAKING USE OF WRITINGS OF IMAM AHMED RAZA ISLAMIC TEACHINGS CANNOT BE INTERPRETED IN PRESENT AGE

By Prof. Pareshan Khattak, (Former Chairman)
Pakistan Academy of Letters, Govt. of Pakistan.

IMAM AHMED RAZA'S personality needs no introduction to the Muslims of the Indo-Pakistan. Such a rare cyclopaediac person is born after a long awaiting period. He served as a searchlight for his own people, and proved a strong rock for the powers of persecution and cruelty. Nobody can suspect about his knowledge and greatness. The Holy Prophet (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) has declared the academic differences as a source of blessings and goodness for the volution of the Din (Islam) and civilizations. This has opened new vistas of thinking, and has helped creating more vastness and comprehension in the din (Islam) in order to cope with the needs of the changing time. Imam Ahmed Raza Bareilvi has completed an important role for the evolution of the Islamic thinking in the sub-Continent. And it is not so easy to present and interpret the Islamic teachings in the present age without making use of his writings and views.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1987
Page No. 23

IMAM AHMED RAZA'S ACHIEVEMENTS SHOULD BE SPREADED ON INTERNATIONAL LEVEL

By Prof. Dr. Abdul Wahid Halepota, Chairman, Council of Islamic Ideology, Government of Pakistan.

Ala-Hazrat Maulana Shah Ahmed Raza Khan (رحمۃ اللہ علیہ) is such an ingenious personality of the Indo-Pakistan sub-Continent whose academic position and legal insight has a general recognisance. His multifarious achievements deserve that those should be spreaded on the international level. His greatest of all deeds is that he beautified the hearts of the Indian Muslims with the Love for the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) through his acade- mic wonders, sweet speeches and most valuable na'atya Kalam, poetry in praise of the Holy Prophet (صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم) .

This is the call of time that his accomplished works should be studied on research lines, which will help not only in raising the academic level of the readers, but it will also create so vast broadmindedness in them, strengthening the ways of mutual union and unity in the rank and file of the Muslim Ummah.

Imam Ahmed Raza Conference
Souvenir 1988,
Page No. 12

ظاہر و باطن، اول و آخر زیبِ فروع و زینِ اصول
باغ رسالت میں ہے تو ہی گل غنچہ جڑ پتی شاخ

Zaahir Baatin Awwal Akhir
Zeb-e-faroo-o-zen-e-Usool

Bhaghe-risalat main hayto ki gul
Ghuncha,jar, pattee Shaakh."

"Manifest and hidden, first and last, beauty of branches; vital to the centre. Actually in the garden of Prophethood your are the flower, bud, root, leaf and the branch".

The garden imagery in these lines provides a refreshing greatness to the personality of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him). One cannot help but admire the stylistic beauty ofthe poet's dictions as he goes about with the methaphorical description of the Holy Prophet's august personality as fragrant, radiant and pure as the flowers of the garden. Whether one looks from the religious, emotional, rhetorical or philosophical angle, *HADAAIQ-E-BAKHSHISH* is a masterpiece and a wealth of information on the life and beauty of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him). It is as John Keats, an English poet says: A thing of beauty is a joy for ever.

A devotee of A'la Hazrat.

him). The charm and melody of a man pouring out his heart and soul to eulogise the greatest of Allah's creation will linger in the hearts of the readers long after they have read his poems. The feelings and moods they evoke are simply overwhelming and bewitching.

This monumental work is divided into two volumes. The first volume consists of 103 pages of some 80 poems of varying lenghts. The second volume contains 28 long poems. The spontanous quality of his poetic vision is charming. The range of his vocabulary includes all four languages viz. Urdu, Arabic, Persian and Hindi. There is, however, one poem in his first volume which deserves special mention. Though it is composed in just 10 couplets, every couplet reflects these four languages. Artistically and linguistically, this poem is a rare accomplishment. Its greatest feature is that despite its diversity of languages the unity and theme is superb by any standard of poetic evaluation.

Shah Ahmad Raza Khan Qadri in these poems has graphically represented the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) as the best and the highest model of human perfection, short only of divinity, not exceeding the bounds of propriety and reason, remaining within the perimeter of *Shariah.* Every poem in this collection can hold its own against any of the best poems in florid dictum, choice of words, ease and propriety of expression, charm and eloquence of language, natural development of the train of thoughts, current and harmonious flow of the metre and absolute freedom from any kind of solecism.

Every poem abounds in variety of images, similes and metaphors which clearly give vivid description of the Messenger of Allah (Allah's Grace and Peace be upon him) and the status of Prophethood which was largely distorted by the enemies of Islam. The figures of speech, both verbal and rhetorical, are such as command deep admiration on account of their exquisiteness, elegance and propriety of application.

Imam Ahmad Raza Khan Qadri's every fibre of existence is devoted to permeate the beauty and grandeur of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him), as is reflected in his various poems. This sublime thought is expressed in his following words:

When the dacoits of our *Imaan* tried to interfere with the status of our Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him), He unflinchingly revived the *Hadith-e-Qudsi*

لولاك لما خلقت الافلاك

"Oh my beloved *Nabi* (Allah's Grace and Peace be upon him) if it was not for thee I would not have created this universe".

Thereby once again declaring that my life and everything else related there to is because of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him). No better tribute to this *Imaan* inspring service could have been paid to Shah Ahmad Raza Khan Qadri than this couplet:

ڈال دی قلب میں عظمت مصطفیٰ

سیدی اعلیٰ حضرت پہ لاکھوں سلام

Fondest salutations and blessings upon thee of my Master for instilling love and reverence in my heart for Hazrat Mustapha

Shah Ahmed Raza Khan Qadri as a writer is really amazing. When one considers that 62 branches of knowledge flowed lucidly from his incredible pen, speaks volumes. Though an exponent of religion, Shah Ahmed Raza Khan Qadri wrote extensively on Mathematics, Astrology, Philosophy, as well as *Quraan, Hadith, Fiqh, Literature* and many other subjects. Rarely will you find a person who is a *Mufassar, Muhaddith, a Faqeeh,* a Mathematician, a Philosopher, an Astronomer and a Poet in one. Such great men only grace the earth if and when Allah so wills. It is only now that the genius of Shah Ahmed Raza Khan Qadri is gradually being unfolded, so much so that he has become a faculty of studies at the highest academic level.

Shah Ahmed Raza Khan Qadri as a poet is incomparable and unique. Poets and religious thinkers of the East are unanimous in their assessment of his poetry as "*Imaam-ul-Kalaam*" the loftiest dictum in poetry. Many who read his poetry are confounded by his poetic genius.

Hadaaiq-e-Bakhshish – an anthology of religious poetry – is widely acclaimed as among the finest collection of odes written in praise of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon

Introduction to Hadaaiq-e-Bakhshish

All praise and glory be to Allah, our Master, our Cherisher, our Creator and the Shaper of Destinies of Man and choicest *Daroods* and *Salaams* on Hazrat Ahmad Mujtabah Muhammadur *Rasoolullah* (Allah's Grace and Peace be upon him) the pride of mankind and the resplendent light of the universe.

I feel deeply honoured and privileged to write a few lines about one of the most prolific visionaries and revivalist of this centre, namely A'la Hazrat Shah Ahmed Raza Khan (may Allah be pleased with him) and his collection of rare and unique poems in praise of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him).

HADAAIQ-E-BAKHSHISH

When the world of Islam was bedeviled in religious controversies, when the august personality of the Holy Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) and His illustrious *Sahaaba-e-Kiraam* and the revered *Imaams* were being made the butt of irreligious Muslim writers and when the foundation of our glorious *Deen* was being shaken by the so called religious reformers, it was Imam Ahmed Raza Khan Qadri who stood single handed, like a rock of Gibraltar, to face the concerted onslaught of these enemies of Allah and His beloved *Rasool* (Allah's Grace and Peace be upon him), his unwavering speech and his dynamic debates. The world with his prolific pen of *Sunniat* owes a great debt of gratitude to Shah Ahmed Raza Khan Qadri for the preservation of the fundamentals of Islam in their pristine purity. It is indeed Shah Ahmad Raza Khan Qadri who showed the world the true status of the prophethood of our Holy Prophet Hazrat Muhammad Mustapha (Allah's Grace and Peace be upon him) by infusing the love of the Holy Prophet in the hearts of the Muslims as a most important pre-requisite of *Imaan*.

It may be noted that how simply the modern concept of negotiation has been dealt.

(Fatāwa-e-Razvia Vol. VII Page: 288)

Problem: 5

Camp Merrut Bazar Lal Kurti from Mr. Abdul Sami. I seek your opinion in the matter that we pay the amount to poor people. To some two rupees (in about 1871 A.D.) and to some three rupees are paid. Four or five persons told me that for two rupees we have to travel from our places (to Merrut) and equal amount is spent on fare. Therefore the amount may be sent by monety order.

After consideration I thought that the fee for money order is the payment for the service as the post office makes the payment to the addressee and returns the receipt to me. Thus the payment through money order was being done for years. Now Mr. Rasheed Ahmed Gangohi has declared that the fee for money order is interest and therefore forbidden.

Please guide us.

Solution:

I have seen that fatwa (of Mr. Rasheed Ahmed Gangohi) were he has declared that these two annas (money order fees) is interest but this can be declared only by a person who does not know that purpose of this payment. Perhaps he does not know that the post office is the shop of a common vendor which has been opened for recovery of charges for the services rendered. These two annas are only charges for taking the money to the receipient and bringing the receipt back as the charges are paid on envelope and parcel etc. This is in fact not the payment of interest.

We have abridged the text. The detail may be seen in Fatāwa Volume 11 page 26 to page 40 where the references from thirty books have been given. Remarkable point is that the reply was written from a village where Ala Hazrat had gone for four months and he requested Mr. Abdul Sami to send its receipt at the Barielly address. How these 30 books were referred!

for the repayment may mortgage the same commodity to Umro, if they agree or Zaid would get his commodity back and owe Rs. 200/= to Umro. Umro should not use the commodity, if it is left in mortgage.

(Fatāwa-e-Razvia Vol. VII Page: 121)

Problem: 3

Zaid told Umro "You purchase the goods worth one rupee and I will purchase from you for one rupee and one anna but will pay after one month as I do not have money."

Is this excess permissible?

Solution:

Permissible but if the intention of adding one anna is because it is a debt, then it is not correct. (It means it should be a transaction of sale and purchase and not a loan)

(Fatāwa Razvia Vol. VII Page: 57)

Problem: 4

1) Zaid said to Umro that Bakar owed him money. He should recover and keep with him and use it and he would take whenever he is in need.

2) Zaid sold one thousand rupees note for rupees twelve hundred for four months to Umro and got his undertaking in writing. Then Zaid purchased eleven hundred rupees note for rupees twelve hundred from Bakar and for satisfaction gave the undertaking of Umro to Bakar and told him to recover from Umro.

3) Zaid sold one thousand rupees note for eleven hundred rupees to Umro and on the condition that one hundred should be paid in cash immediately and the balance of one thousand after the expiry of the period and also got undertaking by Umro in writing. Then Zaid purchased from Bakar one thousand rupees note for rupees one thousand and fifty and paid rupees fifty immediately and gave the undertaking of Umro to Bakar.

Are these transactions permissible?

Solution:

1) Permissible 2) Permissible 3) Permissible

very easy and convenient task to transform the economy in terms of Islamic values.

We acknowledge and admit for any mistake in translating the theme of these fatāwas:

Problem: 1

One person wants to take loan of Rs. 100/= and the other person wants to give the loan. How it should be documented and also the lender does not want to give loan without any extra amount?

Solution:

An easy solution is as under:

The payer should not give a loan. Instead he should sell the note. For example, the person who wants one hundred rupees to be repaid in one year and the payer wants some profit on it. The payer should sell one hundred rupees note for say rupees one hundred and twelve to be repaid in one year.

If the purchaser repays in six months then the seller should accept only one hundred and six rupees.

In the alternate the payer should give a loan of rupees one hundred and the debtor should give some of his movable property for safe keeping to the creditor and say that for safe keeping he would pay, say one rupee per month.

(Fatāwa-e-Rizvia Vol. VII Page: 121)

Problem: 2

Zaid wants to take Rs. 150/— from Umro a loan free of interest and Umro wants to earn some profit on it which should not be interest. How the transaction may take place?

Solution:

An easy solution is as under:

Zaid who wants loan should sell something such as utensils or cloth to Umro for Rs. 150/=. Umro should purchase and pay Rs. 150/= to Zaid. Either in the same sitting or some other time Umro may resell the same item for Rs. 200/= to Zaid, to be paid in one year. Zaid should purchase it. Now

2. The rich Muslims of Bombay, Calcutta, Rangoon, Madras and Hyderabad should set-up banks for their Muslim brethren.

3. The Muslims should not purchase anything from Non-Muslims. They should have business dealings with the Muslims only.

The far reaching impact on economical life of Muslims may be imagined.

Ala Hazrat in his "Fatāwae Razvia" in replies to questions has dealt the money matters, business transactions and commercial contracts thoroughly and in simple language.

In 1977 Council of Islamic Ideology was established to evolve the methodology to introduce non-interest based system in banking and financing. The passage of Modarba Ordinance also made the system more complicated.

In our opinion it was right time to consult the books and fatāwas of Ala Hazrat. Had it been done with open mind and thorough understanding the task would have been much easy.

His fatwa on currency notes is revolutionary one and unique example of his exegetical skills. He has dealt with minute details of every aspect of currency notes covering seventy two pages from 126 to 197 in Vol. VII of Fatāwae Razvia.

In short Ala Hazrat has declared that currency notes are commodity like any other commodity and may be transacted for a price more or less than the value printed on it.

Had this fatwa been discussed in depth by the Council of Islamic Ideology, it would have presented convenient methods for short term financing.

The fatwas and the discussions of Ala Hazrat are worth reading and we wanted to present most of them which relate to economic activities, mortgage, transfer of property, and other aspects.

However, we give some of his fatāwas in connection with commercial transactions and money matters to support our stand. That, had these been given due understanding it would have been a

while translating forgot that Hadees-e-Mubārak where it has been declared that one can not be a true follower unless one loves and respects Rasul-Allah Sallullaho Alaihe Wasallum above every thing. One can not think even a word with the flair of minutest disrespect. Hazrat Ahmed Raza used the meaning which was appropriate to the occasion. He did not coin the meaning. It was there but only a real momin could use it.

His brilliance, talent, God-Gifted ability, skill and intelligence were neither recognised in his time nor acknowledged properly after him.

He was painted as orthodox and biased person. An interesting and eye opener admission comes from a learned man of Deoband, Maulvi Siraj Ahmed, who acknowledged that "we were forbidden to read the books authoured by Maulvi Ahmed Raza, saying that they were not the research work and were not worth reading. I wanted to solve a problem regarding inheritance and was not satisfied with the replies from the learned ones of Deoband, Delhi and Sahāranpur. I also referred to Maulvi Ahmed Raza Khan. The reply received from him helped me in understanding the problem and its solution. I got other books written by him and they changed me altogether and corrected my notions" (Maarif-e-Raza, Vol. 8 page: 96).

Aala Hazrat is, we believe, one of those learned people who have been referred to in Hadees-e-Mubārak:

عُلَمَاءِ اُمَّتِی کَاَنْبِیَاءِ بَنِی اِسْرَائِیلَ

The learned people among my followers are like messengers sent to people of Israel.

Economics is also a subject, he has deliberated upon. The economical guidelines he proposed in 1912 are in fact charter for Muslims and had the Muslim leaders and businessmen at that time adopted these it would have been a different story.

The Muslim leaders and businessmen realised very late when Khawaja Nazimuddin established Muslim Chamber of Commerce, and Habib Family at Bombay established Habib Bank in 1941.

He proposed the following three point guidelines:

1. The Muslims should settle their conflicts by mutual consultation, so that crores which are squandered in unnecessary litigation may be saved.

His exegetical skill makes him distinct from others who have translated and interpreted Quran. To quote one example we reproduce one verse from Maarif-e-Raza (1988) Vol. VIII page 35:

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى

a) "Did He not find you wandering and guide you". (an English translation published in Beirut)

b) And He found thee wandering and He gave the guidance. (Abdullah Yousuf Ali)

c) And found thee lost on the way and guided thee. (Muhammad Asad)

d) And He found thee wandering in search for him and guided thee unto Himself. (Molvi Sher Ali Qadiani)

e) And He found thee wandering, so He guided thee. (Abdul Majid Daryabadi)

f) And found thee groping, so He showed the way (Maulana Muhammad Ali Lahori Qadiani)

g) And He found you uninformed of Islamic Laws so He told you the way of Islamic Laws. (Maulana Ashraf Ali Thanvi)

h) Did He not find thee erring and guide thee. (Arberry)

i) Did He not find thee wandering and direct thee. (Pickthal)

j) And saw thee unaware of thy way so showed you straight way. (Maulana Fateh Muhammad Jallendhri)

k) And He found you drown in His love therefore gave way unto Him. (Ahmed Raza)

The Arabic word (ضال) has many different meanings and in terms of literature the meaning translated by all of them is correct but all the ten translators were devoid of love, devotion, respect and reverence to Sarkār-e-Do-'Aalam Sallullaho Alaihe Wasallum and

A FORGOTTEN OMNISCIENT

BY

RASHID H. QADRI

A savant, an omniscient of his calibre is difficult to match. One is surprised and left only to praise Allah Almighty when one learns that Ala Hazrat had completed his academic curriculum when he was just 13 years 10 months and 5 days of age.

He himself had admitted and declared that he was authority in fifty nine different subjects. He counted and referred to these subjects in the notation made in the certificate of authority (سندِ اجازت) issued to the learned people of Mekka.

The certificate of authority is issued by the one who himself has been acknowledged as authority and he through the Certificate authorises the one declared to be competent in the subjects referred to in the certificate. It is not like present day degrees. It is issued only when one has been tested and considered to be eligible for the honour.

In the certificate Hazrat Imam Ahmed Raza Rahmatullah Alaih has declared that 21 subjects he has learnt from his father and 38 subjects he has mastered without any guidance and teaching from any teacher or mentor.

The incidence of Dr. Ziauddin is known to every body. Dr. Ziauddin, a world class authority on mathematics when wanted to go to Germany, to solve a problem, was advised to consult Ala Hazrat. Reluctantly he visted Bareilly and was astounded to get the problem solved in no time. Another equally surprising event was when at the beginning of Ramzanul Mubarak someone informed Ala Hazrat that a suitable Hafiz-e-Quran (one who has memorised the whole Quran and leads the "Taraveeh", special prayer in Ramzan) was not available, Ala Hazrat with all humbleness promised to lead the prayers though he had not memorised the Quran and was not expected to lead the Taraveeh prayers. It is said that during the day he used to memorise and in the night repeat the chapters with all recognised rules for reciting the Holy Book. It was only God-Gifted.

sidered it his victory since Abdul Bari had abandoned the arena. The whole afair was published in September 1921 in the form of a pamphlet entitled *'Haq Ki Fsyj-i-Munbin'*.

43. Muhammad Mian presided over the first conference of the *Jamaat* held at Bareilly in 1921, and delivered the presidential address. He spoke on various issues, like the disintegration of the 'Islamic Sultanate' of Turkey; the protection of the Holy Places; the religious sentiments regarding the *Jamiat -ul-Arab* and specially the pious *Harmain,* the situation in Iraq, Syria, Thrace etc. and the obligations of the Muslims; the main cause of the sufferings of the Muslims all over the world was disregard of the *Shariat*; the Hindu-Muslim alliance and the following communal riots; the Hindu leadership of the Muslims; *Khlifat;* Non-cooperation; Swaraj and its main purpose.

44. The following were the objectives of the *Jamaat:*
1. To undertake lawful and advantageous measures for the protection of the Holy Places and the support to the Islamic Sultanate and the oppressed Turks.
2. To take lawful measures to defend Islam and Muslims from the attacks of the external enemies of the faith in general, and from the attacks of the internal enemies in particular.
3. To guide the Muslims to moral, social, cultural and economic advancement to guide them to adhere to the *Sharia* very strictly.
The first conference of the *Jamaat-i-Ansar-ul-Islam* held in 1921 passed certain resolutions. It resolved:

(1). The government of Britain should withdraw along with the allies from the Arab lands.

(2). The government should provide it (the *Jamaat*) satisfactory channels to help the opressed in Smyrna.

(3). To send a delegation to strike unity between the Turks and the Arabs. It further demanded that the government take the 'responsibility' of the delegation in Arab.

(4). Muslims should withdraw all such cases from the Courts which they can legitimately settle among themselves according to the tenets of the *Sharia*.

(5). If the government promulgates a law which is apprehended to be in contravention to any Islamic institution, it should be amended and efforts should be made (by the Muslims) to achieve this end by lawful means.

(6). Muslims should develop their trade.

(7). Muslims should open their own bank.

(8). Muslims traders and the rich should establish an Islamic treasury to help the development of Muslim trade and to meet the needs of suppoting the Islamic kingdoms and other needs of Islam.

(9). Muslims should follow and spread the *Mazhab ahli-i-Sunnat wa Jamaat* which is in accordance with the doctrine of the *ulema* of the Holy Places.

(10). Muslims should be told by speech and letters about all those behaviours which are subversive.

27. This refers to a correspondence between a Karachi-based Muslim and Ahmed Raza Khan. The correspondence was reported to have taken place in December 1914. Lithographed Urdu leaflet containing the text of the correspondence were noticed by government agencies. Home Poll. B. June 1915, 549, 552, NAI.

28. He belonged to the *Khanqah-i-Barkatia of Marehra* in Etah district of U.P. and was a *pir-brother* of Ahmed Raza Khan. He wrote a *Risalah* on issues like the M.A.O. College, the proposal for a Muslim University, the *Anjjuman-i-Khuddam-i-Ka'aba.* On these issues, he shared the views of the disciple of his own *Khangah*. For instance, on the issue of the Aligarh Muslim University, he tried to argue that the proposed institution would encourage heterodox ideologies and weaken the faith. Moreover, a government university was more acceptable because 'it imparted such education that entitles us to the government jobs'. His argument was that the government might discriminate against the graduates of a Muslim University which would consequently become a contingent of the unemployed.

29. Sayyid Ismail Hasan, *Guldastah-i-Chamanistan-i-Sunnat* (Marehra, 1354 A.H) p.48.

30. For his views on the *Khilafat* see S Jamaluddin, 'The Religio-Political ideals of a twentieth century theologian of north India – An Introduction, Marxist Miscellany New Delhi, March 1977, pp.13-19.

31. Muhammad Mian, *Majmua-i-Muzamin,* MS (Marchra) pp.7-8.

32. Ibid, pp. 7-8.

33. Ibid, p.8.

34. *Almizan,* op. cit., p.335.

35. Muhammad Masood Ahmed, *Fazil Barelvi aur Tahrik-i-Mawalat,* (Lahore, 1972). p.45.

36. Ahmed Raza Khan, *Tadbir-i-Falah-o-Nijat-o-Islah* (Bombay) n.d p.7.

37, Ibid, pp.7-9.

38. Hasan Raza Khan, Maulana Ahmed Raza Khan as a Scholar of Islamic Jurisprudence, unpublished thesis, Patna University, 1978.

39. Muhammad Masood Ahmed, *Fazil Barelvi aur Tahrik-i-Mawalat, pp.58 and 62.*

40. Muhammad Mian, *Majmua-i-Muazamin (MS)*, pp.145-146.
Muhammad Mian wrote a brief artice with his report which was published in the *Al-Faqih* of Amritsar in its issue of 5 January 1921. Apparently he had responded to the challenge of Habeebur Rehman Khan Sherwani. *Sadrus Sudur,* Hyderabad state that the *ulema* should prove if the Quran and *Hadis* allow the Muslims to follow the leadership of the *mushrik*.

41. Abdul Bari came under heavy fire for forging a Hindu-Muslim alliance and surrendering the religious right of sacrificing cow. Several letters were written to him in this connection. Muhammad Mian, *Majmua-i-Mazamin (MS)* pp.46-58, 66-72, 157-162.

42. Ahmed Raza Khan wrote a letter to Muhammad Mian informing him about the nature of correspondence with Abdul Bari. The correspondence, however did not yield any result. To stop any further correspondence, Abdul Bari refused to accept a postal letter from Ahmed Raza Khan. The letter con-

hocha, Fatheh Ali Shah, Hafiz Yaqeenuddin, Hamid Raza Khan, Syed Nur Ahme of Chittagong, Abdul Rasheed of Azimabad, Shah Ghulam Muhammad of Bihar.

20. Among Ahmed Raza Khan's distinguished *Khalifahs* were Maulana Sulaiman Ashraf of Bihar, Syed Zafaruddin of Bihar, Syed Deedar Ali, Syed Abul Barkat, Maulana Abdul Ahad, Mukhtar Ahmed and his brother, Abdul Aleem of Meerut, Amjad Ali of Ghosi, Azamgarh, Fateh Ali Shah of Kharota, (Sialkot), Rahim Bakhsh of Arab, Hafiz Yaqeenuddin, Mufti Ghulam Jan of Hazara, Hamid Raza Khan, Mustafa Raza Khan, Nur Ahmed of Chittagong, Abdul Rasheed of Azimabad, Shah Ghulam Muhammad of Bihar.

21. Many of Ahmed Raza Khan's followers were engaged as teachers at the following *madrasahs*:
Darul ulum Hazb-al Ahnaf, Lahore, Jamia Shamsul Ulum, Badaun; Madrasa Hanafiya, Jaunpur; Darul Ulum Moinia, Ajmer; Madrassah tul Hadis, Pilibhit; Madrasah Hafiziya Saadia, Budaun, Aligarh; Madrah Faizul Ghurba, Arah; Jamia Shamsul Huda, Patna; Madrasah Khangahah Kabiriya; Madrasah Sulaimania, Tonsa Sharif.

22. Rasheed Ahmed Siddiqui records in *Gangha-i-Sarmaya* his impressions about his teacher of theology at Aligarh, Maulana Sulaiman Ashraf . He adds that the Maulana had inherited the 'pride and Vanity' of his teacher, Ahmed Raza Khan;,He was straight forward and did not indulge in vague conversation. Rasheed Ahmed Siddiqui. *Ganjha-i-Sarmaya, p.*32,

23. Such as Maulana Deedar Ali who served as Mufti and *Khatib* at the *Shahi Masjid* at Agra. He also served as *Khatib* at Masjid Wazir Khan at Lahore. Hasan Raza Khan op. cit.

24. *Do Aham Fatwe.(1)*Imam Ahmed Raza Barelwi (2) Maulvi Ashraf Ali Thanwi, Lahore 1977). p.2. Ahmed Raza Khan had based his *fatwa* on *Hanafi doctrine.* He said that, according to Imam Azam (Abu Hanifa), one of the conditions that changes *dar-ul-Islam into dar-ul-Harab* is the 'prevalence of *akham-i-Shirk* and complete non-prevalence of the commands and rites enjoined by the *Shariat-i-Islamia'*. He held that these conditions did not apply to India. Hence India was a *dar-ul-Islam.*
It is argued that declaring India as *dar-ul-Islam* did not employ that the British government was recognised as legitimate. In fact, it was regarded by Ahmed Raza Khan as the usurper and efforts to pull it down and liberate the country were authorised. It is further argued that declaring India as *dar ul Harb* would have meant the recognition of the occupation and the authority of the English in which case it would have been difficult to justify the freedom struggle. Ahmed Raza Khan held firmly the view that India was undoubtedly a dar ul Islam and expressed surprise against those *ulema* who had declared India as *dar ul harb* and despite possessing all means and ability did not follow the course of *hijrat. Do Aham Fatwe,* Introduction. pp.9-10.

25. *Do Aham Fatwe, p.9.*

26. Once he was summoned to attend the court in connection with a case. But he refused to appear despite the threats of contempt of court proceedings against him. He argued that when he did not accept the English government, how could he accept its judiciary. *Do Aham Fatwe,* P.9.

8. Ahmed Raza is said to have worked mainly in three directions; firstly, in the defence of the Prophet; Secondly in the suppression of the heretics who claimed to be the champions of the faith; and thirdly, in popularising the *Hanafi* doctrine *Almizan, op. cit.* p.254.

9. Ahmed Raza Khan was also nominated as a member of the *Nisab Committee* which was constituted to prepare a draft syllabus. Sayyid Muhammad al-Hasani, *Sirat Maulana Muhammad Ali Mungeri,* (Lucknow, 1964), pp. 87-88.

10. It seems that the influence of the Deoband *ulema* on the *Nadwa* and the increasing interest of Syed Ahmed Khan and his followrs in the *Nadwa* movement disillusioned Ahmed Raza Khan who gradually withdrew his support from it.

11. Muhanmmad Ali Mungeri had proposed the idea of a common platform for the *ulema* of the all shades and named for the *Nadwat-ul-ulema*. He was a disciple of Maulana Lutfullah of Aligarh. He was reputed for his moderate views on various theological controversies which had divided the *ulema*. He stood for change in the syllabus and was in favour of the modern philosophy and the science of the west. He worked to bring the modern educated Muslims and the *ulema* together. Sayyid Muhammad al-Hasani, *Sirat Maulana Muhammad Ali Mungeri,* Introduction, pp.20-21

12. Ibid, P.173.

13. Ibid.

14. The Barelvis argued that it was the British design to spread all such literature which aimed at diminishing the dignity of the Prophet. They asserted that the British used the *Nadwa* to take away the love of the Prophet from the heart of the Muslims. *Almizan, op,cit.* pp.261-262.

15. It is significant to note why Ahmad Raza Khan chose the Holy Places for issuing his *Fatwa*. In fact the *ulema* of the Holy places who were combating against the views of Shah Abdul Wahab of Najd were amenable to his views on this particular issue. Besides, his reputation as a great theologian of *Hanafi Fiqah* had earned him a respectable position among the *ulema* of Mecca and Medina, many of whom were also his *Khalifas*. It is believed that his opponents from Deoband were also busy maligning him at the court of the Sharif of Mecca who was convinced of his fidelity in Islam. *Al-mizan, op cit., pp.*254-255.

16. These *ulema* included Rasheed Ahmed Gangohi, Muhammad Qasim Nanotawi, Khaleel Ahmed Ambethwi and Ashraf Ali Thanwi, *Almizan, op, cit., p.*433.

17. Muslims from about 138 cities and towns of the Indian subcontinent are reported to have sought Ahmed Raza Khan's legel opinion on several issues Hasan Raza. op. cit.

18. The *pirs* of the *Khanqahs* of Marehra and Kachhochha (U P.) for example, were regular visitors to Bareilly. It will be noted that the influence of these *Khanqahs* extended to broad sections of the Muslim community.

19. Ahmed Raza Khan's distinguished pupils included Maulana Abdul Salam of Jabalpur, Syed Ahmed Ashraf Jilani, Syed Zafaruddin of Bihar, Abdul Ahad of Pilibhit. Sufi Qalandar Ali Suhrwardi, Maulana Syed Muhamad of Kach-

scattered as they were, they failed to achieve much success. A *munazir* of the *jamaat Raza-i-Mustafa* even approached *chamars* to dissuade them from accepting the *Arya dharma*. The Jamaat collected funds to combat the *shuddhi* movement, but hits activities remained restricted to Bareilly and its neighbourhood only.

FOOT NOTES

1. He was a descendant of Saeedullah Khan who had come from Qandhar during the period of Muhammad Shah. The emperor bestowed upon him the *mansab* of 6000 and the title of *Shujaat Jang*. The emperor gave to his son, Saadat Yar Khan, several villages in grant in Sarkar Budaun. Saadat Yar's son, Azam Khan, had settled down in Bareilly. His grandson, Raza Ali Khan, was distinguished theologian. During his lifetime the family turned to learning. Raza Ali's son and the father of Ahmad Raza Khan, Naqi Ali Khan was also distinguished theolgian and a man of piety. *Al=Mizan*,(Imam Ahmad Raza Number), Bombay, Vol.VI, March 1976, pp. 57 and 331.
2. Urdu *Daira-i-Muarif-i-Islam* (Lahore 1969), Vol. IV. P.485.
3. Ibid. P.485.
4. Earlier Fazl-i-Haq Khairabadi and Fazl-i-Rasool of Budaun, whom the Barelvis regard as their predecessors *(Akabir)*, had denounced the views of Shah Ismail on the question of imtina-ul-Nazeer, that God can create an equal of Him. Subsequently, when Muhammad Qasim Nanotwi, deriving inspiration from Shah Ismail, founded the Deoband School in a bid to revive and restore a purified Islam, religious controversies ensued. The main attack was directed against the disciples of Shah Ismail by Ahmed Raza Khan. The followers of Shah Ismail retaliated by holding the Bareilvis responsible for many heresies (*Biddat*) in India. This objection stemmed mainly from the association of the Barelvis with the *Khanqahs* and the mystic practices.
5. W.C. Smith, Modern Islam in India (Lahore edition, 1969) pp. 362-363.
6. *Almizan, op. cit, pp.228-230.*
7. Rasheed Ahmed Gangohi had argued that it was within the power of God to creat another prophet like Muhammad. He also opined that God can, if He so desires, utter a falsehood (*kidhb*) though he does not do so. I.H. Qureshi, Ulema in politics, (Karachi 1974). P.223. Muhammad Qasim Nanotwi was held guilty by the Barelvis for distorting the concept of the *Khatim-al-Nabiyyin* or the finality of Muhammad's Prophethood. Similarly, Ashraf Ali Thanwi's arguments regarding the *Ilm-i-Ghaib*(fore-knowledge) of the Prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) were held by the Barelivis as highly defamatory. Badruddin Ahmed Qadri, *Sawaneh A'ala Hazrat Imam Ahmed Raza*, *(Basti, 1963)* pp. 82-84.

Khan also wrote many letters to Abdul Bari urging him to renounce his views on certain issues concerning the Muslim community. [42]

It appears that Abdul Bari was singled out for attack for three main reasons. First, he was the moving spirit behind the *ulema* – modernised Muslims – Congress alliance. Secondly, he belonged to a line of ulema whom the Barelvis also included among their *akabir* or ancestor *ulema*. Some of the Barelvi ulema had even studied at Firangi Mahal; so it was considered necessary to prove that Abdul Bari had deviated from the path of his own *akabir*. Thirdly, Abdul Bari was also a *Pir* and was travelling extensively and asserting his position as a *pir* of a long line to enlist the support of the common Muslims. The *dar-ul-ifta* of Bareilly had become a *khanqah* and was frequented by *pirs* and *pirzadahs* of various *khanqahs*. So the *khanqahi ulema* appear to have sprung up against Abdul Bari in order to undermine his position as an *alim-pir* by exposing the falacy of his logic regarding political matters.

The influence of the *khanqahss* seem to have been greater than the *madrasas*. The modernised Muslims realised it and rallied round Abdul Bari. Ahmad Raza Khan also recognised the position of Abdul Bari as a *pir* of a long line and resolved that he should have an equally impressive match on his side. So when he organised the *Jamaat-i-Ansar-ul-Islam* [43] in 1921 to combat the Khilafat movement, his eyes fell on Muhammad Mian, a young theologian and *pir* of the *khanqah-i-Barkatia* [44] of Marehra. Muhammad Mian expressed the same views which Ahmad Raza Khan held on Khilafat and non-cooperation.

The measures adopted for the implementation of the aims and objectives of Jamaat are not clear. It appears, however, that after the death of Ahmad Raza Khan in 1921, the Barelvi School become divided into many groups or *silsilahs* – *Naeemia, Amjadia, Kochhochvi, Barkati, Razvi,* etc. But only *Kachhochvi and Barkati* had a long tradition of the *Khanqah* institution and the rest had to struggle hard to establish themselves. Since all of them were concentrated in U.P. their rivalricw become acute. However, there was a period when they worked unitedly against the revival of *shuddhi and Sangatham*. They gathered round *jamaat Raza-i-Mustafa* to assert their position as a united group. There were some other groups also which worked with the same objective but,

promote Hindu-Muslim unity,

It appears that Gandhi attempted to cultivate Ahmad Raza Khan and to allay his fears and suspicious about the Congress involvement in the *Khilafat* movement. But this was of no avail. Ahmad Raza Khan declined to meet the Mahatma.[34] In his discussion with the Ali brothers he reiterated his opposition to the Hindu-Muslim alliance.[35] The message was clear. The Barelvis could not submit to the leadership of Gandhi. He also argues that it was dangerous for Muslims to join any anti-British movement, particularly when the community was educationally and economically backward.[36] Consequently, the *Khilafat* movement with its anti-British overtones was fraught with serious dangers for the Indian Muslims.

All this is not to suggest that Ahmad Raza Khan had no sympathy for the Turkish cause. In fact, he suggested various measures in order to help the Turks, such as the raising of funds [37] What irritated him most was the Hindu dominance of a Muslim religious movement, the growing cooperation between the *ulema* and the Congress leadership, and the surrender of certain Muslim practices like cow-slaughter. A serious effort to combat such tendencies was made in January 1921 when a *Jamaat Raza-i-Mustafa* was established in Bareilly. Some of the members of this party made their presence felt at the conference of the *Jamiat-ul-ulema* held in Bareilly in March 1921. On that occasion, Maulana Sulaiman Ashraf, head of the theology department of Aligarh College and Khalifa of Ahmad Raza Khan, argued that there was no religious sanction for cooperation with the Hindus, particularly with those who had perpetrated atrocities on the Muslims of Shahbad and Kartarpur in the course of communal violence. [38] This summed up the attitude of the Barelvis towards the Khilafat movement in general and the involvememt of the Hindus in that movement in particular. Maulana Sulaiman Ashraf was actually voicing the view of his *pir* which were set out in the *fatwa* issued in early 1920. ,In these Ahmad Raza Khan had declared that while cooperation with the Hindus was forbidden, it was lawful with the *ahl-i-kitab*.[39] Muhammad Mian of Marehra quoted the Qurnanic injunctions to prove that the leadership of a *mushrik* in religious matters was not permissible. [40] He was particularly harsh towards Abdul Bari and, in several 'open letters'. the hollowness of his knowledge of theology was sought to be exposed. [41] Ahmad Raza

fatwa on a political issue was issued in 1888-1889 in the form of a *risalah* entitled *Aalam al-Eilam be-anna Hindustan Dar ul-Islam.* The *fatwa,* formulated in a purely theological framework, declared India under the British as *dar ul-Islam.*[24] This was an extraordinary posture, especially because of his apparent hostility to the British India. It is reported that he used to affix postage stamps on envelopes by turning it upside down, claiming that he had disgraced George V by lowering his head.[25] He also refused to appear in British law-courts.[26]

Ahmad Raza Khan also wrote on a number of other issues which concerned many Muslims. For instance, he disapproved of the activities of the *Anjuman-i-Khuddam-i-Kaa'ba* and is reported to have argued that the *'Anjuman'* by admitting to membership adherents of all kinds of unorthodox sects, is really subversive of Islam and is therefore unworthy of support.[27] Syed Ismail Hasan of Marehra,[28] who endorsed Ahmed Raza Khan's opinion emphatically, argued that the Anjuman should not enlist the support of the *bedin and badmazhab,* and that it should conform to the *Sharia* and the belief *(aqaid-i-immamia)* of the *Hazrat Ahl-i-Sunnat wa-al-Jamaat.*[29]

Ahmad Raza Khan was alarmed at the growing cooperation between the ulema of Deoband and Firangi Mahal and the Congress. He regarded their rapprochement as mischievous *(sarapa fasad)* and considered Ghandhi as an enemy of Muslims who exploited them to further the political objectives of the Hindus. And when Swami Shardhanand addressed a Friday congregation at the *Juma Masjid* in Delhi, Ahmed Raza Khan and his followers were quick to condemn the use of the mosque for 'worldly purposes'. Maulana Muhammad Mian of Marehra,[30] a dedicated follower of Maulana Ahmed Raza Khan, described the mosque as the *'Khana-i-Khuda'* and argued that the *sharia* did not allow any other form of worldly activities.[31] Moreover, the public meetings organised with the special purpose of voicing opposition to the 'law of the country', were a mundane affair and did not have the sanction of the *sharia.*[32] Regarding the entrance of non-Muslims in mosques it was explained that according to the *Hanafi Fiqh* only *zimmis* could enter the mosques. In the Islamic state *qazis* settled the affairs of the *zimmis* in mosques and, therefore, plaintiffs and respondents could not be excluded from the mosques.[33] Such views could neither foster Hindu-Muslim integration nor

Soon after the conference, Ahmad Raza Khan launched his attack against the *Nadwa*. He said that the literature produced by the institution did not conform to the beliefs of the *Ahl-i-Sunnat* and that the institution was a *gimmick* of the nechuris, the followers of Syed Ahmad Khan.[14]

Ahmad Raza Khan had serious differences with the Deobandi ulema as well. These came to the fore in 1905 in the form of his *Fatwa – Hisam al-Harmain,* drafted in 1904 during the Maulana's pilgrimage to Mecca and Medina.[15] The *Fatwa* signed by thirty four ulemas, declared the ulema of Deoband[16] as 'infidels' because of their views on the Prophet. Over the years, the estrangement between the Barelvis and the Deobandis continued and they extended to political issues as well. As is well known, the political upheavals in Turkey provided a basis for an alliance between the ulema and the western-educated Muslims. Moreover, events between 1911 and 1915 paved the way for a rapprochement between the Congress and several Muslim groups, culminating in the Lucknow Pact of December 1916. Ahmad Raza Khan watched these developments with unease. He was disturbed by the conciliatroy mood of the ulema, and their willingness to cooperate with the 'Hindu dominated' Congress. He therefore condemned the ulema, particularly those from Deoband, for their 'sell-out' and opposed the Lucknow Pact vigorously. His outbursts were of great significance because of his reputation as a distinguished theologian of the *Fiqh-i-Hanafi*, and above all, as a pir of considerable influence.

Ahmed Raza Khan Wrote over a thousand books and pamphlets which influenced many. He founded a *dar-ul-ulum* called *Manzar-ul-Islam* in 1905 which was able to draw students from different regions in India. His views were sought on a wide variety of social, religious, and political affairs, and he provided guidance to many[17] including those from established *khanqahs*.[18] Many of his disciples[19] and *Khalifas*[20] later founded madrasas which soon developed into important spiritual centres. Some took up teaching,[21] such as Maulana Sulaiman Ashraf[22] who headed the theology department of the M A O College, Aligarh:,while others swelled the ranks of the *Pesh-Imams* in the mosques.[23]

The Maulana also expressed his views on politics. His first

those villagers.[5] The *Fatawa-i-Rizvia* provides a corrective to many such false notions regarding the Barelvi movement. These need to be closely examined.

During his lifetime, Ahmad Raza Khan concerned himself with several issues. He was principally concerned to eliminate all those aspects in Indian Islam which had Hindu influence. He therefore forbade the prostration at *Sufi* shrines, disapproved of women's presence at such places, and opposed the use of candles or benozin at graves.[6] In addition, he wrote extensively in defence of the Prophet in response to some "disparasing" remarks made by the followers of Shah Ismail.[7] This resulted in the publication of *Subhan al-Subh an aib-i-kidhib-i-maqbah* in 1891. And finally, Ahmad Raza Khan strove hard to explain, interpret, enforce and popularise the *Hanafi* Doctrines.[8]

Ahmad Raza Khan was also acutely aware of the importance of resolving the bitter doctrinal disputes amongst the Ulema.This was particularly necessary in view of the growing Hindu-Muslim schism as manifested in the outbreak of communal violence in parts of the United Provinces, and in the activities of sectarian movements. Such as the Arya Samaj. He believed that unity among the ulema and concerted action on their parts could thwart the proselytising activities of both the Christian missionaries and the Arya Samajists. This led him to join the conference of the *Nadvat-al-ulema* held in April 1894.[9] But his enthusiasm for the *Nadvat al ulema* dampened soon after the Mohammeden Educational Conference extended its support to the aims and objects of the seminary.[10] When the third conference of the *Nadwat al ulema* was held at Bareilly in April 1894, Ahmad Raza Khan kept aloof. All efforts to draw him into the *Nadwa* Movement failed. The proceedings of the second conference of the *Nadwa* in Lucknow was the last proverbial straw.

At the Lucknow Conference, Maulana Muhammad Ali Mungeri (1846-1927),[11] made the extraodinary statement that mutual disagreements and differences amongst Muslims was an unpardonable sin. The Barelvis challenged the validity of this assertion.[12] They also criticised the view that the *muqallids* and the *Ghair* muqallids have no fundamental incompatibility and that their objectives were the same.[13] They argues that there was no com mon unifying element between the two.

THE BARELVIS AND THE KHILAFAT MOVEMENT

Prof. Syed Jamaluddin
New Delhi.

The Barelvi school and its founder, Maulana Ahmad Raza Khan (1856-1921), have not received adequate attention. This paper attempts to fill in this lacunae by placing the school, its ideologly, and its role in the Khilafat movement in a historical perspective.

Ahmad Raza Khan belonged to a noble *zamindar* family of Bareilly;[1] His father, Maulana Naqi Ali Khan, sent him to *maktabs* and *madrasas* in the neighbouring areas where he completed his education in 1869 — the year when he issued his first *Fatwa.* By 1904, Ahmad Raza Khan's fame and influence spread beyond the confines of India. His views on various religious issues and his participation in theological debates had widespread appeal, and he gained an impressive group of adherents. These were the followers of the *Ahl-i-Sunnat* or the Barelvi school.

The Barelvi school emerged in reaction to the movement of Muhammad bin Abdul Wahab and in opposition to the religious ideas of Shah Waliullah, Shah Ismail and the Deobandi *ulema.*[2] The followers of the theological school weie in agreement with Shaykh Abdul Haq of Delhi (155-1642) and endorsed his maxims in testimony of their beliefs.[3] Like Maulvi Fazal Haq of Khairabad (1797-1861) and Maulvi Fazli-e-Rasul of Badaun, Ahmad Raza Khan also stressed the need for conformity (*taqlid*) and the importance of combating the herein beliefs of the ulema of the line of Shah Ismail of Delhi.[4] This has led historians to describe the Barelvi movement as socially retrogressive and backward-looking. Thus W.C. Smith considers the Barelvi school as "*Moribund*". It expresses and sustains, he observes, the social and religious customs of a decadent people .... It is socially accommodating, winking perhaps at the drinking of wine and the like;,but at the same time it adheres to the prevailing superstitions, saint worship and degradations. The Barelvi clergy accept the piteous villages of India as they find them'; and their Islam is not without qualification or criticism of the actual religion of

Two couplets of a universally acclaimed *Salam* of Imam Ahmed Raza Khan are reproduced herebelow which fully depict the epoch of his devotion, beauty of expression and unparalleled impact:-

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ؞ شمعِ بزمِ ھدایت پہ لاکھوں سلام

Mustafa Jan-e-Rahmat Pay Lakhon Salam
Sham-e-Bazm-e-Hidiyat Pey Lakhon Salam

جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا ؞ اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

Jis Taraf Uth Gaie Dam mein Dam Aagaya
Us Nigha-e-Inayat Pey Lakhon Salam

Indeed the *Salam* is superb in its phraseology, symphony and impact.

In the context of grandeur of words, beauty of expression, most exquisite similies and metaphors and hidden symphony – all these elements put together are the basic elements of Imam Ahmed Raza Khan's *Naat*. The beauty of expression of the following couplets are worth seeing:-

سرتا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول ؞ لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول

Sar Taba Qadam hai Tan-e-Sultan-e-Zaman Phool
Lab Phool, Dahan Phool, Zaqan Phool Badun Phool

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا ؞ اتنا بھی مہ نو پہ نہ اے چرخ کہن پھول

Dil Apna Bhi Shaidai Hai Us Nakhun-e-Pa Ka
Ema Bhi Mah-e-Nau Pay Na Aey Charkh-e-Kuhan Phool.

In Urdu *Naatgoi* indeed Imam Ahmed Raza Khan has carved out his own place. The beauty and impact of Imam Ahmed Raza's *Naat* take the reader and listener into the realm of ecstasy, fascination and absorption.

and listener of this *Naat* into the realm of inexpressible ecstasy, Two couplets of this superb *Naat* are reproduced herebelow to authenticate and vouchsafe the beauty and impact of this *Naat*:-

لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

Lam Yati Naziruka Fi Nazarin
Misley to Na Shud Paida Jana

Jag Raaj Ko Taaj Torey Sar So
Hai Tujh Ko Shahey Dosara Jana

انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

Ana Fi Atashion Wa Sakhaka
A lam Aey Geisoey, Pak Aey Abrey Karam

Barsan Harey Rim Jhim Rim Jhim
Do Boond Edhar Bhi Gira Jana

The whole *Naat* is a unique specimen of inexpressible beauty, expression and craftmanship. The combination of expressions of different languages and the resultant symphony of words just penetrate into our heart and soul and bring us in the realm of unkhown ecstasy.

Urdu Naat is an expression of unparalleled devotion and heartfelt absorption with the personage of holy Prophet Muhammad (Allah's Grace and Peace be upon him). The more these components will be combined in any *Naat* the more will it raise the beauty of expression and symphony of words. The love and devotion of Imam Ahmed Raza Khan with the holy Prophet was at its optimum point coupled with his utmost scholasticism of the day. When all these qualities of head and heart mingled together, they took the shape of Ahmed Raza Khan's inimitable sublime *Naats*.

یہی پھول خار سے دور ہے ؛ یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

Yehi Phool Khar Sey Door Hai
Yehi Shama Hai Key Dhooan Nahien.

It is extremely surprising that he was not a disciple of any poet whereas his poetry and poetic composition is concerned and whatever he has said , has said it on the basis of his own practice and personal knowledge and study. The *Naatia* poetry of Imam Ahmed Raza Khan is replete with utter devotion and utmost absorption with the personage of holy Prophet so much so that no specimen of this sort is visible.

Before Imam Ahmed Raza Khan's scholastic depth and intellectual eminence all other persons of his age seemed to be mere *dwarfs*. In the words of *Wajahat Rasul Qadri* (English rendering done by the writer of this treatise):

"The greatness of Imam Ahmed Raza; his scholastic eminence, his craftsmanship, his unparalleled grip over the minutest ingredients of *Fiqah,* his inherent exquisiteness of mental ascension, his complete grip over the knowledge of *Quran* and *Hadith,* his mastery over ancient and modern knowlege, his excellence over seventy branches of knowledge and above all his unparalleled love and devotion to the august personage of holy Prophet Muhammad (Allah's Grace and Peace be upon him) were the qualities whose echo crossed the barriers of his home country and went to *Haramain Sharifien* and other Muslim countries. Thus not only in the sub-continent of South East Asia but his reputation could be heard in the distant parts of the Usmania Kingdom and the Muslim countries. The publicity of his epoch-making pen as well as his thinking and views overwhelmed all these countries".

Imam Ahmed Raza Khan had full grip and mastery over Arabic, Persian, Urdu and Hindi languages. He was fully conversant with the linguistic and phonetic charms of all the above four languages. His world renowned *Naat* in which expressions of the above four languages have been used keeping in view the innovation in the field is indeed a unique specimen of craftsmanship. Moreover besides this unique craftmanship of the aforesaid *Naat* its hidden beauty and unparalleled impact in context with devotion and absorption are some novel things which take the reader

(opening couplet) of Imam Ahmed Raza Khan, he was highly pleased and remarked: "Being a *Moulvi* he composes such a fine couplet". His above couplet is reproduced herebelow for the appreciation of the readers:-

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں

تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

Woh Soey Lala Zar Phirtey Hein
Terey Din Aey Bahar Phirtey Hein

Indeed the above couplet is extremely superb and is of such a fine stature that it should be admired to its utmost. A few couplets of Imam Ahmed Raza Khan's exceptionally popular *Naat* are reproduced herebelow, says he:

واہ کیا جود وکرم ہے شہ بطحا تیرا ؛ نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

Waah Keya Jood-o-Karam Hai Shahey Batha Tera
Nahien Sunta Hi Nahien Maangney Wala Tera

دریا چلتے ہیں عطا کے وہ ہے قطرہ تیرا ؛ تارے کھلتے ہیں سخا کے وہ ہے ذرہ تیرا

Dharey Chaltey Hein Ata Key Woh Hai Qatra Tera
Tarey Khiltey Hein Sakha Key Woh Hai Zarra Tera

تیرے صدقے مجھے ایک بوند بہت ہے تیری ؛ جس دن اچھوں کو ملے جام چھلکتا تیرا

Terey Sadqey Mujhey Ek Boond Bahut Hai Teri
Jis Din Achchoon Ko Miley Jaam Chalakta Tera

Subhanallah the exquisite beauty of the *Naat* is worth appreciation and praise. In the second line of the first couplet the use of expression *"Nahien Sunta Hi Nahien* has its own sublimity and impctance.

When the following couplet of Imam Ahmed Raza Khan was read before Abul Asar Hafeez Jullundhri, he remained extremely overjoyed for a considerable time:-

وہ کمال حسن حضور ہے ؛ کہ گمان نقص جہاں نہیں

Woh Kamal-e-Husn-e-Huzoor Hai
Key Guman-e-Naqs Jahan Nahien

مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں ؛ تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے

Madiney Jaoon Phir Aaon Doobara Phir Jaoon
Tamam Umr Isey Mein Tamam Ho Jaey

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے ؛ سانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

Yad Jab Mujh Ko Madiney Ki Fiza Aati Hai
Saans Leita Hoon To Jannat Ki Hawa Aati Hai

After Hazrat Ameer Minai if any other name keeping in view all the pre – requisites of Urdu *Naat* can be pin-pointed, then that is the name of Hazrat Imam Ahmed Raza Khan Barelwi (1272 AH to 1340 AH). Allama Shibli Naumani, Maulana Altaf Hussain Haali, Hazrat Ameer Minai and Akbar Allahabadi were the persons of his lifetime though he was much junior in age to Ameer Minai. The main theme of Imam Ahmed Raza Khan's poetry is the unabounded love of holy prophet Muhammad's (Allah's Grace and Peace be upon him) personage, life and life deeds. Imam Ahmed Raza Khan Barelwi was one at the same time the man of *Shariat* and the man of *Tariqat* both. His *Dewan* (Collection of Poetry) has been published by the name of *AHadaiq-e-Bakhshish"*. The writer of this treatise produces herebelow an extract from his own book "*Urdu Naat-Tarikh-o-Irteqa*" (English rendering done by the writer of the treatise too):"His mode of expression though simple is refreshing and spontaneous. In it is the flair of devotion, fascination and absorption. The same path that Ameer Minai first explored,(Imam) Ahmed Raza Khan stuck to it with firm foot and composed his *Naatia* poetry with full devotion".

Whereas the structure of his *Naats* are concerned these have been composed in poetical medium of *Ghazal* (Lyrics) in which devotion and attachment is the main factor of its composition. Since Imam Ahmed Raza Khan belonged to the Lucknavi school of Poetry, there are extra linguistic sweetness and flair in his composition. Imam *Sahib* one at the same time had full grip on Arabic, Persian, Hindi and Urdu languages.

A poet of the stature of Dagh Dehlavi had immensely admired and appreciated the consummation of his craft. According to Pro. Zaigham Shamravi when Dagh Dehlavi read the following *Matla*

Imam Ahmed Raza Khan's Place in urdu Naatia Poetry

By S. A. H. Naqvi

Urdu *Naat* (Urdu Reverential poetry) owing to its historic, linguistic and multi–religious social background of the Sub–continent is not only different but unique as compared to Naatia poetry of other languages. The intrinsic substance and matter of Urdu Naat is not only the exposition of its unabounded love of holy Prophet Muhammad ((Allah's Grace and Peace be upon him) but projection of an exuberant and inexpressible attachment with the personage of holy Prophet also.

This *Ishq-e-Rasool* or inexpressible attachment and unabounded love with the personage of holy prophet (Allah's Grace and Peace be upon him) is the biggest fountainhead and source of this vehemently attached and introvert piece of poetry. This introvert fascination and unabounded love has given Urdu *Naat* (Urdu Reverential poetry) a peerless demeanour and shape. In this connection the writer of this treatise's recently published book "*Urdu Naat – Tarikh-o-Irteqa*" fully pinpoints and envelops the above for corners and pre-requisites of this species and is a perfect testament in this respect.

This introvert fascination and attachment has immensely influenced the diction and shape of species. Thus for this expression of introvert attachment as medium of poetry the species of "*Ghazal*" was chosen and Hazrat Ameer Minai emerged as the progenitor of this spcies of poetry in Urdu.

Before throwing light on the Naatia poetry (Reverential poetry) of Imam Ahmed Raza Khan, it seems in the fitness of the things to elucidate in consonance with lyrical and introvert aspect of the poetry some specimens of beautiful *Naatia* couplets of Hazrat Ameer Minai so that it could be well understood what elevated place in *Naatia* poetry Ameer Minai held. Says he:-

بلندی پہ اپنا نصیب آگیا ہے ؛ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ قریب آگیا ہے

Bulandi Pey apna Nasib Aagaya Hai
Muhammad Ka Rouza Qarib Aagaya Hai

47 Syed Shamsul Hasan, op. cit. P. 23.

48 Quaid-i-Azam Jinnah, A chronology,
published by Quaid-i-Azam Academy, Karachi (1981) p. 14

49 Ibid, P. 14-15.

50 Syed Shamsul Hasan, op. cit, p. 23.

51 Ibid.

52 Ishwari prasad, op. cit. P. 408.

53 Syed Shamsul Hasan, op. cit. P 24.

54 Ibid.

55 Young India, April 2, 1925, The Collected Works of Gandhi, vol.26, P.442

56 Ibid

57 Collected Works of Gandhi, P. 270

58 Masood Ahmed, Fazil Barelvi Awr Tark-i-Muwalat
(Lahore, 1971) P.76, n. 1.

●

19 P.C. Bamford, Histories of Non-Co-operation and Khilafat Movements (Delhi, 1925) P. 164.

20 Ibid, P. 161 ff. n.66

21 Uma Kaura. op. cit p.23

22 Syed Shamsul Hasan, op. cit. P. 24.

23 Uma Kaura, op. cit. p.22.

24 I.H. Qureshi, Ulema in politics, op. cit. P. 270

25 Ibid, P. 270-271.

26 Ibid P. 369.

27 Masood Ahmed, Fazil Barelvi awr Tark-i-Muwalat (Lahore 1971) P. 16.

28 I.H. Qureshi, Ulema in politics, op. cit. P. 363.

29 Syed Jamaluddin, 'The Barelvis and the Khilafat Movement' (article) Moarif-e-Raza, 1986 vol. 6 Published by, Idara-e-Tahqiqat-e- Imam Raza, Karachi. P. 23.

30 Robinson, op. cit. P. 422

31 Jamaluddin, loc. cit. p. 23.

32 Rais Ahmad Jafri, Awraq-i-Gumgashta, (Lahore, 1968) P. 249.

33 Ibid, P. 250.

34 Ibid, P. 298

35 Ibid, P. 299.

36 Ibid, P. 263-264.

37 Mashriq, Gorakhpur, 7th October, 25th November 1920.

38 Syed Jamaluddin, loc. cit P. 22.

39 Ibid.

40 I.H. Qureshi, Ulema in politics, P. 365.

41 Masood Ahmad, op. cit. P. 45.

42 Francis Robinson, op. cit. P 422.

43 Syed Shamsul Hasan, Plain Mr. Jinnah (Karachi, 1976) P. 18

44 Ibid.

45 Ibid, P. 19.

46 Syed Sharifuddin Prizada, Foundations of Pakistan, (Karachi, 1969) Vol. I. P. 543.

REFERENCES AND NOTES

1 According to Ian Stephens "the Congress, a Hindu-dominated body was bent on the Muslims' eventual absorption". Ian Stephens : Pakistan (London, 1963), P. 76.

2. Halide Edib, Inside India (London, 1937), P. 341.

3. Chaudhary Rahmat Ali, Pakistan, the Fatherland of the Muslim Nation (Lahore, 1978) P. 207.

4. Mr. Jinnah quoted by M.A.H. Ispahani in:
Reminiscences of the Day of Deliverance, (Karachi, 1976) P.1.

5. Matlubul Hasan Sayyid, Mohammad Ali Jinnah : A political Study (Lahore, 1953 ed) P. 477

6. Z.H. Zaidi, 'Aspects of Muslim League Policy'. (article),
The Partition of India (eds.), Philips and Wainwright, P. 225.

7. B.R. Ambedkar, Pakistan or the Partition of India, (Bombay, 1946) P. 38.

8 Uma Kaura, Muslims and Indian Nationalism,
(Delhi, 1977) P. 22

9 Ishtiaq Husain Qureshi, The Struggle for Pakistan, (Karachi, 1974) P. 43.

10 Quoted by Muhibbul Hasan in 'Mahatma Gandhi and Indian Muslims' in S.C. Biswas, ed. Gahndi Theory and Practice : Social Impact and Contemporary Relevance, (Simla, 1964) P. 132.

11 Ishwari Prasad, History of Modern India,
(Allahabad, 1951) P. 387.

12 Francis Robinson, Separatism Among Indain Muslims (Cambridge University Press, 1974) P. 327

13 Ishtiaq Husain Qureshi, Ulema in Politics, (Karachi, 1974), P. 269.

14 Statement of Maulana Abdul Bari quoted in Francis Robinson. op. cit. P. 327

15 Ibid.

16 Ishtiaq Husain Qureshi, Ulema in politics, op. cit. P. 266.

17 Robinson, op, cit. P. 325.

18 Syed Shamsul Hasan, Plain Mr. Jinnah, (Karachi, 1976) P. 18

When Maulana Ahmed Raza Khan died in 1921 at the age of 65, Mr. jinnah was only 45 years old. Maulana Ahmad Raza had a long experience to his credit. He knew the ins and outs of the Hindu community more thoroughly than Mr. Jinnah and he had also been watching the role of the Indian National Congress from its very inception (1885). His knowledge of human nature was extensive enough to understand the diplomatic moves of a leader like Mr. Gandhi.

As mentioned earlier, Maulana Ahmad Raza Khan was opposed to: (a) Hindu-Muslims union, (b) Indian National Congress, (c) the Lucknow Pact(1916) and (d) the policies of Mr. Gandhi. On the contrary Mr. Jinnah was involved in all four of them: (a) he was described as the 'Ambassador of Hindu-Muslim Unity' (b) he remained a prominent member of the Congress, (c) he played the most important role in bringing about the Lucknow Pact (1916) and (d) he also worked with Mr. Gandhi on the political platform of India. But as time passed and he had opportunities of experiencing each one of these elements more closely, Mr. Jinnah, like Maulana Ahmad Raza Khan, got disgusted with all four of them. Hindu Muslim unity failed; the Congress disappointed him with its anti Muslim and dictatorial attitude; the clauses of the Lucknow Pact were openly flouted by the Congress itself; and Mr. Gandhi's policy was all what the Congress had been doing.

When Mr. Jinnah reached the age of Maulana Ahmad Raza Khan (65) his views regarding all the above-mentioned points were in perfect harmony with those that Maulana Ahmad Raza Khan held in his life time.

Being absolutely disappointed by the pro-Hindu attitude and policies of Mr. Gandhi and the Indian National Congress, Mr. Jinnah, who was by now the Quaid-i-Azam, led the Muslims to demand a separate homeland. In 1940 he presented a two-nation theory whereby he proved that "Muslims are a nation by all cannons of international law". On the basis of the separate nationhood of the Indian Muslims, the British had to partition India and thus in 1947 the Muslim state of Pakistan came into being.

It is said that Maulana Ahmad Raza Khan had also suggested the idea of 'two nations' as early as 1897 at the All Indian Sunni Conference at Patna, but in documented form his concept of two nations appeared in 1920.[58]

Thus if we see through the culmination of the Indian Muslims' struggle, we find complete congruity between the thoughts of these two personalities on the Muslim politics of the Subcontinent.

of the Khilafat Committee, Mr. Jinnah's warning again remained like a cry in the wilderness.

When in December 1920, Mr. Gandhi offered Mr. Jinnah to join with him in the scheme of non-cooperation, Mr. Jinnah plainly rejected his offer. About Mr. Gandhi's 'methods' and 'programme', Mr. Jinnah wrote to him:

> " Your methods have already caused split and division in the public life of the country, not only amongst Hindus and Muslims, but between Hindus and Hindus and Muslims and Muslims and even between fathers and sons; people generally are desperate all over the country and your extreme programme has for the moment struck the imagination mostly of the inexperienced youth and the ignorant and the illiterate".[52]

On 6th February 1922 Mr. Gandhi shocked the Muslims by suddenly announcing the suspension of the non-cooperation movement. He took plea that the movement was getting violent. But before calling off the movement he did not consult the Khilafat leaders.[53]

Mr. Gandhi's decision to suspend the movement caused perturbance among the Muslim masses because all the sacrifices rendered by them had gone waste. In the entire Subcontinent a complete chaos prevailed and "the leaders of the movement failed to check the indiscipline among rank and file".[54] In 1924, however, Mustafa Kamal of Turkey himself abolished the institution of Caliphate.

The end of the Khilafat movement in fiasco, brought about a terrible period of increasing Hindu Muslim antagonism. Communal riots flared up in several places. Movements of communalism such as 'Shuddi' and 'Sangathan' movements among the Hindus and 'Tabligh' and 'Tanzim' among the Muslims raised their heads. Regarding the Hindu Muslim riots Mr. Gandhi's attitude was clearly anti-Muslim and pro-Hindu. Blaming the Muslims to be disloyal to India Mr. Gandhi wrote that the Muslims "do not yet regard India as their homeland of which they must feel proud".[55] Similarly he described Muslims to be violent and lawless when he wrote that "Mussalman as a rule is a bully and the Hindu as a rule is a coward... he is essentially non-violent".[56] In the same wave of his writings he encouraged the Hindus to retaliate and not to be "seized with fear".[57]

Seeing this post-Khilafat attitude of Mr. Gandhi the people including Ali Brothers were much too disappointed. They now recalled the warnings of Maulana Ahmed Raza Khan and realised the truth therein. But now it was too late. The Maulana had already departed from this World in November 1921.

hardships for the Muslims".[43] He suggested that Muslims should fight the British Government only according to their individual capability and capacity because he felt that the time was not ripe to subject the people to any severe test.[44]

In September 1920 when Mr. Gandhi presented the non-cooperation programme in the form of a resolution at the special session of the Indian National Congress in Calcutta, Mr. Jinnah was the only person who opposed it.[45] He alone could not do anything and naturally the resolution as moved by Mr. Gandhi was carried.

In the Muslim League session (September 1920) which was presided over by Mr. Jinnah, he again warned the delegates to thoroughly examine the scheme of non-cooperation before they actually adopt it. He said:

> "Mr. Gandhi has placed his programme of non-cooperation. The operation of this scheme will strike at the individual in each of you, and therefore, it rests with you alone to measure your strength and to weigh the pros and cons of the question before you arrive at a decision".[46]

The entire session of the League was totally swamped in the Khilafat fever, therefore Mr. Jinnah's warning was not heeded to, and when Maulana Shaukat Ali moved the resolution about non-co-operation, it was unanimously passed.[47]

Mr. Jinnah had to pay a very high price for his opposition to the non-cooperation scheme at the Nagpur session of the Indian National Congress on 28th December 1920. Being true to his character, Mr. Jinnah frankly opposed Mr. Gandhi's non-cooperation programme in this session also and termed it as 'dangerous for the future of the country'; he said that 'Gandhi always caused split and disorganisation and that his programme would end in disaster'.[48] At this statement Mr. Jinnah was 'shouted down and humbled' by the audience. Maulana Shaukat Ali passed 'objectionable remarks against Jinnah and ran toward him with a fist turned against him but was prevented from harming Jinnah'.[49]

Two days after the Congress session, Mr. Jinnah had to face the Muslim League session presided over by Dr. Ansari on 30-31 December 1920, at Nagpur. Here again, in his speech, he opposed the non-cooperation scheme as usual, and was confronted with a hostile audience hooting and booing him wildly.[50] But despite all this nuisance, he stood firm and in a few terse sentences he communicated his warning that 'the course (non cooperation scheme) they had adopted could neither lead them to freedom from foreign yoke nor help the Turkish cause'.[51] Since this session, like earlier ones, was in total grip

Muslims were mercilessly slaughtered or burnt alive; how mosques were demolished and the pages of the Holy Quran torn. [32] He also reminded the Muslims of Mr. Gahndhi's anti cow-sacrifice attitude and his statement that he (Gandhi) would prevent Muslims by sword if they did not desist from sacrificing the cow.[33]

After quoting this black history of the Hindu policy, Maulana Ahmad Raza Khan made a logical and threadbare analysis of the non-cooperation scheme and pointed out how it would cause social, political and economic damage to the Muslims. [34] He also vehemently opposed the *'fatwa'* of *'hijrat'* (migration) and described it as a conspiracy against the Muslim community whereby all the Muslims should vacate India and leave the whole country free for the Hindus to prosper.[35] In short he warned the Muslims that the ulterior motive of both the schemes was to drive Muslims to poverty and backwardness, hence the Muslims should keep away from these traps.[36]

Even prior to the publication of his treatise, Maulana Ahmad Raza had "issued a *'fatwa'* declaring India to be *'Darul Islam'*, making it a sin for Muslims to associate with infidels and declaring it scandalous that they allowed themselves to be duped by Gandhi". [37] He was convinced that Gandhi was an enemy of Muslims and wanted to exploit them for the promotion of Hindu ideals.[38] When Mr. Gandhi sought an interview with Maulana Ahmed Raza, he declined to meet him.[39]

Maulana Ahmed Raza and his followers were vehemently "opposed to the Muslims accepting the leadership of the Congress because they were convinced that it would lead to the Muslims gradually losing their identity and accepting Hindu ideas and mores".[40] The Maulana was deadly against the Hindu-Muslim union. This he frankly told Ali Brothers who approached him to seek his support for the non-cooperation *'fatwa'*, however the Maulana made it clear to them that he was not opposed to the freedom of India.[41]

As a distinguished theologian Maulana Ahmed Raza Khan commanded great respect from the Muslim masses and therefore, his *'fatwa'* and statements on *'hijrat'* (migration) and non-cooperation were quite effective in countering the *'muttafiqa fatwa'* of Jamiat-ul-Ulama-i-Hind. He also organised a conference of anti non-cooperation *Ulema* at Bareilly.[42]

There was another personality voicing his opposition yet from a different platform. It was Mr. Jinnah (1876-1948) who later came to be the founder of Pakistan. As a political leader and as head of the Muslim League, he opposed the non-cooperation programme chalked out by Mr. Gandhi and the Khilafat Committee. He believed that "resignation from services and boycott of Government institutions without making alternate arrangements would inevitably result in unendurable

Not only in the fields of economics and education but in every sphere including that of religion, the Indian Muslims had blindly surrendered themselves to the leadership of the Congress, Mr. Gandhi and the Hindus. During the days of the Khilafat, a staunch Hindu leader Svami Sharadhananda was honourably brought into the Jami Masjid of Delhi and seated on the pulpit to make a speech.[24] Perhaps the most crazy part of Hindu-Muslim unity during the movement was that Muslim theologians began "to search out verses of the Holy Quran and sayings of the Prophet for the purpose of supporting Mahatma Gandhi's dicta and Indian National Congress resolutions". [25]

While the entire Muslim community of India seemed to be swept away by the storm of non-co-operation, there were two striking personalities who rendered maximum resistance to this Gandhian storm from their respective forums. They were Maulana Ahmed Raza Khan and Mr. Mohammad Ali Jinnah. Although one was a religious scholar and a *'pir'* and the other was a Western-educated political leader, yet there was complete unanimity in their views and apprehension pertaining to the Khilafat and non-co-operation movement. Both of them played commendable roles in constantly warning the Muslim community against the game of Mr. Gandhi and the Indian National Congress.

Maulana Ahmad Raza Khan (1856-1921), the founder of the Barelvi School, was among the great scholars of his period. He was an eminent jurist and his rulings commanded respect.[26] Testifying his genius, the poet-philosopher Dr. Iqbal said that "if there had been no extremism in his temperament he would have been Imam Abu Hanifa of his times."[27] He wrote nearly thousand books. As scholar and spiritual guide he "wielded greater influence upon his followers than any other theologian of the Subcontinent among his contemporaries". [28]

Maulana Ahmad Raza Khan was not a politician but as religious guide he felt concerned about the protection of rights and welfare of the Indian Mussalmans. He was bitterly opposed to the Hindu-Muslim union. So much so that he even vigorously opposed the Luknow Pact (1916) as it involved Muslims' co-operation with the Hindu-dominated Congress. [29] He was a consistent theological opponent of both Farangi Mahal and Deoband School. [30] He did not like the conciliatory approach of the *Ulema*.[31]

Maulana Ahmad Raza Khan most severely criticised the non-co-operation scheme and its author Mr. Gandhi who according to him was exploiting the Muslims just to promote the interests of the Hindus. He set forth his ideas in his treatise, named : *AL MUHAJJA AL-MUTAMINA (1921)*. In this treatise he cited specific cases of the inimical treatment meted out to the Muslims by the Hindus: how the

in the Khilafat movement and paying tribute to him, Maulana Muhammed Ali said, "I declare today that the Indian Army is the army of Mahatma Gandhi; the Indian police is the police of Mahatma Gandhi; every man is on the side of Gandhi, nay, on the side of religion and country". [19] From this statement of Maulana Muhammed Ali, it is evident that during the movement Mr. Gandhi was regarded as a symbol of both religion and country.

Whatever might have been Mr. Gandhi's position in the eyes of the Khilafat leaders and general Muslims, it was obvious that he did not support the Khilafat movement out of love for the Muslims' Caliph or the Trukish Empire. As astute politician he realised that the upsurge of the Muslim zeal over Turkish crisis could be well utilised for the purpose of liberating India from the clutches of the British. He never lost sight of this ultimate aim through the whole movement. Accordingly when the Khilafat Committee entrusted Mr. Gandhi with the leadership of the non-co-operation movement in August 1920, "he merged it with national issues like the 'Punjab wrongs' and the achievement of '*Swaraj*' (self rule)". [20] Under the influence of Mr. Gandhi the Khilafat Conference passed resolution in Meerut on 7th April 1921 that the Muslims Should adhere to non-co-operation until '*Swaraj*' (self rule) was obtained. [21] A similar resolution, promising to continue the struggle till the attainment of '*Swaraj*', was also passed in the Council meeting of the Muslim League (November 1921) during the Khilafat movement. [22] These instances are quite indicative of the ultimate objective of Mr. Gandhi's support and leadership of the Khilafat movement.

Through his genius, Mr. Gandhi set such a logic before the Indian Muslims that they began to consider the liberation of India or '*Swaraj*' as a pre-condition for the achievement of the Khilafat ideals. Once Mr. Gandhi himself stated that he joined the Khilafat movement to help the Muslims because "their success meant *Swaraj* ".[23] In short Mr. Gandhi left no stone unturned in moulding the Muslims' Khilafat movement into a nationalist movement aimed at the freedom of the Subcontinent.

The non-cooperation scheme which was the brainchild of Mr. Gandhi, brought severe hardships for the Muslims. They had already been far behind their Hindu-countrymen in the fields of economics and education. Now due to the non-co-operation programme they had to leave their honorary offices; the lawyers had to suspend their lucrative legal practices; the businessmen dealing in foreign goods had to close their business. The worst of all was the withdrawl of Muslim students from their educational institutions and thus dooming their prospects for practical life. Such were the sacrifices that already-backward Muslims had to undergo during the Gandhian non-co-operation scheme.

withdrawl of students from institutions, maintained and aided by the Government; boycott of British courts by lawyers and litigants; boycott of legislative councils and their elections and the boycott of foreign goods. This scheme, whose author was Mr. Gandhi, was approved in their meetings by the Muslims all over India. The Congress had not yet officially endorsed this programme.

To consider this scheme, a special session of the Congress was convened in Calcutta on 7th September 1920. In this session Mr. Gandhi himself moved the resolution of non-co-operation programme and got it passed by the Indian National Congress.

Not only the prominent Muslim leaders or general public but also the *'Ulema'*(Muslim religious Scholars) were swayed by the Gandhian tide of non-co-operation. In November 1920 a *'fatwa'* (religious ruling), eventually signed by 500 ulema,[12] was issued by Jamiat-i-Ulama-i-Hind. This *'fatwa'* which was drawn 'on the lines of the Congress resolution'[13] (September 1920) and claimed to be *'muttafiqa'* (unanimous), made 'non-cooperation a duty' [14] and declared it 'lawful to ally with Hindus and follow Gandhi'.[15] A full-blast publicity of this *'muttafiqa fatwa'* was made through press and verbal preachings of the *Ulema* of Firangi Mahal, Nadwat-ul-Ulama and Deoband. A number of Muslims who, hitherto, had some reservations, now freely joined the non-co-operation scheme after the release of *'muttafiqa fatwa'* by the *Ulema*.

Besides the *'muttafiqa fatwa'* of non-co-operation, there existed another *fatwa*, relating to *'hijrat'* (migration) of the Muslims from India. As India was regarded *'Darul Harb'* (land of infidels/battle), the Muslims were encouraged to migrate to *'Darul Islam'* (some Muslim country) if they so desired. Under the influence of this *fatwa* (issued by Maulana Abdul Bari) about twenty thousand Muslims sold out their lands, properties and even their household goods at very cheap prices and migrated to Afghanistan,[16] which was *'Darul Islam'* to them. Most of them could not reach Afghanistan and died in the way. It is reported that this "*hijrat fatwa* sent ten thousand Sindhis to their deaths in Khyber Pass" [17]. Thus the miserable migration of Muslims from India was another feature of the Khilafat and non-co-operation movement.

The Khilafat and non-co–operation movement proceeded so vigorously that at certain point of time it shook the roots of the British Government in India. Although it was basically a Muslim movement and Maulana Muhammed Ali and Maulana Shaukat Ali had been its most prominent leaders yet it appeared that the real moving spirit behind the movement was Mr. Gandhi who had the steering in his hands. The other Khilafat leaders had reposed blind confidence in Mr. Gandhi; "they consulted him and acted under his guidance at every stage". [18] Mr. Gandhi had assumed the position of an 'uncrowned king' among the Muslim leaders as well as the masses. Assessing Mr. Gandhi's position

self-government to India as was taken for granted by the Indians. The anger of the Muslims, on the other hand, was due to a different cause altogether. They were restless over the humiliating treatment meted out to Turkey, the seat of the Muslims' Caliph, by the victorious Britain and her allies. They were furious with the British for the failure to honour their promise regarding the integrity and freedom of the areas which were predominantly Turkish in character and were supposed to remain under Turkey. Thus we see that in true sense the causes of discontentment of the two communities were separate and different. But since the foe was common, it was natural for the two communities to be united against him.

Being moved purely by their religious sentiments the Muslims of India started a countrywide agitation for the preservation of the Caliphate and restoration of the Turkish possessions. This was called Khilafat movement, and as it is evident from its name, this movement should have been concerned with the Caliph and the matters related to Turkey. Initially the agitation had been disorganised but with a view to giving an organised form to their activities, the leaders formed an All India Khilafat Committee in November 1919.

Seeing the degree of the Muslims' fury and emotion "Mr. Gandhi seized the opportunity of championing the cause of the Muslims in order to win their confidence and enlist their support for the freedom movement".[8] As soon as he smelled Muslims' intention of launching the Khilafat movement, Mr. Gandhi rushed to declare his own support as well as the support of the Congress, to the movement. Mr. Gandhi knew full well that this was the best chance of 'bringing the Muslims close to the Congress'.[9] With reference to the Hindu-Muslim union, Mr. Gandhi described the Indian Muslims' discontent over Turkey as an "opportunity" 'that would not arise in a hundred years'.[10] Regarding the Congress' support under the leadership of Mr. Gandhi, Ishwari Prasad, a renowned historian, points out that "the Congress support of the Khilafat movement was a measure of politics rather than of conviction".[11]

Mr. Gandhi not only extended his support to the Khilafat movement but also suggested a supplementary programme of non-co-operation as an instrument to compel the British to revise their policy. The chief purpose of adding the scheme of non-co-operation to the khilafat movement was to intensify and accelerate the movement. The Muslims, without anticipating the consequences, welcomed both Mr. Gandhi's support as well as his radical suggestion of non-co-operation.

The plan of non-co-operation as suggested for the Indians, included: the surrender of titles and honorary posts; refusal to attend official and semi official functions organised by the government;

the religions of the two major communities of the Subcontinent finally resulted in the partition of India in 1947.

The separate entity of the Muslims was not only recognised by the British who granted them the right of separate electorate (1909) but also accepted by the Indian National Congress through the Lucknow Pact (1916). But this recognition and acceptance of the separate status of Muslims did not last very long. By its acts and policies in subsequent years the Congress proved that it was not sincere in its earlier commitment. It clearly demonstrated anti Muslim attitude and in the words of Mr. Jinnah it gave the Muslims and the Muslim League "the treatment which a beggar deserves".[4] The Congress and other Hindu organisations began to speed up to assume supremacy and domination over the Muslims by establishing one central government in the whole of India and keeping the Muslims merely in the position of a minority.[5] In the course of this process Mr. Nehru started claiming that "there were only two parties in India– the government and the Congress– and others must line up".[6] According to B.R. Ambedkar, the Congress being Hindu in its composition was "bound to reflect the Hindu mind and support Hindu aspirations".[7] However, being forced by this narrow-mindedness and high – handedness of the Congress and Hindus, the Muslims of India took resort to demanding partition as the final solution of an age-old communal problem of India. At this stage the Muslims were totally convinced that the Hindu-domination would be inevitable in a federally united India, no matter how loose the federation might be.

Despite the glaring differences between the Hindus and the Muslims, the inter-communal behavior of the two communities was not always that of hostility nor was it always that of friendliness. It varied from period to period– sometimes friendly, sometimes antagonistic. Of course the basic differences always remained present in their hearts and minds.

The Hindu-Muslim communal relationship in different periods also depended upon the relationship of each of these communities with the third party in the triangle, namely the British rulers. In the balance-of-power-game, the British sometimes sided with the Muslims and sometimes with the Hindus. In either case the Indians stood divided and the Hindu-Muslim relations remained strained. But if both the Indian communities came in conflict with the British rulers, the former got united and friendly. This is what happened in the period between 1913 and 1922, and specially during the three years following the First World War.

After the First World War both Hindus and Muslims grew angry with the British Government, the Hindus and the Indian National Congress were angry chiefly because the British did not grant complete

MAULANA AHMAD RAZA AND MR. JINNAH:

CONGRUITY OF THEIR VIEWS ON CONTEMPORARY MUSLIM POLITICS IN INDIA.

DR. SYED AZHAR ALI

Maulana Ahmad Raza Khan and Mr. Mohammad Ali Jinnah belonged to two divergent spheres of life: the former was a theologian and a spiritual guide while the latter was a lawyer and a political leader. But despite the diversity of their fields, there is one element in common, namely their glowing contribution in salvaging the Muslims of the British India from eventual absorption into the "Indian nationhood" as was desired by the Congress.[1]

The common Muslims in British India were in a mist of confusion as expressed by a Muslim writer to Halide Edib, a Turkish lady journalist who toured India in 1935. The writer asked how patriotic Muslims could play a constructive role in nation building. 'If they worked for the welfare of their own community, they were dubbed communalist; if they tried to join Gandhi's spinning project they were out of place as meat-eaters, and if they worked for the abolition of untouchability, they incurred the displeasure of Gandhi himself'.[2]

It is true that the Muslims in British India had been confronted with dilemmas whenever they tried to take political initiatives. But in the last and final analysis one would find that the entire struggle for the Indian Muslims, from the decline of the Mughal Empire to the creation of Pakistan, moved on the pivot of religion. Hindus and Muslims lived in the same country but just like water and oil which do not intermix. To Muslims, Islam was not merely a faith but also a way of life and social system. The Hindus had such a degree of inherent rivalry towards Muslims that 'if a Muslim described water as liquid, they would call it stone'[3]. Hence in every conflicting issue of the Muslims with their Hindu countrymen, religion was always involved in one way or the other, irrespective of the apparent nature of issue. Sir Syed Ahmad Khan (1817-1898), Maulana Muhammad Ali (1878-1931), Dr. Mohammad Iqbal (1876-1938) and Mr. Mohammad Ali Jinnah (1876-1948) made exhaustive efforts to bring about a permanent Hindu-Muslim friendship but ultimately all of them failed in their attempts. The difference between

In conclusion, to my mind it is indeed regrettable that up till now Western scholars of Islam in the Indo-Pakistan Subcontinent have grossly neglected the study of this Imam who has had and still has an impressive hold on his admirers, even in far away countries, as for instance, Holland.

Foot Notes:

1) Ahmed Rada Khan Barelwi, al-Ataya'l-Nabawiyya (Lyallpur 1326/1908) I, 418.
2) Al-Ataya'lNabawiyya (Faysalabad 1400/1980) II, 333.
3) Al-Ataya'lNabawiyya (Lyallpur 1394/1974) IV, 8. But there is no harm in kissing the threshold of a shrine; and the sharia does not forbid to walk backwards from the shrine with hands folded behind one's back.
4) Ahmed Rida Khan Barelvi, Fatawa Afriqa (Karachi 1977) P.83.
5) Al-Ataya'lNabawiyya (Lahore 1986) X, 1.139.
6) Al-'lNabawiyya (Karachi 1985) VI, 155.
7) Al-Ataya'lNabawiyya (Karachi 1985) VI, 178.
8) Ahmed Raaza Khan Barelwi, Majmu i Rasa il (Karachi 1985) p.51.

(Prof. Dr J M S Baljon)
Emeritus Professor of Islamolgy
University of Leiden (Holland)

Imam Ahmed Raza Khan

A Dutch Scholar's View

As a non-Muslim Dutch scholar I consider it a great honour to be invited by the *Idara-i-Tehqeeqat-e-Imam Ahmed Raza* to offer some comments on the special importance of the Imam with respect of his interpretation of Islam in behalf of his followers. To this end I should like to highlight three characteristic features of his thought. First of all, the Imam is aware of the exigency to keep in view the immediate needs of the people he has to guide when pointing out the relevance of his mission for the current circumstances. Because of changed conditions, so he argues, it might be necessary to deviate from the letter of statements made by the founder of the *madhhab*. Reasons for such a necessity could be the institution of customs *(urf)* not yet existing at the time of the foundation of the *madhhab*, the urgency of a removal of a knife-edge situation, considerations of expediency, or combatting causes of moral corruption. These cases, however, are always tied up with principles of the *madhhab*, for if the founder of the *madhhab* would have been alive, he would have regulated precisely the same.[1] Secondly, another distinguishing characteristic of Ahmed Raza's disposition is his willingness to show consideration for sentiments and cravings of the common man, on condition that not bcause of it a stipulation of the *sharia* will be violated. Accordingly, the Imam sanctions *salats* performed at the right or left side of a saint's shrine in order to enlist help from his benevolent spirit,[2] but deems advisable to refrain from kissing the shrine itself;[3] equally, it is a baseless custom to lay on it shaven hair of newly born children.[4]

A third aspect of Ahmed Raza's teachings which deserves particular attention is his profound veneration of Muhammad((Allah's Grace and Peace be upon him). Not joining in the rising up *(qiyam)* during the *melad* ceremonies is tantamount to committing a serious affront to the Prophet.[5] Actually, the Messenger of God possesses all conceivable perfections with the exception of divinity.[6] Thus, for instance , he was guarded against nocturnal emision.[7] He did not cast a shadow. For after having cleared his body from all coarse elements, God has made him pure light.[8]

Imam Ahmed Raza Khan

A Towering Personality

By
Barbara D. Metcolf: California

The late nineteenth century was a period of far-reaching change in the religious life of north Indian Muslims. In that period a variety of thinkers arose who attampted to re-state and clarify what they took to be the correct interpretation of their faith. The schools of thought that emerged are ones that persist down to today – *Deobandi, Ahl-i-Hadis, Nadwi, Ahmadi* and the one of interest here, the Barelwi or, as they often identify themselves, the *Ahl-i-Sunnat Wa Jama'at*. The so-called modernists, who also emerge in this period, often label the '*Ulema* as unchanged'. As these names suggest, however, the '*Ulema* also changed.

Ahmed Raza Khan saw himself as protecting Islam from inappropriate reform. He cherished and defended the religious style that had evolved in the South Asian setting including customary life cycle celebrations and sufi observances like '*urs*' and meditation on the image of the shaikh; he encouraged the spread of celebration of milad. In so doing he brought a systematization and intellectual justification to customary practices which, as he saw it, preserved the lofty role and dignity of the saints and, above all of the Prophet. He participated fully in the newly important techniques of confrontation and dissemination of his day: public debates, pamphlets, publications.His traslation and commentary on the Qur'an and his extensive *fatawa* illustrate the kinds of works that the printing press now made ever more available . He played a substantial role in making religious style self-conscious and oppositional, as ever more people were drawn into increased knowledge of Islam and an increased sense of right and wrong pratice. He exemplifies the new social role of the *ulama* who became popularly based figures apart from the apparatus of the state.

Ahmed Raza himself was a towering figure, revered for his extraordinary memory, mental agility, and intellectual capacity, and honored as a *mujaddid* and a *shaikh*. Circumspect in his relation to the British Gvernment, he sought above all to quard what he saw as correct practice and to mke religion vital in the personal life of Muslims of his day.

occasion. Some struggled to make it even more transparent to the truth. Perhaps they also succeeded. They saw their role as that of knights of rationality and academic rigour: greater attention should be paid to intellectual disciplines or to the attainment of theological purity in conformity with an austere spiritual, cerebral and ethical heritage that eschews passionate devotion to the means and instruments of divine action and focusses only on the Ultimate. Such sceptical perspectives were expressed articulately or implicitly. In the end, they have to stand.

For this writer, attendance at the seminar was instructive and gave real insight. Exposure to the intense religious passion of Imam Ahmed Raza – interpreted sympathetically through the experience (personal, psychological, ethnic; poetic and enthusiastic) of Ghayas D. Qureshi – proved to be a moving occasion.

Courtesy: "The Islamic Times", Stockport, U.K.

The Imam's reply was to the effect that he was such a poor imperfect Muslim, that it was better for him to acknowledge that the prophet was the servant of God, and that he, Raza, was only a servant of the prophet: a stage further removed from God, so to speak.

The passion and commitment with which Ghayas D. Qureshi spoke at this meeting of academics was itself testimony to a highly significant mode of religious experience. That experience Mr Qureshi summarised in the single English word 'love': love for God focussed in love for the Prophet (Ishq-i-Rasool). Affirmation of the significance of this spiritual experience was fully explicit in G.D. Qureshi's address. Devotion to God in the case of Imam Ahmed Raza, manifested itself in an ardent love for the prophet who was perceived as the *zill* of the divine, interpreted not in a passive way but positively, actively and with personal instrumentality.

The passion with which Mr Qureshi spoke gave an unusually personal and authentic flavour to the seminar: for those present it was an encounter with religious ardour itself, which was the subject of the research under discussion. Thus the seminar was no longer a purely aloof ivory tower — a sanitised area, sterile and 'germ-free'. It became exposed to the reality and power of religious devotion, an exercise in encounter with the very love that had moved Ahmed Raza in a contemporary manifestation. That was not what some were looking for: and in fairness it has to be said that that is not what a seminar is normally required to be ! Exactly the opposite, some would say! But that is, perhaps, what seminars on religion - served by practitioners and belivers as well as by detached 'objective' observers — have to be prepared to become sometimes at least. The very detachment and objectivity is a religious matter for some: the opposite has to be the case for others, or else the former position would not exist. Nevertheless, the home ground for the academic seminar has to remain — as undoubtedly it will — the pursuit of understanding or insight through detachment and calm objectivity. In Religious Studies and Theology, however, there is a place for academic meetings which themselves become encounters with conviction and experience not entirely accessible to impersonal rational investigation in isolated cerebral contexts. The whole person may be engaged: as it was here. To that extent, it was an honest

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا۔
رو رو کے مصطفےٰ نے دریا بہا دیئے ہیں

Allah kiya Jahannam ab bhi nah sard hoga
Ro ro ke Mustafa ne daryabaha diyye hain.
O Allah! will the hell-fire still not become cold?
From Mustafa's tears of compassion rivers have rolled.

ہم ہیں ان کے وہ ہیں تیرے تو ہوئے ہم تیرے
اس سے بڑھ کر تیری سمت اور وسیلہ کیا ہے

Hum hain un ke woh hain tere to hue ham tere
Is se barh kar teri samt aur wasilah kiya hai
We are his; he is Yours; so we are Yours.
What greater mediation than that can one think of?

سرکار ہم کمینوں کے اطوار پر نہ جائیں
آقا حضور اپنے کرم پر نظر کریں

Sarkar ham kaminon ke atwar par nah jayen
Aqa huzur apne karam par nazar karen
Please do not look at your mean actions;
O master, kindly look at your boundless mercy!

'O master', in that last line refers to the Prophet (and not to God). Similarly, in the earlier line, he refers to Muhammad Mustafa: 'We are his; he is Yours; so we are Yours'. The mediating role and the instrumentality of the Prophet, in the thinking of Ahmed Raza, are crystal clear!

Ghayas D. Qureshi drew attention to the fact that verses on 'Salam' by Ahmed Raza are intoned or recited following *Jumma Namaz* (congregational prayers) on Fridays in some mosques in Britain. The practice is movingly carried out with geniune devotion in mosques of the Barelwi tradition with which I am familiar in Bradford. It is clear, however, that such a custom is understood by some Muslims as diverging from the essence of Islam and its austere faith. In such a way, the controversy which occurred in the lifetime of Imam Raza about his devotion to the Prophet - whether he was too intensely attentive to the role of Muhammad (pbuh) or even not sufficiently attentive - continues today. Ahmed Raza was once criticised for his practice of signing himself *'Abd-i-Mustafa'*, servant of Muhammad Mustafa (pbuh). His critic declared, ' you are a servant of God, not of the Prophet!'

Inter-connected with this field of imagery (light) is, of course, the counter-balancing concept of shadow. In Ghayas D. Qureshi's mind was the tradition dear to many Muslims that God (of course) has no body, but he has a shadow; whereas the Prophet (so some believe) had a body but no shadow. Ahmed Raza naturally employs this concept of the *Zill*, the shadow, of God.

What or who, is God's shadow? This point fascinated some participants in the seminar. Their concern was articulated by Dr Juergen Nielsen, Director of CSIC, when he questioned Ghayas Qureshi's translation of *zill*. Noting that this is a term that has been used in the context of the Caliphate to refer to the Caliph as the *Zill* of God, the 'shadow' of the divine, Dr Nielsen asked Mr Qureshi to explain his translation of the phrase *zill-i-Khuda* in, for example, the lines:

خدا تیرا خدا ہے تو خدا کا پاک بندہ ہے
خدا تو تو نہیں نور خدا ظلِّ خدا تو ہے
تیری تعریف میں جتنا بڑھیں سب تجھ کو شایاں ہے
فقط اک نارَوا یہ ہے کہ یوں کہیئے خدا تو ہے

Khuda tera Khuda hai tu Khuda ka pak bandaḥ hai
Khuda to tu nahin nur-i Khuda zill-i-Khuda tu hai
Teri ta'rif men jitna barhen sab tujh ko shayan hai
Faqat ik narava yeh hai kih yun kahiye Khuda tu hai

God is your God, you are God's pious servant;
You are not God, you are his light and instrument.
It is justified to praise you as much as we like,
The only limit is we cannot say: you are God's embodiment.

The real answer to Dr Nielsen's probing of Ghayas Qureshi's translation of *zill* by 'instrument' rather than 'shadow' here, lies (or so it appears) in the concept of the person and work of the Prophet which is embedded in the poetry of Ahmed Raza himself. Raza's concepts extend beyond the perception of a shadow as a passive manifestation of the active agent. Mr Qureshi appeared to be endeavouring to do justice to the instrumental engagement of the person of the Prophet in the divine activity expressed, for example, in such lines as the following;

sometimes found himself the centre of controversy, as one can perhaps understand from devotional lines like:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

Main to malik hi kahunga ke ho Malik kay habib
Ya'ni mahbub-o-muhib.. men nahin mera tera.

Since you are Allah's beloved yours is everything;
In love, mine and thine does not apply to anything.

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا
ایسے پیارے سے محبت کیجئے

Jis ka husn Allah ko bhi bha gaya;
Aise piyare se muhabbat kijiye.

One whose beauty attracted even God's attention
Deserves to become the object of our affection.

The directness and clarity of the poet's engagement in meditation on the personality of the Prophet, and his daring (many would say, far too adventurous) projection of this fascination into the inner and deeper theological dimensions of Islam, already apparent in the above lines, is further spelt out in Ahmed Raza's use of the imagery of the divine light. Ghayas D. Gureshi drew attention to the way in which the theme and associations of light are used in Raza's portrayal of the significance of the person and work of the Prophet. Word-pictures connected with lamps and candles, with the moon and the stars, are used to elaborate and convey this perception. Raza's most far-reaching development of the theme, however, was spelt out at the seminar by Mr Qureshi in quoting the significant lines:

انبیاء اجزا ہیں تو بالکل ہے جملہ نور کا
اس علاقے سے ہے ان پر نام سچا نور کا۔

Anbia ajza hain tu bilkul hai jumla nur ka;
Is ilaqe se hai un par nam sacha nur ka.

While the other messengers are its parts,
Your are the sentence of light!
This analogy of the whole and the parts,
Tells us that your are the essence of light!

Poetry and Theology

The work of Imam Ahmed Raza

(Reflections on a seminar led by Prof. G.D. Qureshi)
Dr David G. Bowen (Bradford, England)

Poetry written in devotion to the Prophet Muhammad (Allah's Grace and Peace be upon him) by Imam Ahmed Raza (1856-1921) was the subject of a fascinating and lively semi nar led by Ghayas D. Qureshi on 20 March 1991. The event was chaired by Dr sigvard von Sicard at the Centre for the Strudy of Islam and Christian-Muslim Relations (CSIC) at Selly Oak, Birmingham. The Centre is within the University of Birmingham. Staff of the Centre, including its Director (Dr Juergen Nielsen), together with a dozen or more post-graduate students from many countries - all of them studying aspects of Islam in depth - attended the seminar. Ghayas D Qureshi's full topic was: "Major theological and ethical themes in the poetry of Imam Ahmed Raza (1856-1921)."

Ahmed Raza's collected poems in the volume *Hadaiq-i-Bakhshish* ("The Gardens of Bliss") were the focus of G.D. Qureshi's attention. He had carefully transcribed some of the key verses, had transliterated them into the Roman alphabet and also translated them into English, for the benefit of participants: a feature of the event that was greatly valued, together with the written introduction distributed by Mr Qureshi. The three themes that had been selected for attention were specified as: (1) the concept of God and the Prophet; (2) freewill and predetermination; (3) the ethical dimension. The seminar thus touched upon theological, philosophical and sociological concerns. Ghayas D. Qureshi acknowledged gratefully the scholarly guidance and support of his research supervisor, Dr Christian W. Troll, in his work and in preparing for the seminar.

The poems of Ahmed Raza are passionate in their praise of the Prophet. The passion flowed so strongly that the poet-Imam

Our prophet is the true distributor of God's favours;
He alone can give, because he has these powers.

Our Prophet as sun has never set, nor will it ever set;
Innumerable stars, in the past, have shone and set.

Our Prophet is the leader of all the Prophets of God;
While, in their own places, they prophet enjoy authority from God.

Our Prophet's light extends even beyond the realm of space;
He is the essence of the light of every form of space.

Our Prophet is even nobler than that best;
Whom you regard as the best among the noblest.

Our Prophet is even higher than that best;
Whom you regard as the best among the highest.

Our Prophet is the Prophet of all other Prophets as well;
Though they are all our masters but this is what they tell.

Our Prophet is the powerful beacon of God's light,
Who divided the moon into two halves on a night.

Our prophet shone even through the dark mirrors,
While the others shone only through the clear mirrors.

Our Prophet is that Fountainhead of the water of life;
Who has given to dead hearts a gift of eternal life.

Our prophet will help the helpless through his compassion;
O Raza! give this good news to those who are grief ridden.

OUR PROPHET IS THE MOST SUBLIME AND THE HIGHEST

Our Prophet is the most sublime and the highest;
Our Prophet is the most elegant and the greatest.

Our Prophet is the beloved messenger of His Creator;
Our Prophet is the bridegroom of this world and the Hereafter.

Our Prophet is the first manifestation of God's light,
Though he shone in this world as the last Prophet for human sight.

Our prophet holds the most distinguished status alone;
It is worthy of him on the highest heaven to sit on God's throne.

Our Prophet brought with him such a dazzling light,
That it outshone all others, which prior to his time were bright.

Our Prophet is that saviour, healer and seer;
The water that washed his feet is an elixir.

Our Prophet went to see God on His highest heaven;
For this occasion the most brightly decrorated mirrors were chosen.

Our prophet is unique and the highest of his kind;
The prophets are from the mystics, who are from humankind.

Our Prophet has such a beautiful complexion;
That beauty itself takes oaths by his attraction.

Our Prophet's beauty is to humanity, what salt is to cookery;
There can be no taste in your words until you praise his personality.

Our Prophet is yours, theirs and that of one and all;
Just as there is one God Almighty for one and all.

Our Prophet finally emerged from the clouds as the moon;
Before him different prophets came to mankind as God's boon.

Hearing his voice I may noisily utter this exclamation:
"Why should I wory at all now for my salvation?"

Look! here arrives my supporter, the helper of everybody;
His arrival has infused a new spirit into my body.

Then, the merciful Prophet may hide me under his cloak;
Saying, "Leave him. Drop all the charges at a stroke."

He is my servant and I have set him free.
Do not ask him any question. Leave his case to me.

While releasing me the angels may respectfully say:
"We are your servants, O master. We dare not disobey".

All the spectators on the Day of Judgement may, then exclaim:
what a high status you have and what an exalted name!.

I would lay down my life for this merciful intercession;
you have saved your servant from imminent destruction.

The Song-birds love to hear your lyrics, O Raza!
You are a gifted nightingale of the garden of Madinah.

The Religious Poetry of Imam Ahmed Raza

Ghayas D Qureshi.

ON THE DAY OF JUDGEMENT

Utterly perplexed I am at this moment of accountability;
O friends, how should I articulate my wish in this annxiety!

I wish the Prophet may hear my suplication and say:
'Look! Find out why there is all this noise today;

Who is this aggrieved man? What is his woeful tale?
What has happened to him? Why is his voice sad and frail?

Whose help in the name of Allah does he seek?
Why is he so worried? Why does he painfully shriek?

His appeals have invoked my boundless mercy;
someone should go and find out the cause of his agony.

The angels may submit that a criminal heart bleeds;
He is being ordered to ac count for all his deeds.

The moment is critical as all his record is there;
He shudders to think what sentence God may declare.

He implores you to intercede, O leader of the Massengers!
He says, 'I am powerless, Pray,use your intercessionary powers'.

Any moment I would face a calamity or a disaster.
If you come, I will have nothing to fear, O Master.

On this appeal the Prophet may take pity on me;
And order the angels to with-hold any further inquiry.

Who are you blaming and punishing for his activity.
I will come and see him as he appeals to my mercy.

HOLY
QUR'AN

Revealed at Mecca
THE OPENING

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سَبْعُ اٰيٰتٍ

(Allah in the name of The Most Affectionate, The Merciful)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

1. All praise unto Allah, Lord of all the worlds.

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ①

2. The most Affectionate, the Merciful.

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ ②

3. Master of the Day of Requittal.

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ ③

4. We worship You alone, and beg You alone for help.

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ ④

5. Guide us in the straight path.

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ ⑤

6. The path of those whom You have favoured.

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ

7. Not of those who have earned Your anger and nor of those who have gone astray.

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ⑦

In the context of Naatia petry of Imam Ahmed Raza Khan, we are presenting, through the courtesy of "Sunni Razvi Society, Durban, an article titled "An Introduction to Haddaiq-e-Bakhshish", the famous collection of Naatia Poetry, which shows that the Naatia poetry of Ala-Hazrat is now attracting world wide appreciation. In this issue we are also presenting an article under the caption "Imam Ahmed Raza Khan's Place in Urdu Naatia Poetry" by a renowned literary critic Mr. S.A.H. Naqvi which was published in a largely circulated Eveninger "STAR" Karachi with due acknowledgement to them. We hope this article would also be very much appreciated by our readers.

In our previous issues we had published a research work written in the perspective of Pakistan Movement by Prof. Syed Jamal Uddin, under the caption "The Bareilvis and the Khilafat Movement" and an article by a renowned banker Mr. Rashid H. Qadri titled "A forgotten Omniscient", highlighting for the first time ,Imam Ahmed Raza Khan's grip over subjects like Economics and Banking. Both these topics were very much appreciated by our readers and in view of the persisting demand, we are re-producing these articles in our present issue.

While every possible effort has been made on our part to make this publication a memorable one, however, comments and suggestions of our readers would be most Welcome.

MANZOOR H. JILLANI
Karachi
22nd August 1991

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

FOREWORD

On the special occasion of Imam Ahmed Raza International Conference, we present, in this issue, selected articles written by eminent scholars of our country as well as from abroad. By the grace of Almighty, so much is being written now on the great personality of Imam Ahmed Raza Khan that it becomes a difficult task to choose from a large number of articles which our well wishers send to us for inclusion in Maarif-e-Raza.

This issue is unique in the sense that it contains three articles from foreign renowned research scholars. For our readers, the views expressed by Prof. Dr. J.M.S. Baljon, a renowned Dutch Scholar and Dr. Barbara D. Metcalf from United States on the great personality of Imam Ahmed Raza Khan shall be of special interest. Similarly, an analytical view by Dr. David G. Bowen, UK on the Naatia Poetry of Imam Ahmed Raza Khan is a unique addition in this number.

Prof. G.D. Qureshi has beautifully translated some of the famous Naat's and world famous salaam of Imam Ahmed RAza Khan. The English version of salaam and few beautiful Naat's have already been presented in our previous volumes. Now we are presenting English version of tow more famous Naats, which we are sure, would be admired by our readers.

Another unique feature of this issue is an article titled "Imam Ahmed Raza Khan and Mr. Jinnah" by Dr. Syed Azhar Ali. The learned writer has taken pains to collect historical realities and in fact this article may be rightly regarded as one of the most important chapter of the history of Pakistan Movement. From the contents of this article, one cant deny the fact that Imam Ahmed RAza Khan was gifted by Almighty with great farsightedness and what he conceived four decades back, was put into reality on 14th August '1947.

CONTENTS

MA'ARIF-E-RAZA

Vol. XI 1991

IDARA-I-TAHQEEQAT-E-IMAM AHMED RAZA (Regd.)
234/7 3rd Floor Nasheman Building,
Stretchen Road, Karachi

INTERNATIONAL EDITION

MAARIF -E- RAZA

Vol. XI 1991

Idara-i-Tahqeeqat-e-Imam Ahmed Raza (Regd),
234/7, 3rd. Floor, Nasheman Building, Stretchen Road, Karachi (Pakistan).